علمائے دیوبند کے آخری لمحات

حصہ دوم

ابو محمد مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

عمر پبلی کیشنز

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ...... (القرآن)

علماءِ دیوبند کے آخری لمحات

(جلد دوم)

مرتب

مولانا ابو محمد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

عمر پبلی کیشنز

فرسٹ فلور یوسف مارکیٹ 38/اردو بازار لاہور فون: 042-7356963

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

علماء دیو بند کے آخری لمحات

مرتب

مولانا ابو محمد ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

باہتمام

حافظ محمد احمد چوہدری

اشاعت —— جون 2010ء

پرنٹرز —— چوہدری پریس

ناشر —— عمر پبلی کیشنز فرسٹ فلور یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38/اردو بازار لاہور

کمپوزنگ النفیس کمپوزنگ سنٹر

بالمقابل حبیب بنک شجاع آباد۔ فون: 0307-2603021

قیمت —— ۳۰۰ روپے

ضروری گذارش: ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتے۔ تاہم انسان انسان ہے، سہواً اگر کوئی غلطی ہوگئی ہوتو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔ —— (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماءِ دیوبند کے آخری لمحات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد

کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللّٰھم بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر	اسماء گرامی	صفحہ نمبر
پیش لفظ	8	امام پاکستان سید احمد شاہ چوکیرویؒ	54
(باب اول)	11	مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ	59
مولانا محمد مراد فاروقیؒ مظفر نگری	11	حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ	62
حضرت شاہ ابواحمد قدس سرہ	12	مولانا عبدالدیان کیمبل پوریؒ	65
مولانا فتح دین لائل پوریؒ	17	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	66
مولانا حکیم نصرت حسین صاحبؒ	19	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ	70
مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ	24	مولانا شمس الحق صاحب فرید پوریؒ	73
حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ	26	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	76
مولانا سید غلام حیدر پشاوری	31	مولانا قاضی سعد اللہ صاحبؒ	80
مولانا حافظ محمد عبدالغفور فاروقیؒ	32	مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحبؒ	82
مولانا احمد شیر رحمہ اللہ	35	مولانا محمد ابراہیم سلیم پوریؒ	84
مولانا حکیم جمیل الدین دیوبندیؒ	36	حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ	86
مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتیؒ	37	استاذ المناظرین والمبلغین علامہ دوست محمد قریشیؒ	87
علامہ عبدالرحیم پوپلزئیؒ	38	مولانا مفتی فاروق احمدؒ بہاولپوری	91
مولانا محمد صادق کراچویؒ	41	مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ	93
مولانا مطیع الحق پیامی دیوبندیؒ	42	مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ	97
سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ دہلوی	44	سید العارفین، امام المفسرین الشیخ حضرت	99
حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ مرادآبادی	48	خواجہ محمد عبداللہ بہلویؒ	
شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ	51	مولانا فضل اللہ شاہ مونگیریؒ	105

اسماء گرامی	صفحہ نمبر
نواسۂ شیخ الہندؒ مولانا انعام کریمؒ	106
حضرت مولانا اسعد اللہؒ	107
حضرت مولانا پیر طریقت، زاہد بے ریا، سید زوار حسین نقشبندیؒ	108
مناظر اسلام مولانا محمد حیاتؒ	110
شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ	113
حضرت مولانا فضل محمد رحمہ اللہ	118
حضرت مولانا نور الحسن بخاریؒ	121
حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحبؒ	123
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ	126
حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ	127
مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدیؒ	129
حضرت مولانا قاضی عبدالقادرؒ	131
حضرت مولانا نجم الحسن تھانویؒ	132
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ	136
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ	141
اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گلؒ	146
حضرت مولانا امیر الزمان کشمیریؒ	151
حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندیؒ	154
مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ	161
خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ	164
حضرت مولانا نیاز محمد ختنیؒ	169
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ	175
حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ	178
حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ	182
حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ	184
حضرت الحاج محمد احمد صاحبؒ	186

اسماء گرامی	صفحہ نمبر
حضرت مولانا عبدالمجید سکھرویؒ	189
محقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ	192
حضرت مولانا محمد قاسمؒ (ڈیرہ غازیخان)	194
حضرت اقدس مولانا عبدالحیٔ بہلویؒ	197
حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ سکھرویؒ	202
حضرت مولانا عبدالرحیم نعمانیؒ	204
حضرت مولانا غلام محمودؒ	206
حضرت صوفی محمد اقبال مہاجر مدنیؒ	208
شہنشاہ خطابت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ	214
حضرت مولانا غلام کبریاؒ	217
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ	221
خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ	224
فضیلۃ الشیخ سید حبیب محمود احمد مدنیؒ	228
حضرت مولانا حافظ فخر الدینؒ	234
حضرت مولانا عبید الرحمٰنؒ	235
فخر المدرسین حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ	240
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس چکیسریؒ	243
قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ	246
حضرت مولانا شمس الحقؒ	252
حضرت مفتی ضیاء الحق رحمہ اللہ	256
حضرت مولانا مفتی محمد انور رحمہ اللہ	259
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد الحسینیؒ	262
حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے آخری خلیفہ حضرت شاہ ابرار الحقؒ	268
حضرت مولانا غلام سرورؒ	270
مولانا حضرت سیدؒ	273
شاعر ختم نبوت سید امین گیلانیؒ	275
فاتح ربوہ حضرت مولانا خدا بخش شجاع آبادیؒ	278

اسماء گرامی	صفحہ نمبر
مولانا مفتی فقیر اللہ اثریؒ	281
فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ	284
فقیہ العصر حضرت مفتی عبد الستارؒ	294
حضرت مولانا عبد القیوم چترالیؒ	297
حکیم حافظ عبد الرشید چیمہ رحمہ اللہ	303
رئیس الخطاطین، مرشد العلماء حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ	306
شیخ الحدیث مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ	310
مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ	316
حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ	321
شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ	326
حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن رحمہ اللہ	338
حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ	340
حضرت مولانا محمد فیروز خان ثاقبؒ	341
میر کاروانِ تحفظِ ختم نبوت، خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ	345
(باب دوم) شہداء گرامی	356
مولانا سید شمس الدین شہیدؒ	356
مولانا محمد مجاہد شہیدؒ	360
بانیٔ جامعہ فریدیہ، خطیب لال مسجد اسلام آباد شہید اسلام مولانا محمد عبد اللہ شہیدؒ	362

اسماء گرامی	صفحہ نمبر
علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی شہیدؒ	364
علامہ شعیب ندیم شہیدؒ	368
گن مین رضوان زمان شہیدؒ	370
ڈرائیور ثناء اللہ شہید	371
مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ	372
علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ کے والد ماجد سائیں محمد وارث شہیدؒ	376
مفسر القرآن، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ	380
مولانا ڈاکٹر ہارون قاسمی شہیدؒ	384
شہید تحریک نفاذ اسلام علامہ غازی عبد الرشید شہیدؒ	391
شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ	399
حضرت مولانا مفتی عبد السلام شہیدؒ	402
مولانا مفتی محمد اسماعیل شہیدؒ	403
حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ	408
نواسۂ امیر شریعتؒ سید محمد ذوالکفل بخاری شہیدؒ	413
آفتاب علم و عمل، تصویر لدھیانوی شہیدؒ	420
حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ	
مولانا مفتی فخر الزمان شہیدؒ	426
جناب حافظ محمد حذیفہؒ	427
جناب عبد الرحمٰن سری لنکن شہیدؒ	428
حضرت مولانا عبد الغفور ندیم شہیدؒ	429

پیش لفظ

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے فرزندانِ گرامی قدر کے بعد جن علماء حق نے دین کی اشاعت وترویج میں اپنی زندگیاں وقف کیں اور شرک وبدعات کے خاتمے کے لئے بھرپور علمی تحریک چلائی وہ ''علماء دیوبند'' کے نام سے پہچانے گئے۔

قیامِ دارالعلوم دیوبند کے بعد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علمی ورثاء نے ملک بھر میں علم وفضل کے وہ چراغ روشن کیے جن کے نور سے آج بھی پورا برصغیر مستنیر ہے اور چراغ سے چراغ جلتے ہوئے یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے کہ علمائے دیوبند کے مدارس کی تعداد ہزاروں میں اور ان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ صدی میں ان علمائے حق کی خدمات سے ہی دینِ حق کی روشنی گھر گھر میں پہنچی اور اس کے اثرات صرف برصغیر نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں مسلسل کئی نسلوں تک پہنچے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ بات نہایت وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے چلنے والی علمی تحریک کا یہ فیض عام نہ ہوتا تو ہندووانہ رسوم ورواج مسلمانوں کے عقائد کا حصہ بن کر اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ اہلِ اسلام اور کفار میں بہت معمولی فرق رہ چکا تھا۔ اس دینی وعلمی تحریک نے جن علماء کو جنم دیا وہ صرف علمی نہیں بلکہ عمل اور اخلاص کے بھی پیکر تھے۔ انہوں نے دین کی اشاعت کے راستے میں حائل ہر رکاوٹ کو خندہ پیشانی سے عبور کیا اور لمحہ بہ لمحہ اپنے قدم آگے بڑھاتے چلے گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ہو یا تحریک ریشمی رومال، تحریک ختم نبوت ہو یا تحریک مدحِ صحابہؓ، جہاد فی سبیل اللہ ہو یا دعوت وتبلیغ کا وسیع میدان...... جہاں اور جس میدان میں علم وعمل،

جرأت وشجاعت، عزم واستقلال، اخلاص وتقویٰ سے جینے کی ضرورت پیش آئی تو علماء دیوبند نے اپنا موجود ہونا دنیا پر واضح کیا، اور اس کے ساتھ ساتھ جہاں بھی حق وصداقت پر زندگی موت کے فاصلے کم ہوتے نظر آئے، تو علماء دیوبند نے جان ہتھیلی پر رکھ کر دینِ حق کی ترویج کی اور طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا جانا ان کا مقام ومنصب ٹھہرا۔

زندگی میں انہوں نے ہر طرح کی باطل قوتوں سے ٹکر لی اور استقامت وعزیمت کے وہ عالی شان مظاہرے تاریخ کے صفحات پر ثبت کئے جن کو آج تک جھٹلایا نہیں جا سکا۔ ان کی زندگی کے شب وروز قرآن وسنت کی اشاعت میں گزرے ہی تھے، مرتے وقت بھی ان کے پھڑ پھڑاتے لبوں سے قرآن وسنت کی صدائیں سنائی دیں۔

ہمارے اکابر نے اپنی زندگیاں علم وتعلم، زہد وتقویٰ اور صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے گزاریں، یہاں تک کہ جب ان کا وقتِ موعود پیامِ اجل کی صورت میں سامنے آیا تو اس وقت بھی وہ علم وتعلم میں مصروف پائے گئے یا الا اللہ کا ورد کرتے اور شرک وبدعات کی بیخ کنی میں مصروف پائے گئے۔ اور حدیثِ نبوی ''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوا'' کے مصداق ٹھہرے۔

ان علماء کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، اور ایک بہت بڑی تعداد ان گمنام لوگوں کی ہے جو مشہور علمی مراکز اور بڑے بڑے شہروں کی بجائے پسماندہ دیہاتوں، صحراؤں اور ریگستانوں اور بلند وبالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر علم وعمل کے دیپ جلاتے جلاتے گمنامی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ان کے سیرت وکردار اور اخلاص ووفا کی داستانیں زبان زد عام وخاص ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق موت کے وقت انکی زبانوں سے کلمہ توحید کی صداؤں کا گونجنا ان کے تقرب عند اللہ کی دلیل اور رضائے الٰہی کا ثبوت ہے۔

ہم نے تقریباً پانچ سال قبل ۱۰۰ کے قریب علماء کی زندگی کے آخری لمحات اور وفات حسرت آیات کے مناظر پر مشتمل ''علمائے دیوبند کے آخری لمحات'' ترتیب دی تھی جس سے ہمارا مقصد عوام وخواص کو ان علماء کے حسنِ خاتمہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان کے دامن سے وابستگی کی ترغیب دینا تھا۔ بفضل اللہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ملک بھر سے قارئین کی ایک بڑی تعداد

کی طرف سے تحسین وتائید کے ساتھ ساتھ یہ پرزور مطالبہ بھی سامنے آیا کہ ایسے بہت سے علماء کرام کہ جن کے وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کے اثرات معاشرے میں قدم قدم پر موجود ہیں لیکن ان کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں پایا جاتا ان کا تذکرہ بھی شامل کیا جائے۔ یہ مطالبہ اس قدر بڑھا کہ بالآخر ہمیں ایک دفعہ پھر محنت کر کے مزید ایک سو کے لگ بھگ علماء مرحومین وشہداء فی سبیل اللہ کے حالات پر زیرنظر کتاب مرتب کرنا پڑی۔

بلاشبہ یہ کوئی علمی معرکہ آرائی نہیں ہے، تاہم اللہ کے برگزیدہ بندوں کے تعارف اور ان کے حسنِ خاتمہ پر مشتمل ایک ایسی دستاویز آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ جس کے مطالعہ سے یقیناً صراطِ مستقیم پر چلنے اور ان علماء جیسے خاتمے کی تڑپ دلوں میں پیدا ہوگی اور علم وعمل کا جذبہ انگڑائی لے گا۔

''علمائے دیوبند کے آخری لمحات'' (جلد دوم) ہمارے مہربان دوست جناب حافظ محمد احمد چوہدری کی بھرپور تحریک پر مرتب کی گئی ہے۔ یہ مضامین ماہنامہ رسائل، اخبارات، تاریخی اور سوانحی کتب سے لیے گئے ہیں اور بعض مضامین کو مختصر کر کے شامل کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ مآخذ کے اندراج کا اہتمام بھی کر دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قارئین کو بھرپور علمی وعملی استفادہ کرنے اور علماء دیوبند کی خدمات کو اُجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ابومحمد (مولانا) ثناء اللہ سعد

شجاع آبادی

مولانا محمد مراد فاروقیؒ مظفر نگری

(وفات: ۱۹۱۴ء)

1262ھ 1845ء میں پاک پٹن کے ایک قریبی گاؤں امب میں پیدا ہوئے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی اٹھارویں پشت میں تھے۔ چار سال عمر تھی کہ یتیم ہوگئے۔ ان کے ماموں ان کی والدہ کے ساتھ ان کو اپنے یہاں لے گئے۔ سن شعور کو پہنچے تو ماموں نے تعلیم سے بے توجہی پر سرزنش کی اس پر کبیدہ خاطر ہوکر بلا اجازت 1279 میں لاہور چلے گئے۔ وہاں اردو اور فارسی تعلیم حاصل کی۔ لاہور سے دہلی پہنچ کر حافظ غلام رسول ویران سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر علی گڑھ جا کر حضرت مفتی لطف اللہ علیہ الرحمت کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے رام پور میں مولانا ارشاد حسین صاحب سے بھی بعض کتابیں پڑھیں آخر میں دارالعلوم کی کشش یہاں کھینچ لائی۔ مولانا محمد مرادؒ دارالعلوم کے ابتدائی طلباء میں سے تھے۔ یہاں پانچ سال رہ کر علوم کی تکمیل کی اور 1288ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنی خداداد ذہانت اور حصولِ علم میں غیر معمولی محنت و کاوش و علمی استعداد کے لحاظ سے ممتاز حیثیت حاصل کرلی تھی۔ حضرت نانوتویؒ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ حضرت نانوتویؒ نے ۱۲۹۴ھ میں جب مظفر نگر کی جامع مسجد حوض والی میں مدرسہ کا افتتاح فرمایا تو اس کا صدر مدرس انہی کو بنایا گیا چنانچہ آگے چل کر یہ مدرسہ مرادیہ کے نام سے موسوم ہوگیا اور اب تک جاری ہے۔ مولانا محمد مراد صاحب نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس اور مدرسہ مرادیہ کی بقاو ترقی کے لئے وقف کردی تھی۔ مظفر نگر ہی میں سادات بارہہ کے خاندان میں ان کی شادی ہوگئی۔ مدرسہ مراد میں ۴۰ سال تک ان کی مسندِ درس بچھی رہی۔ ۳رجب ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء کو عین جمعہ کی اذان کے وقت وفات پائی۔ مظفر نگر مسجد شاہ اسلام کے احاطے میں مدفون ہوئے ان کے چھوٹے صاحبزادے محمد رشید فریدی سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بڑی صاحبزادی فاطمہ منسوب ہیں۔

حضرت شاہ ابواحمد قدس سرہ

(وفات: ۱۹۲۳ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ پیر ابواحمد صاحبؒ اپنے عہد کے مشائخ کبار میں سے تھے اور اس آخر دور میں کم سے کم ہندوستان میں نسبت مجددکا ان سے بڑھ کر مظہر اور اس طریقہ کے کمالات وعلوم اور معارف وحقائق کا ان سے بڑھ کر عارف وترجمان نظر نہیں آتا۔ وہ غایت درجہ میں سنت کے متبع اور آداب طریقت کے امین ومحافظ تھے، تجرید وتفرید، تبتل وانقطاع، اہل دنیا سے بے رغبتی امراء واہل دول سے بے تعلقی اور زہد وقناعت میں دور دوران کی نظیر نہیں ملتی تھی''۔

شاہ صاحبؒ کی پوری زندگی سنت نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، آپ سنت کے عامل ہی نہیں بلکہ اس کے حریص تھے، ادعیۂ ماثورہ اور اذکار منسونہ کا بے حد اہتمام فرماتے تھے، زیادہ اوقات اذکار واشغال اور مراقبات میں گذارتے تھے، ہر چیز میں اتباع سنت کو مقدم رکھتے تھے، اپنے معمولات کا بہت اہتمام رکھتے تھے، روزانہ ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد اور دوسرے بزرگوں کے ختمات کا معمول تھا، بعد نماز فجر اور بعد نماز ظہر تلاوت قرآن مجید فرماتے تھے، بہت تھوڑا سا وقت چاشت کے بعد اور بہت تھوڑا وقت نماز عصر کے بعد لوگوں سے بات کرنے کے لیے رکھا تھا۔ شرعی امور میں ادنیٰ سی بھی لچک گوارہ نہ تھی اور فوراً چہرے سے آثار جلال ظاہر ہو جاتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ بڑی توجہ اور رعایت سے بھی کام لیتے تھے۔

حضرت کے معمولات میں سے ختم خواجگان کا معمول بہت اہم تھا اس میں ناغہ کرنا کبھی پسند نہ فرماتے تھے اسی لیے عام علماء ومشائخ کی روش سے ہٹ کر بس ایک جگہ یعنی بھوپال میں جم

کر بیٹھ گئے تھے اور یہیں اپنی خانقاہ شریف میں تذکیۂ نفس اور خدمت خلق میں ساری عمر مصروف رہے، یہی وجہ ہے کہ سفر سے بہت گریز کرتے تھے کیونکہ اس سے اذکار و معمولات میں بڑا خلل واقع ہوتا تھا۔ اپنے اکابر مشائخ نقشبندیہ کے عام شیوہ کے مطابق مکتوبات امام ربانی کی تعلیم اور مطالعہ آپ کی خانقاہ میں بھی بہت اہمیت رکھتا تھا اور خود آپ بھی ان مکتوبات کے اسرار و حکم کے شناسا اور علوم و معارف کے اس بحر بے کنار کے غواص تھے، زندگی کے آخری زمانے میں دنیا سے یکسوئی، انقطاع اور اتباع سنت و تعلق مع اللہ بہت بڑھ گیا تھا۔ یہ اسی خاندان کی برکت تھی کہ بھوپال جو اُس زمانے میں ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے معروف تھا، دینی و علمی سرگرمیوں کا بھی گہوارہ بنا ہوا تھا۔ نواب جہانگیر محمد خاں سے لے کر نواب حمید اللہ خاں تک تمام اراکین شاہی اور بیگمات وغیرہ اسی خاندان سے محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ جب اعیان ریاست کا یہ حال تھا تو عوام کا پوچھنا ہی کیا، یہی وجہ ہے کہ بھوپال اور اس کے قرب و جوار میں ایک دینی شعور اور پاکیزہ ماحول پیدا ہو گیا تھا جس کا اثر اب تک کچھ نہ کچھ باقی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو اتباع شریعت کا اتنا لحاظ تھا کہ باوجود یہ کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ سے نسبی اور روحانی دونوں تعلق تھا مگر عرس کے موقع پر سرہند کبھی تشریف نہیں لے گئے اور نہ ہی اپنے متوسلین کو اس کی ترغیب دی۔

قناعت پسندی کا عالم یہ تھا کہ کبھی تحائف و نذرانے قبول نہ فرماتے تھے والی ریاست نواب سلطان جہاں بیگم اور نواب شاہ جہاں بیگم حضرت سے بے حد عقیدت رکھتی تھیں اور خانقاہ شریف میں حاضر ہونے کی اجازت چاہا کرتی تھیں مگر اکثر محروم رہتی تھیں۔ گذر بسر کے لیے بس وہ رقم تھی جو ریاست سے خانقاہ شریف کو ملتی تھی یا پھر زراعت سے جو کچھ میسر ہوتا تھا وہ کام آتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (م ۱۹۷۰ء) کو خلافت اور جانشینی سے مفتخر فرماتے وقت جو نصیحت فرمائی تھی وہ استغناء اور توکل کے باب میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا:

> "بیٹے ذرا بھی دنیا کی عزت نہ کرنا، میں نے اور تمہاری والدہ نے کدو ابال ابال کر کھائے لیکن دنیا والوں کی کبھی پرواہ نہ کی، اسی پر استقامت کرنا، اللہ تم کو برکات سے مالا مال فرمائے گا"۔

یہ عجیب اتفاق ہے اور بعد کی آنے والوں نسلوں کے لیے بڑی محرومی کی بات ہے کہ

ایسے جلیل القدر اور متبع سنت شیخ کامل کے حالات وکمالات اور ان کے ملفوظات وافادات سے متعلق کوئی کتاب اس وقت تک نظر سے نہیں گذری ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری معلومات کا محدود ذریعہ صرف دو چیزیں ہیں ایک تو حضرت لکھنویؒ کا وہ تعزیتی مضمون جو آپ نے النجم (دور جدید) بابت محرم ۱۳۴۳ھ میں شائع فرمایا تھا اور دوسرے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وہ کتاب جو صحبتے با اہل دل، کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں ضمناً حضرت شاہ صاحب کے احوال بھی درج ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ (م ۱۹۵۳ء) کے بڑے بھائی مولانا سید ابو حبیب دسنوی (م ۱۹۲۷ء) نے جو کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے آپ کے حالات پر مشتمل ایک مجموعہ' معارف مجددیہ' کے نام سے مرتب کیا تھا مگر وائے افسوس کہ وہ مرتب کی حیات میں ہی کہیں ضائع ہو گیا اور شائع نہیں ہو سکا۔

مرض الموت اور وفات

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے جن پر فنائیت اور اخفاء حال کا غلبہ زندگی میں رہتا ہے ان کا جب اس دار فانی سے رخصت ہونے کا وقت موعود آتا ہے تو اضطراری طور پر ان کے کچھ کمالات ومقامات کا اظہار ہو جاتا ہے جو دوسروں کے لیے سرمایہ عبرت بن جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ میں بھی کچھ ایسے ہی حالات پیش آئے تھے جو تحریر کیے جاتے ہیں۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں جب مرض الموت کا غلبہ ہوا اور علالت نے کافی شدت اختیار کر لی تو بار بار دن اور وقت کے بارے میں پوچھتے، ایک دن اچانک فرمایا السلام علیکم، پھر کچھ گردن سے اشارہ کرتے ہوئے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

''کہاں میرا یہ کثیف سینہ وجسم اور کہاں یہ قدم مبارک!''

پھر مسواک طلب فرمائی، طشت میں پانی منگوایا اور بار بار دہن مبارک اور پیشانی کو تر کیا۔ اس پر مولانا محمد یحییٰ قاضی ریاست نے فرما کہ یہ سنت بھی ادا ہو گئی، پیاس کی بڑی شدت تھی، زمزم شریف نوش فرمایا پھر دو چار جھٹکے سے لگے جس سے آپ کو بڑی تکلیف محسوس ہوئی، پھر فرمایا، ابھی بعض اخوان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ اور پھر سکوت ہو گیا۔

وفات سے چند روز پہلے تک تمام معمولات جاری رہے، نماز کا اسی طرح کھڑے ہو کر طول قرأت کے ساتھ پڑھنا، قرآن مجید کی دونوں وقت تلاوت کرنا، ختم خواجگان کی پابندی، ہفتہ میں دو دن کے روزے غرض سب کام اسی شان پر جاری تھے، جب بالکل معذور ہو گئے تو بیٹھ کر اور پھر بعد میں لیٹ کر نماز پڑھنے لگے آخیر وقت تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اتباع سنت کی حرص تو گویا خمیر میں داخل ہو چکی تھی۔ آخر وقت تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اتباع سنت کی حرص تو گویا خمیر میں داخل ہو چکی تھی۔ آخر وقت میں جب بار بار پانی میں ہاتھ تر کر کے چہرہ مبارک پر پھیرتے جاتے تھے تو اس وقت یہ دُعا اور دزبان تھی **اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ** اسی حالت میں یہ کلمات بھی زبان سے ادا ہوتے سنے گئے۔ ''یا اللہ میرے گناہوں پر پردہ ڈال دے اور اپنی مغفرت میں چھپالے''۔ قاضی محمد یحییٰؒ سے فرمایا کہ قاضی صاحب! اگر کوئی سنت اس وقت کی رہ جائے تو مجھے بتلا دیجئے گا، وفات سے پہلے ہر شخص سے بار بار یہ پوچھتے تھے کہ کہ پنجشنبہ کا دن کب ہے، مخصوص خدام کو یہ سوال سن کر ہی کھٹکا ہو گیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ شاید حضرت کا وصال پنجشنبہ ہی کا دن ہوگا کیونکہ اس قسم کے امور بعض اولیاء اللہ کو الہام کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ پنجشنبہ کے دن صبح کو وصیت نامہ کی تکمیل کا حکم دیا چنانچہ حسب ہدایت وصیت نامہ مرتب کیا گیا، ظہر کی نماز ادا فرمائی، دو بجے دن کو دہلی سے حاذق الملک حکیم اجمل خاں (م ۱۹۲۷ء) حسب الطلب تشریف لائے، مزاج کا حال دریافت کیا تو فرمایا۔ اب مزاج کہاں ہے پھر حکیم صاحب نے دوا دینے کی اجازت چاہی تو فرمایا اب دوا کی ضرورت نہیں۔ نماز عصر کی تیاری کا وقت تھا کہ ایک دم کچھ حرکت فرمائی اور نہایت آہستگی سے کچھ فرماتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۲۳ء روز پنجشنبہ ساڑھے چار بجے دن کا ہے۔ سن ولادت ۱۲۶۰ھ کے مطابق آپ کا تاریخی نام ''مروج الشریعۃ'' ہے اور مدت عمر لفظ ''امام'' سے ظاہر ہوتی ہے یعنی بیاسی سال اور ''امام مروج الشریعۃ'' سے سن وفات نکلتا ہے۔

وصیت

اخیر وقت میں جو وصیت نامہ آپ نے مرتب کروایا تھا اس میں مہتمم بالشان وصیت یہ تھی

کہ میرا جنازہ بالکل سادہ رہے، تزک و احتشام بالکل نہ ہو قبر بالکل خام ہو اور اونچی نہ ہو، جگہ بھی خود ہی وہ تجویز فرمائی کہ تواضع و خاکساری اس پر برس رہی ہے، یہ بھی وصیت فرمائی کہ قبر پر روشنی اور آرائش بالکل نہ ہو، تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں نہ کیا جائے عرس اور میلہ نہ ہو، فرمایا کہ جب تم لوگوں کا دل ایصال ثواب کو چاہے تو کھانا پکوا کر طلباء اور مساکین کو کھلا دینا اور قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچا دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور دوسرے مقامات پر بھی آپ کے خدا نے آپ کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

خلفاء و مسترشدین

حضرت شاہ صاحبؒ کے خدام و مسترشدین کی تعداد بہت زیادہ تھی جن میں شافع المسلک حضرات بھی تھے لیکن آپ نے خلافت بہت کم اور مخصوص ہی حضرات کو عطا فرمائی تھی جن میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوئیؒ کے علاوہ مولانا قاضی محمد یحییٰؒ (م ۱۹۳۱ء) قاضی ریاست بھوپال، مولانا حکیم سید ابوحبیب دسنویؒ (م ۱۹۲۷ء) شمس العلماء قاضی عبیداللہ مدراسی مولانا قاضی محمود محی الدین ابن قاضی بدر الدولہ مدراسیؒ، مولوی مشتاق احمد اور صاحبزادہ و جانشین محترم حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندیؒ (م ۱۹۷۰ء) کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا فتح دین لائل پوریؒ

آپ کا وطن ''رلئے کوٹ''، ضلع جالندھر ہے، 1901ء کے آغاز میں آپ کو فیصل آباد سابقہ لائلپور میں زمین ملی، پھر وہیں آ گئے، ابتدائی کتب کا درس مولانا الدین صاحب سے لیا اور تکمیل حضرت مولانا محمد صاحب فاروقی کوٹویؒ سے کی۔ مذاہب آئمہ اربعہ پر ناقدانہ وسیع نظر رکھتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کُتب فقہ، فتاویٰ شامی عالمگیری، بحر الرائق وغیرہ کا متعدد بار مطالعہ فرمایا۔ مبسوط کُتب تفسیر مثل تفسیر کبیر وغیرہ از بر تھیں۔ مسائل علم کلام اور جزئیات فقہیہ مع ان کے ادلہ کے محفوظ تھے۔ دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی ان مدارس کی مدت العمر مالی خدمت فرماتے رہے۔ تمام عمر احیاءِ سنّت اور امائت شرک و بدعت میں گزار دی اس علاقہ میں آپ کا وجود مغتنمات میں سے تھا۔ آخر میں تمام اوقات ذکر الٰہی میں گزرتے تھے، موت بھی ذکر الٰہی میں مصروفیت کی حالت میں نصیب ہوئی۔

صوفیانہ مسلک

1303ھ میں قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کرتے رہے۔ حضرت گنگوہیؒ سے سلسلہ مراست جاری رہتا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی طرف رجوع کیا۔ دار العلوم دیوبند کے 1328ھ جلسہ دستار بندی کے موقع پر، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے۔ جاتے ہوئے بوریوں میں بند کر کے مسواکیں لے گئے تھے حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو بہت پسند فرمایا کہ آپ یہ بہت کام کی چیز لائے ہیں۔ غالباً چار بوریاں تھیں وہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دست مبارک سے ایک ایک مسواک مہمانوں میں تقسیم فرمائیں۔

تصانیف

آپ کی تصانیف میں:

ا۔ الظھر فی القری۔ الجمعت فی القری کا رد

2 تنبیہ الغافلین۔ بدعات ورسوم کا رد۔

3۔ گاؤں میں نماز جمعہ اور نماز عید۔

4۔ ختم مرسومتہ الہند۔

5 حقیقی حنفیت۔

6۔ ایک کتاب سجدۂ تعظیمی کے رد میں۔

7 عشرہ محرم اور تعزیہ۔ (غیر مطبوعہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا حکیم نصرت حسین صاحبؒ

(وفات ۱۳۳۸ھ)

مولانا حکیم نصرت حسینؒ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا پہنچے اور وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے۔ اس داستانِ قید و بند کے مشترک حصوں سے ہٹ کر ان کی ذاتی مصروفیات اور خصوصیات کا تذکرہ حضرت مدنیؒ کے قلم سے پیش خدمت ہے۔

"سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اس (تفتیشی افسر) نے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ہندوستان آپ ابھی جاسکتے ہیں۔ اسی کے قریب ان سے بہاؤالدین انسپکٹر سی آئی ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا۔ مگر اُنھوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب کی بار یہ کہا کہ آپ کو سبھوں کو چھوڑنا چاہیے اس نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ مگر تمہارا امر میرے اختیار میں ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجھ کو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے۔ میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں سے لوٹ کر جب آئے اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبھوں نے بہت ان کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان اکیلے جانے پر راضی ہو جاتے اور چلے جاتے مگر اُنھوں نے ایک بھی نہ مانی۔ مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جا کر ہماری خلاصی کی کوششیں کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو ہمارے ہر طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر ان کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے ان کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب و ہوا کی درخواست دے دو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ میں آپ سے جدا نہیں ہوسکتا۔

مولوی حکیم نصرت حسین کا اشتغال

حکیم صاحب موصوف نہایت سلیم الطبع، ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے۔ اُنھوں نے علم حدیث وغیرہ دیو بند سے تکمیل کے بعد لکھنو وغیرہ میں طب کی تکمیل کی جلسہ دستار بندی دیو بند میں ان کی دستاری بندی ہوئی۔ مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی ؒ) کے ساتھ دورہ میں شریک تھے۔ مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی) کے ساتھ دورہ میں شریک تھے۔ اسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے گھر پر جاگیر زمینداری کے انتظامات اور مطب میں مشغول رہے۔ اسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی۔ مگر مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے تقویٰ طبیعت میں ابتدا ہی سے تھا اس لیے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا۔ فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی۔ سیاسی امور میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دھن لگی رہتی تھی۔ نہایت معزز خاندان کے نونہال تھے کوڑا جہاں آباد ضلع فتح پورہ سوہ ان کا آبائی وطن ہے۔ جب یہ نظر بند ہو گئے تو ان کو جدہ ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیے بلکہ سلوک طریقت کی طف توجہ مبذول کرنی چاہیے چنانچہ اُنھوں نے مولانا مرحوم سے اس کی درخواست کی مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا۔ چنانچہ اُنھوں نے نہایت پابندی سے مولانا مرحوم کے تعلیم کردہ جملہ امور پر عمل کرنا شروع کیا۔ عموماً ہر وقت ذکر اسمِ ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اسی طرح ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے اور اپنی جملہ کیفیات مولانا مرحوم سے ذکر فرمایا کرتے تھے بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں کوئی بھی بااوقات شب خیز تہجد گزار اُن سے زیادہ نہ تھا۔ بلکہ تمام کیمپ اسراء مالٹا میں بھی کوئی ایسا نہ تھا۔ مولانا کی نظر عنایت بھی ان پر بہت تھی۔ ان کو ضعف معدہ کی شکایت بھی تھی اور ہمیشہ گھر پر بھی بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ اپنے اوقات قرآن شریف دلائل الخیرات، ذکر، مراقبہ وغیرہ میں صرف کرتے تھے۔ ڈاکٹر غلام محمد کے چلے جانے کے بعد ایک مدت تک شام کا کھانا بھی پکاتے تھے اور خود اپنی خواہش اور اصرار سے اس کا ذمہ لیا تھا۔ میں نے کوئی زور ان پر نہ ڈالا تھا اور نہ ڈاکٹر غلام محمد پر پھر کچھ عرصہ کے بعد میں نے

ان سے یہ کام لے لیا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ عرصہ کے بعد مالٹا میں خوب سنبھل گئی تھی اور جو شکایتیں ان کو ضعف معدہ اور بخار وغیرہ کی تھیں جاتی رہی تھیں مگر ماہ رجب 1336ھ سے ان کو پھر تپ ولرزہ کے دورے شروع ہوئے۔ خیال کیا گیا کہ معمولی جیسے ہمیشہ ان کو تسم کے دورے ہوا کرتے تھے ویسے ہی ہیں۔ نہ اُنھوں نے کوئی فکر کی اور نہ دوسرے لوگوں نے یہی حال تمام شعبان رہا۔ رمضان آنے پر اُنھوں نے روزے بھی رکھے اور اخیر شعبان میں بعضے مسہلات بھی استعمال کیے۔ کونین بھی استعمال کی مگر فائدہ نہ ہوا اواخر رمضان میں بہ مجبوری ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں۔ جن کو حکیم صاحب بوجہ رمضان شریف دن کو استعمال نہ فرماتے تھے بلکہ شب کو استعمال کرتے تھے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ ان کو ہسپتال جانا چاہیے ہم نے زور دیا کہ ان کی دوائیں کی جائے مگر اس نے کہا کہ یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہوسکتا۔ اب تک کیا گیا مگر کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔ وہاں جانا ضروری ہے ہم نے جب دیکھا کہ یہ صورت نافع نہیں،۔ تو درخواست کی کہ اچھا ہم سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتے ہے اور یہ ضروری امر ہے اس کی اجازت ہونا چاہیے اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا خلاف قاعدہ ہے اور پھر ایک کے ساتھ کیا دوسرا بھی مریض ہوگا۔ الغرض ان کو وہاں پہنچادیا ہم نے آفس میں اس کے متعلق درخواست کی کہ یا تو ہم میں سے ایک آدمی کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے اُنھوں نے اول بات کی اجازت نہ دی مگر یہ کہا کہ ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے ہو۔ چنانچہ اس حکم کے بعد جس کو ان کو روانگی سے پانچ چھ دن کے بعد ہم حاصل کر سکے تھے۔ ہم وہاں گے مگر ان کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور پائی۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت جس میں بڑے بڑے آفیسر ہیں ان کی مدارات میں مشغول ہیں اور بہت توجہ سے کام کررہے ہیں۔ جو میم کمپوڈری اور دوسری ضرورتوں کو انجام دیتی تھی وہ ان پر خاص طور پر مہربان ہے جس کی وجہ ان کا انگریزی جاننا اور برٹش رعیت ہونا ہے کیونکہ اس تمام ہال میں سب غیر برٹش رعایا بلکہ دشمنان برطانیہ تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارے لیے یخنی اور دوسری مقوی دوائیں جن میں شراب کا جوہر پڑتا ہے دوں گی جس سے تمہاری صحت بہت جلد کامل ہوجائے گی مگر اُنھوں نے یخنی اور ایسی مقوی دواؤں سے انکار کردیا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال نہیں۔ اس نے نہایت افسوس کیا پھر ہم کو وہاں سے حکم آیا کہ تم خود مرغی ذبح کر کے اس کی یخنی بھیجا

کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کا انتظام کر دیا اور روزانہ بھیجتے رہے۔ جو لوگ ہال میں بیمار تھے ان میں بعض مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی تھے مگر اکثر حصہ عیسائیوں کا تھا۔ جن میں سے بعض سے قدرے واقفیت بھی تھی اور ان میں مادہ انسانیت کا بہت زیادہ تھا۔ ان کی صحت بھی تقریباً کمال کو پہنچ چکی تھی۔ ان لوگوں نے بہت اچھی طرح حکیم صاحب کی خبر گیری کی، حکیم صاحب نے کچھ نقد بھی لیا کہ خدام کو برابر دیتے رہیں گے تاکہ خبر گیری اور خدمت پوری طرح سے ہو۔ ہم کو بھی کبھی امید ان کی صحت کی بندھ جاتی اور کبھی خوف بھی ہوتا تھا مگر اواخر شوال میں ان کی حالت زیادہ گرنے لگی۔ اس وقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہم کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے اور حکیم صاحب سے بھی طلب کرایا مگر اس کے جواب آنے میں بہت تاخیر ہوئی۔ غالباً 7 ذی قعدہ کو اجازت ملی مگر فقط تحریری اجازت تھی۔ جب ہم نے چاہا تو ایک دو دن کی تاخیر افسروں کے نہ موجود ہونے یا کسی اور عذر سے کرادی گئی۔ نویں تاریخ کو جب ہم اجازت لینے گئے تو ہم کو خبر دی گئی کہ ان کا شب کو صبح کے قریب انتقال ہو گیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

اس سے تقریباً دو روز پہلے بھی حسب عادت ہم گئے تھے۔ ان ایام میں ان کو سانس بہت زور سے اور جلدی جلدی آیا کرتا تھا۔ ہوا کے لیے برقی پنکھا ان کے آگے رکھا رہتا تھا وہ اکثر تکیوں کے سہارے پر کمر لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ وفات سے ایک دن پہلے جب ہم گئے تھے تو آواز بہت پست پائی تھی مگر وہ خود اطمینان سے تھے۔ کسی قسم کی گھبراہٹ ان کو نہ تھی۔ ان کا رخ قبلہ کی طرف ایک عرصہ سے اس وجہ سے کر دیا گیا تھا کہ ان کو اُٹھنے اور چلنے کی اجازت ڈاکٹروں کی طرف سے نہ تھی۔ نماز پڑھنے کیلئے ان کی چارپائی روبقبلہ رہتی تھی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو چارپائی سے اتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

اُنھوں نے جب جاتا ہوا تو کہا کہ ذکر میرا جاری ہے اور تعلق خداوند ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے وللہ الحمد والمنة۔ چونکہ مرحوم کا مرض نمونیہ تجویز کیا گیا تھا اور امراض متعدیہ میں سے ہے۔ اس لیے کمانداراسراء نے مولانا مرحوم کو اور ہم کو بلا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش تم کو قبرستان میں ملے گی۔ لیکن تم فقط دور سے نماز پڑھ لینا تابوت کے پاس بھی مت جانا۔ ہم نے اصرار کیا کہ ہم کو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے غرض کہ اس

بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کمان دار سے بہت زیادہ ردوقدح ہوتی رہی جب اس نے زیادہ ردو قدح کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ ردوقدح پر بھی راضی نہ ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے مگر کفن تو پہنادیں۔ بڑی بڑی مشکلوں سے وہ اس پر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ کو ہماری مذہبی ضروریات پر ادنیٰ توجہ نہیں۔ تو پھر ہم کو کیوں بلایا؟ خود ہی جو چاہتے کر دیا ہوتا۔ یہ کہا اور لوٹ جانے کے لیے آمادہ ہو گئے اس وقت اس نے اجازت دی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کروادیں گے اور کفنا بھی دیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شفاخانہ میں ان کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا۔ مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر ان کو نہلائیں۔ خلاصہ یہ کہ ان کے مقبرہ میں جانے کے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی۔ کمان دار نے اجازت دے دی یہ سب وہاں گئے ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہو سکا تھا۔ ان کو تیمم کرا کے کفنایا گیا اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غمگین نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر کھودی ہوئی تیار تھی اس میں دفن کر دیے گئے۔

ان کے مصارف جو کچھ وہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دیے ہی تھے مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنل اشرف بیگ نے جو کہ پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر ہماری اطلاع کے دے دیا۔ ان کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہے ایک پتھر حسب رائے مولانا مرحوم لگا دیا گیا ہے جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے۔

هذا قبر الحكيم السيد نصرت حسين من اهل كوڑا جهان آباد (الهند) اسر بمكة المكرمة مع حضرة العلامه مولانا الشيخ محمود حسن صدر المدرسين بكلية ديوبند فى الحرب العمومى و توفى اسيراً فى تاسع ذى القعده 1338 هجرة النبى سيدنا صلى الله عليه وسلم رحمته واسعةً ولهٗ الفاتحة.

مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ

(وفات: ۱۹۲۹ء)

بجنور کے رہنے والے تھے، حکیم صاحبؒ کے والد مولانا علیم اللہ صاحب جو اپنے وقت کے جید عالم تھے انہوں نے دہلی میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

حکیم رحیم اللہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے آخری دور کے ارشد تلامذہ میں تھے اُستاد کے ساتھ والہانہ تعلق تھا، حضرت نانوتویؒ کے شان میں انہوں نے عربی میں کئی قصیدے لکھے ہیں، نصاب کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں 1295ھ میں کی۔ اس سے پہلے منطق، فلسفہ، کلام اور ریاضی کی تعلیم مولانا عبدالعلی رام پوری سے پائی، طب کی کتابیں حکیم ابراہیم لکھنوی سے پڑھیں اور طویل مدت تک لکھنو میں استاد کی خدمت میں حاضر رہے، گھر پر مطب کرتے تھے، خدمت خلق کے طور پر یہ مشغلہ اختیار کیا تھا، صاحب نسبت اور پابندِ اوقات بزرگ تھے۔

عقائد و کلام اور مناظرے میں خاص دست گاہ حاصل تھی، ان علوم میں انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں میں ایک درجن کے قریب کتابیں لکھی ہیں، باوضع اور وظائف کے بڑے پابند تھے سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی تھی۔

حکیم صاحب نے 14 راگست 1929ء 1347ھ کو جمعہ کے روز وفات پائی، مرض کے وجہ سے صاحب فراش ہو گئے تھے، بیٹھ کے ظہر کے نماز پڑھی اور سلام پھیرتے ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للّٰه وانا الیه راجعون.

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند جو بجنور کے قومی وملی رہ نما اور باا ثر شخصیت ہیں، حکیم صاحبؒ کے اخلاف میں سے ہیں۔

تصانیف کے نام یہ ہیں،

(۱)......الاقتصاد فی الضاد

(۲)......جوابات الاعتراضات الواہیہ

(۳)......تہدید المنکرین لقدرہ رب العالمین

(۴)......احسن الکلام فی اصول عقائد الاسلام

(۵)......اظہار الحقیقہ

(۶)......زجر المحتاج لکشف التضاع عن وجہ الوجوب والامتناع

(۷)......الکافی للاعتقاد الصافی

(۸)......اثبات القدرة الالہیہ باقامتہ الحجتہ الالہامیہ

(۹)......ابطال اصول الشیعہ بدلائل العقیلہ والنقلیہ۔

حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ

(وفات:۱۹۲۹ء)

آپ کی ولادت قصبہ دیوانی تحصیل روہڑی ضلع سکھر میں ہوئی آپ کی تاریخ تولد متعین نہیں ہوسکی۔ اندازہ یہ ہے کہ آپ اٹھارویں صدی کے نصف آخر کے ابتدائی سالوں میں پیدا ہوئے۔ آپ حسب ونسب کے لحاظ سے سید تھے۔ آپ کا خاندان اپنے علاقہ میں رشد و ہدایت کا مرکز تھا آپ کے والد حضرت مولانا سید عبدالقادر صاحب علوم ظاہریہ و باطنیہ میں یا با کمال بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے مراحل اپنے والد کے یہاں طے کیے اور علوم ظاہریہ کی تکمیل حضرت مولانا عبدالقادر صاحب پنھواروی پنوعاقل ضلع سکھر کے یہاں کی۔ علوم شرعیہ کے حصول کے بعد آپ علوم باطنیہ حاصل کرنے کے لیے قدوۃ العارفین سید السالکین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور مسلسل ریاضت کے بعد نہایت قلیل عرصہ میں خرقہ خلافت سے نوازے گئے۔ جب آپ روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھرچونڈی شریف میں مقیم تھے، اُنھی دنوں میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی بھرچونڈی تشریف آئے اور حافظ صاحب کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ یہیں دونوں حضرات کا ایک دوسرے سے تعارف ہوا اور یہ تعارف آگے چل کر اشاعت اسلام اور احیائے ملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ یہ ۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے۔

حصول خلافت کے بعد آپ نے اپنے مرشد کے حکم سے امروٹ شریف تحصیل گڑھی یاسین ضلع سکھر کو اپنا مستقل مسکن بنایا اور دعوت الی اللہ و دعوت الی الاصلاح کے لیے مشغول ہوگئے۔ امروٹ میں آپ کے ابتدائی ایام نہایت صبر آزما تھے۔ لیکن آپ عزم وعمل کا پیکر بن کر دعوت وعزیمت کے کام میں برابر مصروف رہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی طرف عوام کے رجوع میں بھی اضافہ ہوتا ہوگیا اور نہایت قلیل عرصہ میں امروٹ شریف میں دعوت الی اللہ کا ایک عظیم مرکز بن گیا۔ امروٹ شریف میں عوام کی ضروریات کے پیش نظر آپ نے ایک وسیع مسجد کی

بنیاد رکھی اور کئی حجرے تعمیر کرائے اس میں آپ دوسرے خدام کے ساتھ مل کر کام کرتے اور کسی قسم کا امتیاز برتنے نہ دیتے جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی آپ نے حفظ قرآن اور ناظرہ کے لیے مسجد کے اندر ہی ایک مدرسہ کھولا جس کے تمام اخراجات کے آپ ذمہ دار تھے۔ ۱۳۰۸ھ میں سید السالکین حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے آپ ہمہ وقت مغموم اور متفکر رہنے لگے اس المیہ نے آپ کے اندر شعر وشاعری کو جنم دیا آپ نے اپنی شاعری کا آغاز نعتیہ کلام سے کیا۔ مدح نبی اکرم ﷺ پر آپ نے سندھی زبان میں جو اشعار کہے ہیں وہ آج تک عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ اپنے بیٹے سید حسین شاہ کی عین نوجوانی کی موت نے آپ کی شاعری میں اور اضافہ کیا۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے حکم سے جب حضرت مولانا سندھی نے کابل جانے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا امروٹی نے ان کو وہاں پہنچنے میں ہر طرح کی مدد کی کابل جانے کے بعد بھی حضرت مولانا سندھیؒ نے امروٹ شریف سے رابطہ قائم رکھا۔ چنانچہ آپ نے جو ریشمی خطوط اندرونِ ہند بھیجے تھے ان میں سے ایک خط حضرت مولانا امروٹی کے نام تھا جو فتح محمد شیخ نامی ایک شخص لایا تھا۔ حکومت کو اس خط کا بروقت علم ہوگیا آپ کو نظر بند کر کے کراچی بلوایا گیا۔ کراچی کے کمشنر نے اس سلسلے میں آپ سے سوال وجواب کیے لیکن کافی ثبوت نہ ملنے پر آپ کو رہا کرنے پر مجبور ہوگیا اس نظر بندی سے آپ کی سیاسی زندگی کا باقاعدہ عملی آغاز ہوا، اس کے بعد جتنی بھی عوامی اور دینی تحریکیں اٹھیں آپ نے باقاعدہ ان میں حصہ لیا، اس طرح امروٹ شریف سندھ کا عظیم سیاسی مرکز بن گیا۔ تحریک سے متعلق تمام امور آپ کے مشوروں سے ہی طے ہوتے تھے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود سندھ اور بیرون سندھ کئی دورے کیے۔ آپ دیوبند، دہلی، میرٹھ، ناگپور اور اجمیر شریف گے اور کئی جلسوں کی صدارت کی۔ ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے بڑے جوش وخروش سے سندھ کے دورے کیے اور اس مقصد میں آپ کو نمایاں کامیابی بھی ہوئی۔ خلافت عثمانیہ کی بقاء کے لیے مسلمانانِ پاک وہند نے کابل کی طرف جو احتجاجی ہجرت کی آپ اس کے روح رواں تھے آپ مہاجرین کی اسپیشل ٹرین کے قائد بن کر پشاور تک گے لیکن یہ اسکیم کامیاب نہ ہوئی اور آپ بادل ناخواستہ وطن آئے۔

تحریک خلافت کے بعد آپ جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہے اور تازیست اس جماعت کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ احیاء ملت اسلامیہ اور حریت وطن کے علاوہ آپ کو غیر مسلموں

میں اشاعت اسلام کیا بہت شوق تھا۔ اکیلے آپ نے اس سلسلے میں جو کام کیا وہ آج بڑی بڑی انجمنیں سرانجام نہیں دے سکتیں آپ نے اپنی زندگی میں کم وبیش پانچ ہزار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا آپ نے غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا کام جس طرح شروع کیا وہ نہایت پرکشش اورزود اثر تھا آپ کسی کے سامنے اسلام پر لیکچر نہ دیتے اور نہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی کسی کو دعوت دیتے۔ اس قسم کی نمائشی تبلیغ سے آپ بچتے آپ ذاتی طور پر غیر مسلموں سے روابط قائم کرتے اور وہ لوگ آپ کے اخلاق حسنہ سے اتنے متاثر ہوتے کہ فوراً اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوجاتے آپ کسی پر اسلام قبول کرنے کے لیے جبر نہ کرتے بلکہ اگر کوئی مسلمان ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں آتا تو آپ اسے تلقین کرتے کہ ''بیٹا اسلام قبول کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو اورسوچ سمجھ کر یہ قدم اُٹھاؤ'' جب وہ ہر طرح اطمینان کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے پر اصرار کرتا تب آپ اسے باقاعدہ طور پر بیعت کر لیتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ باہر کے کچھ ہندو مسلمان ہونے کے لیے امروٹ شریف آتے مقامی ہندوؤں کو اس کا علم ہوجاتا تو وہ وفد بنا کر آپ کی خدمت میں آتے اور عرض کرتے ''حضور ان لوگوں نے جذبات میں آکر یہ فیصلہ کیا ہے آپ موقع دیجیے کہ ہم ان سے علیحدگی میں بات چیت کرلیں۔'' آپ ان لوگوں کی درخواست قبول کر لیتے اور مسلمان ہونے والے افراد سے ان کو بات چیت کرنے کی اجازت دیتے، وہ لوگ ان کو اپنے گھروں میں، لے جاتے مندروں میں جا کر ان کو مسلمان نہ ہونے کی تلقین کرتے لیکن ان کو اسلام قبول کرنے سے باز آنے پر ہرگز آمادہ نہ کر سکتے۔ اس طرح یہ بڑے شوق وذوق سے دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے لیکن جب آپ کے ہاتھ پر اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

متعصب آریہ سماج ہندوؤں میں آپ کے خلافت نفرت کا جذبہ شدید ہوگیا اب وہ کھل کر آپ کے مقابلہ پر آگئے ایک بار ایک متمول ہندو گھرانے کا ایک نوجوان لڑکا آپ سے متاثر ہو کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا آپ نے اس کو اپنے ساتھ رکھا۔ ایک بار آپ اس لڑکے کے ساتھ ایک دعوت میں شریک ہونے کے لیے باگڑجی ریلوے اسٹیشن پہنچے تو مقامی ہندوؤں کو اس کا علم ہوگیا۔ وہ لوگ راستہ میں جمع ہوگئے اور زبردستی اس لڑکے کو چھین کر اپنے ساتھ لے گئے۔ رات بھر اس کو بند رکھا اور اسلام سے باز آنے کے لیے اسے آمادہ کرنے لگے۔ اُنھوں نے اس کو ہر طرح دھمکایا اور ہر قسم کے لالچ دیے لیکن یہ نوجوان کسی طرح بھی ان کی باتوں میں نہ آیا۔ حضرت

مولانا امروٹی نے اس معاملہ کی پولیس میں رپورٹ درج کرائی۔ پولیس نے تفتیش کے بعد اس لڑکے کو اپنے قبضے میں لے لیا اور متعلقہ ہندو لیڈروں کو گرفتار کر کے معاملہ عدالت کے سپرد کر دیا۔ کافی عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اس نوجوان نے ہر بار یہ بیان دیے کہ میں عاقل و بالغ ہوں اور میں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا ہے۔ ہندوؤں نے یہ موقف اختیار کیا کہ لڑکا نابالغ ہے اس کو اپنے والدین کی مرضی کے بغیر مذہب تبدیل کرنے کا اختیار نہیں۔ عدالت نے کافی عرصہ کے بعد آخرکار فیصلہ دیا کہ لڑکا بالغ ہے اس کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔

جس طرف چاہے وہ جا سکتا ہے۔ اس عدالت میں ایک طرف حضرت مولانا امروٹی اپنی جماعت کے ساتھ کھڑے تھے اس لڑکے نے جونہی عدالت کا فیصلہ سنا وہ سیدھا مولانا امروٹی کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے والدین نے اسے اپنی طرف بہت کھینچا لیکن وہ نہ گیا۔ یہ لڑکا اب مولوی نور الحق ہیں موصوف ضلع لاڑکانہ کے ایک قصبہ میں مقیم ہیں اور دینی تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا۔

ایک ہندو پنڈت کا بیٹا از خود آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ہندوؤں نے بڑے جوش و خروش سے آپ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی لیکن ناکام ہوئے۔ وہ لڑکا بعد میں شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جو جماعت امروٹی کے ایک رکن تھے۔

آریہ سماج والے جب آپ کے مقابلے میں ناکام ہوئے تو اُنھوں نے شدھی کی تحریک شروع کر دی۔ وہ نومسلم افراد کے پاس جاتے اور ان کو ہر طرح کے لالچ دے کر دوبارہ ہندو مذہب اختیار کرنے پر آمادہ کرتے۔ حضرت مولانا امروٹی نے اس فتنہ کو دبانے کے لیے مثبت قدم اُٹھایا۔ آپ نے چند علماء کی ایک جمعیت بنائی جس میں اس وقت کے مشہور علماء حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی، حضرت مولانا نبی بخش صاحب عودوی اور دیگر مقتدر علماء شامل تھے آپ نے اس آریہ سماجی اقدام کا منظم مقابلہ کیا اور اس فتنہ کو سرزمین سندھ میں سر اُٹھانے کا موقع نہ دیا۔
اشاعت اسلام کی طرح حضرت امروٹی میں جہاد کا بھی بڑا شوق تھا۔ آپ ہر وقت اپنے آپ کو جہاد کے لیے مستعد رکھتے۔ آپ فرماتے کاش کہ جہاد میں شریک ہو کر جام شہادت نوش کروں اس مقصد کے لیے آپ نے ہر چند گھوڑے بھی پال رکھے تھے۔ آپ بذات خود ان گھوڑوں کی ہر طرح خدمت کرتے تھے۔ جہاد کے لیے گھوڑے پالنا سنت ہے اور ان کی خدمت کرنا کارِ ثواب ہے۔

آپ کی زندگی کے آخری ایام میں سکھر بیراج کی کھدائی ہو رہی تھی۔ نہروں کی کھدائی کی زد میں مساجد آرہی تھیں۔ محکمہ انہار نے طے کیا کہ ان مساجد کو منہدم کر کے راستہ صاف کیا جائے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے تحفظ مساجد کی خاطر اس محکمہ کے خلاف حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر ان مساجد کو شہید کر دیا گیا تو مسلمانان سندھ حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیں گے۔ شروع میں حکومت نے اس اعلان کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہار کی کھدائی کا کام جاری رہا۔ حضرت مولانا امروٹی نے بالآخر جہاد کا اعلان کر دیا اور معہ اپنی جماعت کے سر پر کفن باندھ کر گھروں سے نکل آئے اور ان مساجد کے گرد خیمہ زن ہو گئے تو حکومت فوراً مصالحت پر آمادہ ہو گئی۔ آخر طے ہوا کہ مساجد کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دیا جائے اور نہروں کو ان کے گرد کھودا جائے یہ مساجد اب تک ان انہار کے وسط میں قائم ہیں۔ حضرت مولانا امروٹی جس طرح ایک عظیم مبلغ اسلام تھے ویسے ہی بے مثل سیاسی رہنما بھی تھے۔ برطانوی استعمار کے خلاف ان کی جدوجہد زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ حکومت برطانیہ کے لیے آپ کا وجود نا قابل برداشت تھا۔ مشہور ہے کہ حکومت نے خفیہ طریقہ سے آپ کو زہر دلوایا۔ یہ زہر دیر میں اثر کرنے والا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کا جسم نحیف ہوتا گیا اور آپ کے تمام بدن پر چھالے نکل آئے اور باوجود بہترین علاج کے طبیعت دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ آپ فرماتے تھے "مجھے انگریزوں نے زہر دلوایا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہ سکتا" چنانچہ یہ عظیم پیشوا ور بطل حریت ۱۹۲۹ء کے آخر میں اس دار فانی سے رخصت ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گیا۔

آپ نے اپنے پیچھے ایک عظیم جماعت چھوڑی۔ یہ جماعت توحید اور اتباع سنت میں اپنی مثال آپ ہے۔ یوں تو جماعت کا ہر فرد اسلام کا بہترین عملی نمونہ ہے۔ لیکن آپ کے خلفاء وقت کے اہم اور نامور لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے خلفاء کی کافی تعداد ہے لیکن حسب ذیل حضرات زیادہ مشہور ہوئے۔

1۔ حضرت مولانا صالح بانجی شریف، ضلع سکھر۔ 2۔ حضرت مولانا عبدالعزیز تھریچائی شریف، ضلع سکھر۔ 3۔ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب بانجی شریف، ضلع سکھر۔ 4۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب، لاہور۔

یہ تمام خلفاء اپنے وقت کے عظیم دینی وسیاسی رہنما تھے۔ توحید اور سنت کے مبلغ تھے۔ ان حضرات کے آثار ابھی تک منظر عام پر ہیں۔

مولانا سید غلام حیدر پشاوری

(وفات:۱۹۳۴ء)

آپ علامہ سید شمس الحق افغانیؒ ۱۸۴۰ء کو ترنگ زی، تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں مولانا خاں عالم بن مولانا سعد اللہ خان کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا مولانا سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے اور انہی کی امارت میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی پھر علاقہ کے علماء سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے حضرت مولانا عبد الحلیم لکھنوی کے خدمت میں لکھنو پہنچے اور انہی سے تکمیل کی۔

تدریس

فراغت کے بعد واپس وطن آئے اور اپنے گاوں میں تدریس کا آغاز کیا۔ آخر وقت تک فقہ اصول فقہ تفسیر اور حدیث کے تدریس جاری رکھی۔ اور نحو، فقہ، اصول فقہ اور مشکوٰۃ پر حواشی لکھے جو محفوظ ہیں۔ آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

مولانا غلام حیدر مولانا عبد الحلیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پشتو اور فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحب طرز شاعر تھے۔ ان کے کلام میں عالمانہ شان اور صوفیانہ رنگ جھلکتے تھے۔

آپ مولانا عبد الغفور المعروف بہ صاحب سوات کے سلسلہ قادریہ میں خلیفہ تھے۔

وصال

ایام نحر ۱۳۵۲ھ 1934ء کو حالت سجدہ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور ترنگزی کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ اولاد میں ایک فرزند علامہ شمس الحق افغانی صاحب ہیں۔

فرزند امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ

مولانا حافظ محمد عبدالغفور فاروقیؒ

(وفات:۱۹۳۵ء)

مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۹۰۲ء میں کاکوری میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بھی کاکوری ہی میں ہوئی پھر لکھنو آخر حافظ قاری عبدالصمد صاحبؒ سے قرآن مجید حفظ کیا، فارسی اور عربی کی کچھ ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت لکھنویؒ سے پڑھیں۔ باقی درسیات کا کچھ حصہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو کے مختلف اساتذہ سے پڑھا۔ لکھنو یونیورسٹی کے شعبہ السنہ شرقیہ سے فارسی اور عربی کے بعض امتحانات امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیے، اس کے بعد اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ کے ساتھ مدرسہ امدادیہ مراد آباد تشریف لے گئے جہاں ایک سال تک قیام رہا۔ مراد آباد ہی کے قیام کے دوران صحت خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ لکھنو لوٹ آئے، پھر دو تین بار بغرض تعلیم آپ کو لکھنو سے باہر بھیجا گیا مگر باہر جا کر آپ کی صحت ساتھ نہیں دیتی تھی اور مجبوراً واپس آجانا پڑتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم نامکمل رہ گئی۔

۱۹۳۰ء میں ہر لیش چند ہائی اسکول لکھنو میں جو بعد میں کالج بھی ہوگیا فارسی کے استاذ مقرر ہوئے۔ آپ کی یہ ملازمت سال وفات تک جاری رہی، وہاں کے اساتذہ اور ذمہ داران آپ کے اخلاق اور علمی لیاقت کے بہت معترف تھے، چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی تو وہ سب لوگ تعزیت میں گھر پر آئے اور جو تعزیتی تجویز پاس کر کے لائے تھے اس میں آپ کے جملہ اوصاف حمیدہ اور علمی صلاحیت کا بجا طور پر اعتراف کیا گیا تھا۔ طبعاً انتہائی نیک، عابد و زاہد اور رقیق القلب تھے۔ قرآن مجید کے نہایت عمدہ حافظ تھے۔ تراویح میں ہر سال کئی قرآن مجید سنانے کا معمول تھا، تقریر بھی کرتے تھے مگر وہ بہت مختصر اور جامع ہوتی تھی۔ تسخیر اجنہ اور عملیات میں بھی

کافی مہارت تھی، اس سلسلہ میں لوگ آپ کے بہت معتقد تھے اور قیام گاہ پر بڑا ہجوم رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے آپ کے ہاتھوں ہر ایک کا کام بن جاتا تھا۔ مشہور تھا کہ جو زبان سے کہہ دیتے تھے ہو جاتا تھا۔

۱۹۲۳ء میں کاکوری میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ آپ کا عقد ہوا تھا جن سے دو بیٹے پیدا ہوئے، بڑے بیٹے مولانا عبدالاول صاحب فاروقیؒ تھے جو ۱۹۲۷ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے ان سے چھوٹے عبدالنور تھے جن کا ۱۹۳۴ء میں صغرسنی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

مولانا عبدالاول صاحب نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو میں حافظ معصوم علی صاحب سے حفظ قرآن مجید کیا اور پھر فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں کے مختلف اساتذہ سے پڑھیں، اس کے بعد آپ کو مدرسہ عالیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد بھیج دیا گیا جہاں درسیات کا بڑا حصہ مکمل کیا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے کی۔ آپ کی پوری تعلیم وتربیت اپنے جدامجد حضرت لکھنویؒ کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ کیونکہ والد ماجد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ آپ بہت عمدہ حافظ تھے، ہر سال پابندی کے ساتھ تراویح میں قرآن مجید سنانے کا معمول تھا۔ خاندانی ذہانت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ درسیات پر پورا عبور حاصل تھا اسی لیے نہایت کامیاب مدرس تھے۔ دھولیہ (مہاراشٹر) اور سلطانپور (یوپی) کے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دارالمبلغین میں استاذ مقرر ہو گئے تھے مگر زندگی کے آخری چند برسوں میں وہاں سے علیحدگی اختیار کر کے دوسرے علمی کاموں میں معروف ہو گئے تھے، شعر وسخن سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ خود بھی خوب کہتے تھے اور دوسروں کے کلام کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ انہیں یاد تھا۔ دینی جلسوں کے مقبول مقرر تھے اور اس سلسلہ میں دور دور بلائے جاتے تھے۔ تقریروں میں بھی برمحل اشعار بہ کثرت پڑھتے تھے اور لوگ پسند کرتے تھے۔ تقریر کے ساتھ انہیں تحریر سے بھی دلچسپی تھی۔ دارالمبلغین کے ترجمان پندرہ روزہ "ندائے سنت" میں انہوں نے تحریک مدح صحابہ کی تاریخ مرتب کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس کی چند قسطیں شائع بھی کی تھیں مگر اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باعث اسے مکمل نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ ان کے مرتبہ دو رسالے سیدنا حسینؓ اور بزرگان دین' بھی نظر سے گذرے ہیں جو اُن کے تصنیفی اور علمی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔

مولانا عبدالاول صاحبؒ کا پہلا عقد گونڈہ میں حکیم عبدالباری انصاری مرحوم کے یہاں

ہوا تھا جن سے دو بیٹے عبدالاعلیٰ فاروقی اور عبدالوالی فاروقی پیدا ہوئے جو بحمد اللہ موجود ہیں۔ ان اہلیہ صاحبہ سے عدم توافق طبع کی وجہ سے زیادہ دنوں نباہ نہ ہوسکا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد کاکوری کے اپنے خاندان ہی میں دوسرا عقد ہوا جن سے چار بیٹے، عبدالباقی فاروقی، عبدالخالق فاروقی، عبدالرزاق فاروقی اور عبدالغفار فاروقی پیدا ہوئے۔ یہ بھی بحمد اللہ موجود ہیں۔ مولانا عبدالاول صاحب مرحوم نے زیادہ عمر نہیں پائی چند ماہ علیل رہ کر جنوری ۱۹۹۲ء میں اس دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہوکر مالک حقیقی سے جاملے۔ آپ کی تدفین بھی چکمنڈی کے احاطہ میاں چپ شاہ میں عمل میں آئی۔

مولانا عبدالغفور صاحبؒ کا وصال بھی جوانی ہی میں ہوا۔ ۸ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ کو بخار آیا جو آناً فاناً بڑھتا گیا اور پھر اسی میں سرسامی کیفیت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ ایک دن اسی عالم میں اپنے والد ماجد حضرت لکھنویؒ سے جو سرہانے ہی بیٹھے تھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

ابا! ابا! دیکھیے یہ کون لوگ ہیں جو یہ پڑھتے ہوئے جارہے ہیں۔ **وسیق الذین تقوا ربهم الی الجنة زمرا، حتیٰ اذا جاء وها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین.**

والد ماجد نے فرمایا:

ہاں ہاں بیٹے! یہ تمہیں صحت کی خوشخبری دی جارہی ہے۔

آپ کے انتقال کے بعد حضرت لکھنویؒ نے گھر والوں سے کہا کہ یہ آیت ان کی موت اور پھر موت کے بعد ان کی مغفرت کی بشارت کے طور پر انہیں سنائی جارہی تھی اور مجھے اس سے احساس بھی ہوگیا تھا کہ وقت موعود آچکا ہے مگر اس وقت اس کا اظہار کرنا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ ۱۴ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء کو آپ کی اسی علالت میں وفات ہوگئی جنازہ کاکوری لے جایا گیا اور اسی باغ میں جہاں ان کے دادا مولوی حافظ ناظر علیؒ اور والدہ محترمہؒ پہلے سے دفن تھیں وہیں آپ کو بھی دفن کردیا گیا۔

مولانا احمد شیر رحمہ اللہ

(وفات: ۱۹۴۲ء)

آپ 1298ھ بمقام ترند علاقہ ککری، ضلع ہزارہ میں مولوی محمد شریف بن مولوی سبقت اللہ بن مولوی لطف اللہ بن اخون کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی نام احمد تھا' آپ کے تایا صاحب نے ایام طفولیت کے ایک واقعہ کی وجہ سے ''شیر'' کا اضافہ کر دیا چنانچہ بعد میں اسی نام سے شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے مولانا حنیف اللہ صاحب قاضی تراوڑہ (اوگی ہزارہ) سے حاصل کی' پھر ہری پور ہزارہ میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ؒ سے چند کتابیں پڑھیں اور انہی کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

1326ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا' موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد 1368ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد میمن سنگھ جگال کے مدرسہ میں بطور صدر مدرس 1331ھ تک تدریس کی' 1332ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس پہ مامور ہوئے اور 1342ھ تک تدریس کی۔

1344ھ میں مدرسہ امدادیہ مظفر نگر میں بطور شیخ الحدیث آپ کا تقرر ہوا اسی اثنا میں پہلا' دوسرا اور تیسرا حج بھی کیا' 1347ھ میں انجمن اسلامیہ ٹیلکنڈہ حیدرآباد دکن میں بطور صدر مدرس آپ کی تقرری ہوئی اور ساتھ ہی جامعہ میں خطابت بھی کرتے رہے ایک عرصہ تک وہاں تدریس وخطابت کرتے رہے پھر واپس وطن آ گئے اور اپنے علاقہ میں تدریس شروع کر دی۔

8/رمضان المبارک 1361ھ کو مسجد میں نماز عشاء (فرض) پڑھتے ہوئے آپ کا

انتقال ہوا بیعت کا تعلق حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ سے تھا۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم دارالعلوم کراچی شامل ہیں۔

مولانا حکیم جمیل الدّین دیوبندیؒ

نگینہ، ضلع بجنور وطن تھا۔ دارالعلوم میں 1298ھ 1299ھ میں تحصیل علوم کی، دہلی کے مشہور اطباء میں سے تھے۔ طبیہ کالج دہلی کے ممتحن تھے ایک عرصے تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن رہے۔ مطب کے مشغلے کے ساتھ اوراد و وظائف کے بڑے پابند اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ علم نہایت راسخ اور پختہ تھا۔ ابتدا میں غازی پور قیام رہا۔ آخر میں دہلی کو وطن بنالیا تھا۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کے استاذ تھے۔ حکیم صاحب کچھ عرصہ جون پور کے مدرسہ میں مدرس رہے، علومِ دینیہ کے ساتھ طب میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ حکیم عبدالمجید خاں دہلوی سے طب پڑھی تھی حکیم محمد اجمل خاں بھی ان کے سلسلہ تلمذ میں شامل تھے۔ دینیات اور طب کی تعلیم کا سلسلہ مدت العمر جاری رہا۔ ۱۸ر صفر کی شب میں نماز تہجد سے فراغت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

دہلی میں صدیقی دواخانہ ان کے یادگار ہے، جو ان کے فرزند رشید مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب کی نگرانی میں جاری ہے۔

مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتیؒ

پانی پت ضلع کرنال کے باشندے اور حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کی اولا دمیں سے تھے۔ فراغتِ دیوبند کے بعد مختلف جگہوں میں درس وتدریس کا کام کرتے رہے تھے۔ پھر ترجمہ قرآن میں حضرت شیخ کے معین ہوئے۔ ان کی دیانت وامانت پر شیخ کو بہت اعتماد تھا۔ بسا اوقات حضرت کی ڈاک انہی کے سپرد ہوتی تھی۔ حضرت حجاز جاتے ہوئے اُنہیں اپنا نائب بنا گئے۔ ان کے پاس مشن کے ممبروں اور چندوں کا رجسٹر تھا۔ یہ ان کو لے کر پانی پت چلے گئے اور وہیں سے تمام کاروائیاں عمل میں لاتے تھے۔ حضرت اونچے کاموں میں اپنا نائب حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کو بنا گئے تھے۔ دونوں حضرات مل کر مشن کا کام کرتے تھے۔ گرفتاریوں کے وقت پولیس کے آنے سے چند گھنٹہ قبل تمام کاغذات چھپا چکے تھے۔ ان سے بہت پوچھ گچھ کی گئی مگر اُنھوں نے کسی امر کا اقرار نہ کیا۔ اس کے بعد ان پر ایک مسلمان سی آئی ڈی مسلط کیا گیا جو نہایت اخلاص کا اظہار کرتا اور احکامِ شریعت مستعدی سے عمل کرتا رہا اور دن رات ان کی خدمت کرتا رہا۔ ان کو اس پر اعتماد ہو گیا اس نے آہستہ آہستہ تمام باتیں پوچھ لیں اور مشن کا ممبر بن گیا۔ وہ تمام معلومات حاصل کر کے غائب ہو گیا اس پر ان کو گرفتار کر لیا گیا مگر چونکہ الزامات کا کوئی تحریری ثبوت نہ تھا اور نہ ہی یہ اقرار کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو پنجاب کے بعض علاقوں میں نظر بند کر دیا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد مولانا احمد چکوالوی جو کہ اس سے قبل معافی مانگ کر آزاد ہو چکے تھے وہ آئے اور اُنھوں نے کہا کہ تحریک ختم ہو چکی ہے۔ گورنمنٹ کے پاس متعدد تحریری ثبوت ہیں آپ بھی معافی مانگ لیں۔ ایک ہمدم وہمراز کا مشورہ قبول کرنا پڑا۔ اس کے چند دن بعد ان کو آزاد کر دیا گیا۔ پانی پت واپس آ کر تعلیمی مشاغل میں مشغول ہو گئے۔ اور تقسیم ہند سے کچھ پہلے بمرض ہیضہ پانی پت میں انتقال ہو گیا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

علامہ عبدالرحیم پوپلزئیؒ

(وفات: ۳۱ر مئی ۱۹۴۴ء)

مفتی سرحد علامہ عبدالرحیم پوپلزئی جیسی ایثار پیشہ فنا فی اللہ اور قوت باطل سے ٹکرانے والی شخصیات کا تصور آتا ہے تو انسان ورطہ حیرت میں گم ہو جاتا ہے کہ اس سرزمین نے کیسے کیسے اللہ والے پیدا کیے تھے۔ جو ایک طرف وقت کی قہرمان سامراجی اور مخالف اسلام قوتوں سے ٹکرا جاتے تھے اور دوسری طرف وطن عزیز کی آزادی کے حصول اور غلامی کی زنجیروں کو پگھلانے کے لیے برطانوی قید خانوں میں ناقابل تصور سختیاں جھیلتے۔

23 را پریل 1930ء کو قصہ خوانی بازار کا خونی واقعہ پیش آیا تو مجاہدین صف شکن نے گورا فوج کے ظلم واستبداد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آرمڈ کار کو نہ صرف آگ لگا دی بلکہ اس کو الٹ کر رکھ دیا۔ صرف گھڑ والی پلٹن نے مظاہرین پر گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ حریت پسندوں نے جرأت و بے باکی کا ثبوت دیتے ہوئے برطانوی فوجیوں کی بندوقوں اور توپوں کے سامنے اپنے سینے دار کر دیے۔ قصہ خوانی بازار کی سرزمین کو لالہ زار کرنے کے بعد زعما اور کارکنوں کی گرفتاریوں اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مفتی سرحد علامہ عبدالرحیم پوپلزئی ان دنوں وارڈ کونسل اور یوتھ لیگ کے صدر تھے باقی حضرات جن میں خان عبدالغفار بھی شامل تھے تین تین سال قید سنائی گئی جبکہ مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کو نو سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ اس گرفتاری کے بعد آپ کو قلعہ بالا حصار کے عقوبت خانے میں رکھا گیا اور بامشقت سزا سنانے کے بعد صوبہ سرحد کی بدترین جیل ڈیرہ اسماعیل خان بھجوایا گیا۔ سختیوں اور مصائب کو برداشت کرتے ہوئے ان کی صحت مکمل طور پر تباہ ہوگئی۔ حکومت کو آخر کار انھیں رہا کرنا پڑا مگر اب کی صحت مکمل طور پر جواب دے چکی تھی چنانچہ

مولانا صاحب 31 / مئی ۱۹۴۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اُنھوں نے علوم مروجہ کے حصول کے بعد بائیس سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ الصمدیہ کی بنیاد رکھی۔ درس و تدریس کے ساتھ آزادی کی جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب 1924ء میں کانپور سازش کیس کا آغاز کیا تو انگریزوں نے اُنھیں پشاور سے گرفتار کرلیا۔ 1929ء میں آپ میرٹھ کے پسندوں کی دفاعی کمیٹی کے بھی صدر رہے۔ انگریزوں کو خدشہ تھا کہ وہ سرحد اور ماورائے سرحد برطانی سامراج کی جڑیں اکھاڑنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ امیر افغانستان غازی امان اللہ کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے اور برصغیر میں انگریزی استبداد کا خاتمہ چاہتے تھے۔ اس نہج پر ان کے ذاتی مراسم مصطفیٰ کمال اتاترک اور غازی امان اللہ خان سے بھی تھے وہ اور خان عبدالغفار خان 1928ء میں ایک طبی وفد لے کر افغانستان کے لیے روانہ ہوئے۔ الغرض ہر وہ تحریک جو انگریزوں کے خلاف شروع ہوئی وہ اس میں پیش پیش نظر آتے۔ امام حریت کے رفقاء نے سبھاش چندر بوس کو بھی خفیہ طور پر قبائلی علاقہ جات کے راستے کابل پہنچا دیا۔ امام حریت علامہ عبدالرحیم پوپلزئی عالم باعمل اور درویش باصفا تھے۔ ان کے والد گرامی قدر ہی نہیں ان کے پڑدادا جو علامہ ہی کے ہم نام عبدالرحیم پوپلزئی تھے۔ حاکم پشاور محمد اعظم خان کے عہد میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ یہ خانوادہ علم و فضل بڑا صاحب کردار تھا۔ اس لیے امام حریت کا انتخاب بطور قاضی عمل میں آیا۔ اُنھوں نے سرحد میں جب کانگریسی حکومت تھی۔ 1937ء میں محلّہ ڈھیر مردان کے مظلوم کسانوں اور بے کس لوگوں کے حقوق دلوانے کے لیے تحریک میں حصہ لیا۔ مولانا صاحب کا تو یہ عالم تھا کہ اپنی خطابت کی تنخواہ بھی مجاہدین پر خرچ کر دیتے تھے ایک بار ایسا ہوا کہ جب مجاہدین کی امداد کا گھر میں کوئی اثاثہ نہ بچا تو فرمایا جو کچھ بھی گھر میں ہے وہی دے دو۔ آپ کی بچی جو کہ آپ کے فراق پر تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوئی تھی اس کی بالیاں موجود تھیں۔ وہ فروخت کر کے مجاہدین کو رقم بھجوا دی گئی۔ جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت علامہ کی آمد کے ساتھ ہی شاہ عبدالعزیز نے آپ کو شاہی مہمان بنالیا۔ حضرت علامہ کی آؤ بھگت ہونے لگی اور اُنھیں اس امر کی پیشکش کی گئی کہ وہ تین سال تک قیام فرمائیں وہ مکہ مکرمہ میں درس و تدریس کا آغاز کریں لیکن مولانا سمجھ گئے کہ اُنھیں راحت و آرام کی طلائی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے ان کے سامنے مقاصد انقلاب تھے اس لیے وہ پیش کش ٹھکرا کر وطن عزیز لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی، فارسی، پشتو، ہندکو اور دیگر کئی زبانوں پر عبور دیا تھا۔ مولانا کا لباس اور رہن سہن سادہ تھا۔ جس مکان میں رہتے تھے وہ بھی کچا اور راحت و آرام سے بے نیاز۔ امام حریت کا تعلق عمر مجاہد اعظم حضرت حاجی صاحب ترنگزئی شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا عبید اللہ سندھی، غازی امان اللہ خاں، علامہ مشرقی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا کال جی صنوبر حسین مومند اور برصغیر کے اکابر علماء و مجاہدین سے تھے۔ ان کا اپنا مسلک اگرچہ دیوبند تھا یا وہ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے لیکن وہ شیعہ، بریلوی تمام فرقہ بندیوں سے بالاتر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے بلا تخصیص مذہب و ملت شرکت کی۔ ان کی وفات پر تمام سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں نے زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ سردار عبدالرب نشتر صاحب نے فرمایا مجھے مولانا مرحوم کی نیازمندی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس لیے مجھے ان کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ مولانا مرحوم ایک جید عالم اور موکل انسان اور ایک سمجھدار سیاسی رہنما تھے۔ سیاسی طور پر وہ سرمایہ دارانہ نظام کے شدید مخالفین میں سے تھے۔

مولانا محمد صادق کراچویؒ

(وفات:۱۹۵۳ء)

مولانا موصوف محلہ کھڈی کراچی کے باشندے تھے۔ کتب عالیہ درسیہ اور دورہ حدیث حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا۔ ان میں اور مولانا سندھی میں گہرے تعلقات تھے۔ مشن کے ممبر بنے اور سرگرمی سے کام لیا۔ جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے عراق پر حملہ کیا تو اُنھوں نے لسبیلا وغیر بلوچستانی علاقہ میں بغاوت کرادی۔ کراچی سے ہر ہفتہ عراق کو جہاز میں فورس جایا کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے مسٹر ٹاؤنشنڈ کمانڈر محاذ عراق میں بڑھتا ہوا ہر پڑاؤ پر پیش قدمی کر رہا تھا۔ فوجیں یکے بعد دیگرے ایک پڑاؤ کو سنبھالتی جاتی تھیں اور پیچھے سے کمک پہنچتی رہتی تھی اس طرح نظام پیش قدمی کا چلتا تھا۔ جب بلوچستان وغیرہ میں بغاوت ہوگئی تو وہ فورس اور فوج جو بصرہ کو جارہی تھی اس داخلی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سندھ میں اُتار دی گئی۔ کئی ہفتہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسٹر ٹاؤنشنڈ اپنی فتح مندی کے نشہ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ پیچھے سے کمک نہ پہنچی تو ترکی فوجوں نے حصار نہایت مضبوط کر لیا تھا۔ نہ اندر سے کسی کو نکلنے دیتے نہ باہر سے جانے دیتے کئی ماہ تک محصور رہ کر مجبوری ٹاؤنشنڈ کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ جب محصور ہوا تو اس کی فوج تیس ہزار تھی۔ یہاں ہندوستان میں مخبری پر مولانا محمد صادق کو گرفتار کرلیا گیا۔ مگر خاطر خواہ ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے کارواڑ (مہاراشٹر کا شہر) میں نظر بند کردیے گے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد رہا کیے گے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کے صدر مہتمم اور صدر مدرس رہے خلافت کمیٹی سندھ اور جمعیۃ علماء سندھ کا کام نہایت اولوالعزمی سے کرتے رہے۔ 18 جون 1953ء کو ایمان کی سرشاری کی حالت میں وفات پا گئے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

مولانا مطیع الحق پیامی دیوبندیؒ

(وفات: ۱۹۵۷ء)

آپ 1903 کو "دیوبند" ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے حقیقی خالو تھے، اول سے آخر تک تمام تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ اور وہیں سے سندالفراغ حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

تدریس

ملازمت کا آغاز اسلامیہ ہائی سکول فیروز پور چھاؤنی سے کیا وہاں مرزائیوں کے ساتھ مناظرہ کے نام پر ایک بہت بڑا جلسہ کرایا جس میں دارالعلوم دیوبند کے تمام مشہور علماء مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مرتضٰی حسن چاند پوریؒ۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا اعزاز علیؒ وغیرہ ہم نے شرکت کی۔

مدرسہ ضیاء العلوم

1942ء میں مدرسہ ضیاء العلوم فیض باغ لاہور میں قائم کیا۔ 1942ء میں سکھوں سے ایک مکان اور کچھ ملحقہ زمین خرید کر "ضیاء مسجد" تعمیر کرائی۔ 1942ء کے شروع میں مدرسہ ضیاء العلوم میں درس نظامی کی تدریس بھی شروع کی گئی۔ گرمائی تعطیلات میں آپ دیوبند گئے ہوئے تھے کہ ملک تقسیم ہو گیا ملکی حالات کی خرابی کے باعث دسمبر 1947ء تک واپس نہ آ سکے جس کی وجہ سے درس نظامی کی تدریس جاری نہ ہو سکی۔ بعد میں آ کر اللہ کی توفیق سے مدرسہ ضیاء العلوم کے لیے زمین خریدی اور عمارت تیار کروائی جس میں دینی تعلیم کے مروجہ نصاب کا بھی پورا

انتظام فرمایا۔ مدرسہ کا تعلیمی نصاب' اُردو' عربی اور دینیات وغیرہ سب آپ کا تصنیف کردہ ہے اس مدرسہ میں طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی اور اب مڈل تک کی تعلیم اس میں دی جاتی ہے۔ مدرسہ چلانے کے لیے ضیاء مسجد ٹرسٹ آپ نے قائم کیا اور اسے باقاعدہ رجسٹر کروایا۔

تدریس کے ساتھ تبلیغ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا' عام مسلمانوں کو دین سے روشناس کرانے کے لیے آپ نے ''ضیاء العلوم'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا، یہ بہت عمدہ رسالہ تھا جو ایک عرصہ تک نکلتا رہا اور مسلمان اس سے ضیاء حاصل کرتے رہے۔

تقسیم ملک کے بعد جب جمعیۃ علماء اسلام کی تشکیل ہوئی تو اس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری، نائب صدر مولانا احمد علی اور مولانا داؤد غزنوی تھے اور جنرل سیکرٹری آپ۔ اس میں آپ نے بڑھ بڑھ کر کام کیا۔

وفات

وفات سے قبل وصیت فرمادی تھی کہ میری تمام تصنیف شدہ کتب مدرسہ ضیاء العلوم کی تحویل میں دے دی جائیں۔ مسلسل کام کی وجہ سے صحت کافی گر گئی۔ 31 رمئی بروز جمعۃ المبارک ۱۹۵۷ء کو فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ کمرہ کے دروازے کھول دو مہمان آ رہے ہیں۔ حاضرین حیران ہوئے کہ ہمیں تو کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے بعد اوراد میں مشغول ہو گئے اور اسی دوران روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

نماز جمعہ کے بعد بعد بیرون دہلی گیٹ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں مسلمان نماز میں شریک ہوئے اور پھر آپ کو گھوڑے شاہ مزار کے جنوب میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کا مزار وہاں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ دہلوی

(تاریخ وفات: ۴؍دسمبر ۱۹۶۵ء)

برصغیر کی عظیم دینی علمی اور سیاسی شخصیت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ دیوبندی مکتب فکر کے ممتاز علماء کرام میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد حافظ محمد نواب مرزا لال قلعہ دہلی میں واقع زینت المساجد کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے 1888ء کو فرزند عطا فرمایا جس کا نام احمد سعید رکھا گیا۔ بچپن کے دوران ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد مدرسہ ٹیا محل میں قرآن حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی 1328ء کو دہلی کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ امینیہ میں داخلے کے بعد 1336ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا احمد سعید کو بچپن ہی سے تقریر و خطاب کا بے حد شوق تھا۔ جس میں آپ نے بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ بائیس (22) برس کی عمر ہوگی کہ ابوحنیفہ ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی آپ پر نظر پڑی تو 1910ء میں ان سے تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

فراغت کے بعد مولانا احمد سعید نے تحریک آزادی ہند میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ مولانا احمد سعید کی تقریر دہلی کی اردو زبان میں مؤثر اور پرلطف ہوتی تھی چھوٹے چھوٹے جملے جیسے مصری کی ڈلیاں، آپ شیریں بھی تھے اور مصلح احوال بھی، فرنگی سامراج کے خلاف لب کشا ہوتے تو سامعین کے خون کی گردش تیز ہو جاتی۔ جوں جوں آواز میں ارتعاش پیدا ہوتا تو لوگ سانس روک کر بے حس و حرکت ہو جاتے گویا کسی نے جادو کر دیا ہو۔ ان کی تقریر لطائف و ظرائف سے خوب بھرپور ہوتی تھی جن دنوں تحریک عدم تعاون ترک موالات زوروں پر تھی آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور گرفتار کر لیے گئے۔ فرنگی حکمرانی کو غاصب کے الفاظ سے یاد کرتے اور پس دیوار زنداں ہو جاتے۔ آٹھ دس مرتبہ جیل گئے، ان کے جیل یاترا کے بہت سے واقعات میں

میانوالی جیل کا حال دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

نامور شخصیات کا اجتماع

جن دنوں تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ ہندوستان کے اکثر دینی اور سیاسی رہنما فرنگی سامراج کے خلاف تقریر کے جرم میں جیل خانوں میں بند کر دیے گئے تھے، چنانچہ لاہور سنٹرل جیل کے معروف زندانیوں میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا لقاء اللہ عثمانی، صوفی محمد اقبال، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا ظفر علی خان کے فرزند مولانا اختر علی خان کے ساتھ اخبار زمیندار کے رکنِ ادارۂ تحریر عبد المجید سالک بھی شامل تھے۔ ابتداء میں تو ان قیدیوں کے ساتھ ہندو اور سکھ قیدی بھی رکھے گئے مگر چند روز بعد انھیں بطور سزا میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا۔ ایک جیل خانے سے دوسری جیل میں منتقل کرتے وقت ایک ہتھکڑی کے ساتھ دو دو حضرات نتھی کیے گئے تھے جیسا کہ مولانا اختر علی خان کے ساتھ ایک سکھ رہنما نتھی تھا۔ بادامی باغ اسٹیشن پر اچانک اختر علی خان غائب ہو گئے تو ساتھی فکر مند ہوئے اسی عالم میں پلیٹ فارم پر اختر علی خان کو آواز دے کر تلاش کیا گیا کہ اختر علی خان نے باہر سے آواز دی کہ میں اپنے ساتھی سردار جی کو پیشاب کرا رہا ہوں۔ چونکہ دونوں کی ہتھکڑی ایک تھی اس لیے مجبوراً اختر علی خان کو بھی ان کے ساتھ جانا پڑا۔

چنانچہ لطائف و ظرائف اور مزاحیہ چٹکلوں کے تبادلے کے ساتھ خوش و خرم یہ حضرات میانوالی جیل میں پہنچا دیے گئے تھے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مولانا احمد سعید دہلوی، سید حبیب ایڈیٹر سیاست اور عبد العزیز انصاری بھی اس جیل میں عام قیدیوں کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ ان حضرات نے وہاں جاتے ہی جیل حکام سے بات کر کے مولانا احمد سعید اور دوسرے رفقاء کو بھی اپنے وارڈ میں ساتھ لیا۔ اب اس حلقہ زندانیاں میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا لقاء اللہ عثمانی، صوفی محمد اقبال، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا ظفر علی خان کے فرزند مولانا اختر علی خان، مولانا احمد سعید دہلوی، عبد العزیز انصاری، راجہ غلام قادر، نذیر احمد اور مولانا عبد اللہ چوڑی والے دہلوی وغیرہ حضرات شامل تھے جو ہر وقت تعلیم میں مصروف رہتے۔ ایک دوسرے سے عربی اور انگریزی سیکھنے کا تبادلہ رہتا، علاوہ ازیں فارغ اوقات لطائف و ظرائف، شعر خوانی اور سخن دلنوازی کی محفل بھی گرم ہوتی تھی۔ مولانا احمد سعید دہلوی شیخ مجلس اور میر محفل ہوتے

اوران کی بزرگی کا سب احترام کرتے تھے۔ غرض یہ کہ ہم مذاق اور ذی علم قیدیوں کا یہ مجمع مثالی تھا اور پھر شاید ہی ایسی شخصیات یکجا ہوسکی ہوں گی۔ عربی، انگریزی، شعروشاعری، اخبار نویسی، صحافت، علم دین، تقویٰ وتدین اور خلوص وایثار کے حسین پیکروں کا یہ ایک نمائندہ اور منتخب اجتماع تھا۔

؎ پھر کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

بہرنوع مولانا احمد سعید دہلوی کی شخصیت علماء کرام اور دیگر علمی وادبی وصحافی حلقوں میں بے حد مقبول ومحترم تھی۔ 1940ء میں آپ نے مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد تقریر کے دوران آپ نے حسبِ معمول فرنگی سامراج کے خلاف بھی چند جملے ارشاد فرمائے جس پر اُنھیں گرفتار کرلیا گیا اور مقدمہ قائم ہوا۔ اس دوران آپ کا قیام شبلی منزل میں ہوتا تھا۔ جنوری 1941ء میں اس مقدمے کا فیصلہ قید وبند کے احکام کے ساتھ ہوا چنانچہ آپ پھر پس دیوارِ زنداں کردیے گے اور گرفتاری کی وجہ سے آپ جمعیت علماء ہند کی نظامت سے مستعفی ہوگئے تھے آپ نے جیل خانہ میں احادیث نبوی ﷺ کا ترجمہ کیا جو "**ھدایته السنیة فی الاحادیث القدسیة**" کے نام سے اور بعدازاں "خدا کی باتیں" کے عنوان سے کئی اشاعتوں میں طبع ہوئی تھیں۔ دورانِ قید ہی مولانا احمد سعید دہلوی نے قرآن کریم کا آسان فہم زبان میں ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا پروگرام بنایا اور جیل سے رہائی کے بعد اس اہم مقدس مشن کی تکمیل کے لیے اُنھوں نے موتمر المصنفین کے نام ایک اشاعتی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ادارہ ابوحنیفہ ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی کی نگرانی اور سربراہی میں قائم کیا گیا تھا۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ دینی اور علمی معلومات کے سلسلے میں ہمارے اسلاف کا جو لٹریچر موجود ہے خواہ وہ تفسیر القرآن کا ہو جیسے کہ موضح القرآن وغیرہ، ان کی زبان چونکہ غیر مانوس اور بآسانی قابل فہم نہیں ہے اس لیے ایک تو ان تمام قدیم مطبوعات کو جدید مروجہ قابل فہم زبان میں تبدیل کیا جائے اور تراجم تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دور میں اوران کے خاندان کے بلند پایہ علمی شخصیات نے کیے تھے ان سب کا نئی قابل فہم زبان میں خصوصاً اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

چنانچہ اُنھوں نے اسی اہم اور بلند پایہ مقصد کے حصول کے لیے ترجمہ وتفسیر القرآن کی خدمت کا آغاز کیا اور کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن وتسہیل القرآن کے زیرعنوان چند برس میں تفسیر مکمل کرلی۔ اس کی تصحیح اور نظرثانی حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی نے کی اور اشاعت پر

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، عبدالوہاب آروی صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی، مولانا سید فخر الدین مرادآبادی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری ثم مدنی، مولانا اعزاز علی شیخ الادب دیوبند اور دیگر عظیم المرتبہ شخصیات نے شاندار الفاظ میں اس کی تحسین کی ہے۔ یہ تفسیر دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔

اشاعت القرآن کے لیے سرمائے کا فقدان

مولانا احمد سعید دہلوی کے فرزند مولانا محمد سعید نے تفسیر کشف الرحمٰن کے مقدمے میں لکھا ہے کہ مولانا نے جب تفسیر لکھنے کا کام مکمل کر لیا تو اس کی اشاعت اور طباعت کے وسائل ناپید تھے حتیٰ کہ کتابت کے لیے بھی رقم موجود نہ تھی کہ دہلی ہی کے ایک مخیّر تاجر نے خواب میں دیے گئے حکم کے مطابق پانچ سو روپیہ نقد اور سو روپیہ ماہانہ ادائیگی کے وعدے کے ساتھ عطیہ پیش کیا جو اس تفسیر کشف الرحمٰن کی اشاعت کا سبب بن گیا۔ بعد میں ان کے ایک اور معتقد نے جوہانسبرگ افریقہ سے مبلغ پانچ ہزار روپے ارسال کیے تو ان کی تفسیر مکمل صورت میں زیور طباعت سے آراستہ ہوگئی۔ آپ نے تفسیر بالحدیث کے ساتھ ابن کثیر کا اسلوب اپنایا ہے۔ انداز خاصا دلنشین ہے البتہ اس تفسیر کی اشاعت میں ناشر حضرات نے دور جدید کی ضرورت اور تقاضا ملحوظ رکھنے کی جانب توجہ نہیں دی ہے بلکہ ایک پارے کے تفسیری مندرجات حاشیے پر لکھنے کے بعد اس کے بقایا جات آخر میں ضمیمہ کی صورت میں طبع کیے ہیں جو قاری کے لیے چنداں مفید اور سہل نہیں۔ نئی اشاعت میں ہر صفحے کی تفسیر اسی صفحے پر درج کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ دوسرے صفحے پر اس طرح مطالعے میں قاری کو سہولت میسر آسکتی ہے۔

بہرنوع حضرت مولانا احمد سعید دہلوی برصغیر کے علماء میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ متعدد مرتبہ جمعیت علماء ہند کے صدر اور ناظم رہے۔ ان کی تقریر سیرت کی کتب اور دیگر تصانیف خاصی مقبول ہیں۔ آپ نے مورخہ 4 دسمبر 1965ء میں مطابق 21 شعبان 1385ھ بروز جمعۃ المبارک اوراد و وظائف کے دوران تقریباً ستتر برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور دہلی کے مشہور قبرستان حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے باہر واقع قبروں میں دیوار سے ملحقہ چبوترے پر مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ساتھ مدفون ہیں۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ مراد آبادی

(وفات: ۱۹۶۵ء)

جمعیت علمائے ہند کی آبیاری میں جن عبقری شخصیتوں نے حصہ لیا ان میں حضرت شیخ الہند محمود حسن حضرت مولانا کفایت اللہ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، سحبان الہند مولانا احمد سعید، شیخ الہند حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی اور آخر میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی بصیرت سے مسلمانوں کے زوال کے ان کے مسائل نیز آئندہ مشکلات کا اپنی زندگی میں ہی اندازہ کرلیا تھا۔ چنانچہ آپ نے 19/اکتوبر 1920ء کو جمعیت علماء کے پلیٹ فارم سے خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''رسول اللہ کا جھنڈا خاکم بدہن سرنگوں ہوا جا رہا ہے۔ حضرت ابوعبید سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی روحیں اپنی خواب گاہوں میں بے چین ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ مسلمانوں میں سے غیرت مفقود ہو رہی ہے جو جرأت اور دینی حرارت کی میراث تھی۔ وہ اُنھوں نے غفلت اور تعیش کے نشہ میں دوسروں کے حوالے کردی ہے۔

یہی وہ پیغام تھا جس کو لے کر جمعیت علماء ہند نے مختلف طرح سے آگے بڑھایا چنانچہ آج بھی اصلاح معاشرہ اور دینی تعلیم و دینی مدارس کو جو نغمہ اس کے پلیٹ فارموں سے گایا جا رہا ہے اس کے اولین سرے حضرت شیخ الہند کے نغمات سرمدی میں ملتے ہیں۔

جمعیت علماء ہند وہ تنظیم ہے جس نے من حیث القوم مسلمانوں کی دل و جان خدمت کی اور اسی کو اپنا شعار بنایا۔ اس سلسلے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب نے اس کے پلیٹ فارم سے تقریباً تیرہ سال تک اس تنظیم کی آبیاری کی 1920ء سے لے کر 1947ء تک

تقریباً ایک دو سال کو درمیان سے خارج کر کے اس تنظیم کی صدارت کا سارا بوجھ آپ کے کندھوں پر رہا۔ یہ عرصہ اس تنظیم کی تاریخ کا ایک ایسا دور ہے جبکہ نت نئے مسائل سے اس کو الجھنا پڑا مگر اس کے پایہ استقامت میں کمی نہ آئی۔

مولانا فخر الدین صاحب نے اپنے دور میں اس جماعت کو کتاب وسنت کی روشنی میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ آپ کا خیال تھا کہ جمعیت علماء ہند نے خلافت کے ہنگاموں میں مسلمانوں میں جو حریت انگیز بیداری پیدا کر دی تھی اور بہی خواہان کو یہ امید بندھ گئی تھی کہ ہماری قوم کے دن پھر گئے تو اب اس تنظیم کی کوششوں اور اصلاحی اقدامات کی بنیاد بھی ابتداء کی طرح کتاب وسنت کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔

سیاسی زندگی

تحریک خلافت میں آپ نے زبردست حصہ لیا۔ 1929ء میں آزادی وطن کی تحریک ایک نئے انداز میں ابھری۔ اس موقع پر حضرت مولانا فخر الدین کا قدم سب سے آگے تھا۔ اس سیاسی سرگرمی اور اخلاص وطن کے جذبہ نے آپ کو قید وبند کی مصیبتوں سے آشنا کرایا۔ کچھ ماہ بعد گاندھی۔ اردن پیکٹ کی بناء پر تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے گے اور حضرت مولانا فخر الدین احمد کو بھی رہا کر دیا گیا۔ تحریک آزادی کا آخری دور 1939ء سے شروع ہوا اور اپریل 1942ء میں مولانا حسین احمد مدنی کو گرفتار کر لیا گیا تو اُنھوں نے اپنی جگہ درس حدیث دینے کے لیے آپ کو منتخب فرمایا۔

1944ء میں حضرت مدنی رہا ہوئے اور 1956ء کے آخر میں بیمار ہوئے تو بھی آپ ہی کو درس حدیث کی خدمات سونپیں۔ اس وقت آپ جمعیت علمائے ہند کے نائب صدر تھے۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید کی وفات کے بعد اولاً عارضی طور پر آپ کو صدر بنایا گیا پھر باضابطہ جمعیت علماء ہند کے انتخابات ہوئے تو جمعیت علماء ہند کے تمام حلقوں نے آپ ہی کو صدر بنایا۔

علی گڑھ اور جمعیت علمائے ہند

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد کی صدارت میں 13 اور 14 جون 1965ء کو دفتر جمعیت علمائے ہند مسجد عبد النبی میں جو اجلاس ہوا اس میں اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ بنارس ہندو

یونیورسٹی کے حالات اور وہاں جو آرڈی نینس نافذ کیا گیا ہے اسی طرح کا ایک آرڈیننس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سلسلے میں بھی آرہا ہے۔ چونکہ یہ یونیورسٹی مسلم ثقافت کو ترقی دینے کے لیے بنائی گئی تھی۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جمعیت علمائے ہند کے اس اجلاس میں یونیورسٹی کے تحفظ کے سلسلے میں ایک لائحہ عمل بنائے جانے کی بات کہی گئی۔ اس سلسلے میں آرڈیننس کے خلاف رٹ داخل کرنے کا مسئلہ سامنے آیا اور اس کے خلاف احتجاج اور پھر عملی اقدام ضروری سمجھے گے۔ چنانچہ یوم احتجاج منانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

یہ اجلاس پہلی مرتبہ مسجد عبدالنبی کے دفتر میں منعقد ہورہا تھا اس لیے مولانا سید اسعد مدنی نے فرمایا کہ اس موقع پر تلاوت کلام پاک کے بعد دُعا کرالی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس دفتر کے ذریعے ملک وملت کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائیں اور دفتر کی یہ عمارت ہر طرح مبارک و مسعود ثابت ہو۔ چنانچہ جماعت کے قدیم ترین مخلص بزرگ حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور صدر محترم حضرت مولانا سید محمد فخر الدین نے دعا کرائی۔

غالبا انہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے یہ دفتر آج بلا لحاظ مذہب وملت پوری نوع انسانی کی خدمت میں شب و روز مصروف ہے۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ

(وفات:۱۹۶۸ء)

آپ 1295ھ کو مولانا بہاؤ الدین بن مولانا سعد الدین بن شیخ محمد موسیٰ بن اخوند محمد بشارت کے گھر غور غشتی ضلع کیمبلپور (اٹک) میں پیدا ہوئے، آپ افغانوں کے قبیلہ کاکڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے آباء قندھار سے ہنود کے خلاف جہاد کی نیت سے نکلے اور چھچھ (کیمبل پور) میں آباد ہو گئے، آپ کے والد بھی نہایت عمدہ عالم تھے اپنے زمانہ کے چشتیہ سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے ۱۳۰۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے فاضل بھائی مولانا شہاب الدین (والد مولانا قطب الدینؒ) سے حاصل کی پھر صرف ونحو کی تعلیم سروبہ فتح جنگ میں شروع کی اور تکمیل ملتان کے نواحی لے میں کی، پھر نوتھ میں مولانا غلام رسول المعروف بہ انی بابا سے منطق ومعانی کی تعلیم حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ چکڑالہ ضلع میانوالی تشریف لے گئے وہاں علامہ قاضی قمر الدینؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، یہ بزرگ مولانا احمد حسن امروہی تلمیذ علامہ محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور انہیں مولانا احمد علی سہارنپوری سے بھی اجازت حاصل تھی۔

تدریس

فراغت کے بعد کچھ عرصہ رنگون میں تدریس کی اسی دوران حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی رنگون سے واپسی پر دار العلوم دیوبند آئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے ترمذی شریف کی اجازت لی، اور چند ماہ بعد غور غشتی آئے اور مختلف علوم وفنون کی کتب کا درس دینے لگے پھر کوئی پچاس سال تک تفسیر اور حدیث کی تدریس کرتے رہے اسی وجہ سے شیخ الحدیث کے نام سے زیادہ شہرت پائی آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور مختلف مقامات پر علمی

خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصنیف

آپ کی علمی خدمات میں سے ایک مشکوٰۃ شریف کا عربی حاشیہ ہے جو ان کی علمیت کی واضح دلیل ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں لاہور اور ساہیوال کی جیلوں میں قید کاٹی۔ آپ مودودی صاحب کے افکار کے سخت مخالف تھے اور ان کی علمی دلائل کے ساتھ تردید کیا کرتے تھے۔

صوفیانہ مسلک

آپ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ واں بھچراں (میانوالی) کے خلیفہ مجاز تھے اور اس سلسلہ کی ترویج واشاعت میں بھی کوشاں رہتے تھے آپ کے مریدین سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

اخلاق

آپ نہایت ہی معتدل مزاج نیک سیرت سادہ طبیعت اور یادگار سلف تھے آپ نے علمی تحقیقات کے سلسلہ میں مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیہ بھی تحریر کیا ہے جو نہایت عمدہ اور قیمتی تحقیقات پر مشتمل ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

وصال

آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا مگر اس کی تکمیل سے قبل ہی 4 ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ / 23 جنوری 1968 بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد ایک کثیر تعداد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور مولانا قطب الدین کی قبر کے قریب ہی دفن کئے گئے آپ کے وصال پر ماہنامہ الحق نے مفصل تعزیتی نوٹ شائع کیا جو حسب ذیل ہے:

"یہ خبر تمام علمی و دینی حلقوں میں سخت رنج والم کے ساتھ سنی گئی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی رحمہ اللہ رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

موصوف دارالعلوم دیوبند کے نامور اصحابِ علم و فضل میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے (سابق) پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں موصوف

نے علم و دین کی نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ جہاں لاکھوں بندگان خدا نے ان سے اکتساب فیض کیا۔ ادارہ البلاغ اس سانحے پر اپنے گہرے رنج وغم کے اظہار کے ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

مولانا سید محمد یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں کہ مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غورغشتی ضلع کیمبلپور سے بھی علم واخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق وصفا کے مجسمہ، عالم ربانی عارف لاثانی حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جب کہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لیے پابہ رکاب تھے، ۳۰ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ 22 جنوری 1969ء کو ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح اور صحاح ستہ، ہدایہ آخرین، مشکوۃ کا درس دیا۔ علوم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ ہزارہا مخلوق خدا کو فیض یاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سو سال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی، اس پرفتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم و دین کی خدمت میں گذری ہو۔ نہ راحت کی فکر نہ تنخواہ ومشاہرے کا تصور، نہ دولت اور عزت و وجاہت کی آرزو۔ فقیرانہ زندگی مسجد میں گزاری۔ درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشین ہیں۔

ان للہ عبادا فطنا　　طلقوا الدنیا و خافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا　　انھا لیست لحی وطنا
جعلوھا لجۃ و اتخذوا　　صالح الاعمال فیھا سفنا

ترجمہ: ”اللہ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔ دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے اس لیے انہوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔

امام پاکستان سید احمد شاہ چوکیرویؒ

(وفات: ۲۲ / مارچ ۱۹۶۹ء)

آپ نے صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ، بلاغت ومعانی کی مروجہ کتب کی تکمیل کے بعد علاقہ میں منطق وفلسفہ کی مشہور درس گاہ "انہی" ضلع گجرات میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ اور الاستاذ العلماء حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ کے معقولات میں اپنی بلند فطرت کے مطابق مہارت وکمال حاصل کیا۔ اور پھر علم کی آخری رفعتوں پر فائز ہونے کے لیے مرکز علوم اسلامیہ، از ہر اشیائی وافریقہ جامعہ عالیہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور (بھارت) تشریف لے گئے۔

وہاں دیگر اکابر اساتذہ کے علاوہ زینت مسند صدارت شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز سے سند فراغ اور شیخ الاسلام کی خصوصی توجہات حاصل کر کے وطن مالوف کی جانب رجوع فرمایا۔ قبل اس کے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی علمی ضیاء پاشیوں سے برصغیر کو منور کرتے، آپ کے قلب میں معرفت الٰہی کا جذبہ پوری شدت سے بیدار ہوا، اور آپ وقت کے برگزیدہ صاحب معرفت مرشد السالکین حضرت مولانا خواجہ غلام حسن سواگؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں لطیفہ قلب سے لاتعین تک تمام منازل سلوک طے کر کے اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اس طرح ظاہری و باطنی علوم وعرفان سے منور ہو کر شاہ صاحبؒ نے عوام الناس کو مستفید فرمانے کے لیے مسند تدریس کو رونق بخشی۔

شروع میں مدرسہ جامعہ محمدی ضلع جھنگ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تعلیمی ذمہ داری سر انجام دیں۔ پھر تحصیل چنیوٹ کے مختلف مدارس میں اپنی خداداد صلاحیت سے طلباء کے دل و دماغ کو علوم نبوت سے منور فرماتے رہے۔ اسی دوران ایک مرتبہ پھر داعیہ پیدا ہوا کہ سلسلہ عالیہ

قادریہ سے سیرابی ہو۔ چنانچہ وہاں بھی قلیل مدت میں کلاہ اجازت مرحمت ہوئی۔ اور اس طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قلب مبارک عشق خداوندی میں دوآتشہ بن گیا۔

اوائل ۱۹۴۸ء میں آپ نے مجددانہ مساعی کے لیے ایک مستقل ادارہ کی ضرورت محسوس فرمائی اور چوکیرہ ضلع سرگودھا میں مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ کی بنیاد رکھی۔ اور صدر مدرس و مہتمم کے فرائض خود ہی انجام دیتے رہے۔ مدرسہ میں تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ پندرہ روزہ ''الفاروق'' نامی ایک خالص علمی رسالہ بھی جاری کیا۔ یہ رسالہ درحقیقت ایک خالص علمی دستاویز تھی۔ جس نے اعداء دین کے حلقوں میں تہلکہ مچادیا۔ اس تحریری جہاد اور تبلیغی دوروں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اسی عرصہ میں آپ نے معرکۃ الآراء موضوعات پر رسائل کی شکل میں اپنے علمی جواہر ریزے سپرد قلم کرنے شروع کردیے۔ پاکستان میں حفاظت اسلام کی خاطر دشمنان دین سے اس تحریری جہاد کی وجہ سے علماء نے آپ کو ''امام پاکستان'' کے عظیم اور الہامی لقب سے یاد کیا۔ اور یہی امتیازی لقب آپؒ کا مستقل تعارفی نام بن گیا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء حق سبحانہٗ وتعالیٰ امام پاکستانؒ کو سنت یوفی علیٰ صاحبہا السلام سے بھی نوازنا چاہتی تھی۔ لہٰذا ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ کو شاہ پور جیل میں محصور کرکے خصوصی تجلیات سے نوازا۔

چنانچہ قید و بند کے ان پرصعوبت ایام میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا تحقیقی علمی شاہکار ''تحقیق فدک'' تصنیف فرمائی۔ جس سے ہر طبقہ فکر نے اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا۔ اور علماء نے تو اپنا دامن علمی جواہر سے اس طرح بھرا کہ اس مسئلہ میں ہر تحریر و تحقیق سے بے نیاز ہوگئے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی اس کتاب کے بارے میں حقیقت پر مبنی جملہ زبان زد عام وخواص ہوگیا کہ ''مسئلہ فدک میں یہ تصنیف اُردو زبان میں حرف آخر ہے''۔ جس کی نظیر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ہے۔

امام پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وسیع سرگرمیاں چوکیرہ جیسے چھوٹے قصبہ سے پورے ملک پر اثر انداز نہیں ہوسکتی تھیں۔ لہٰذا احباب کے اصرار پر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ زندگی کے آخری دور میں سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا میں رونق افروز ہوئے۔ وہاں آپؒ نے ایک عظیم جامع مسجد فاروق اعظم تعمیر کروائی۔ اور جامعہ فاروق اعظمؓ کے نام سے ایک عظیم علمی یادگار کی بنیاد رکھی۔

وفات

امام پاکستان حضرت سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مجددانہ سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ تو حضرت حق جل مجدہٗ نے ۶۳ برس کی عمر میں اچانک اس یگانہ روزگار، زعیم ملت، بطل جلیل، کو اپنے جوار رحمت میں پناہ دے کر دنیا والوں کی آنکھوں سے اوجھل فرما دیا۔ اور اس طرح اس صدی کا ''مجاہد اسلام امام پاکستان'' واصل باللہ ہو گئے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

مسنون عمر کی تمنا کا اظہار

اہل اللہ کی ساری زندگی اسی کوشش میں گزرتی ہے کہ کسی طرح ہر سنت پر عمل ہو جائے کہ اسی میں کمال ولائت ہے۔ حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری ایام میں کئی مرتبہ اس تمنا کا اظہار بھی فرمایا کہ مسنون عمر پوری ہو جانے کو ہے۔ اللہ کرے موت میں بھی اتباع سنت نصیب ہو جائے۔ مرکزی جامع مسجد بلاک نمبر ۱ سرگودھا کے بالمقابل محمد عارف صاحب مرحوم (لوہے، رنگ) کی دکان کیا کرتے تھے۔ ان کی روایت ہے کہ:

''بدھ کے دن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس تشریف لائے، میرے ساتھ آپ کا لین دین تھا۔ حساب بے باق کرنے کے بعد فرمایا...... عارف بھائی! اب مسنون عمر تریسٹھ برس پوری ہو چکی ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ سوموار کا دن نصیب فرما دیں''

پروفیسر غلام یٰسین صاحب پرنسپل انبالہ کالج سرگودھا اور بعض دوسرے رفقاء کے سامنے بھی اسی دلی تمنا کا اظہار فرما چکے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ پر اکثر رقت کا غلبہ رہتا۔ نماز پڑھتے ہوئے اکثر رقت طاری ہو جاتی۔ عام حالت میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نہ تھی اپنے گناہوں کی جب تک خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جو نہی نظر
نگاہوں میں کوئی بُرا نہ رہا

یہ شعر پڑھتے ہوئے بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ بچپن اور تنگدستی کے وغربت کا زمانہ یاد کر کے رونے لگتے۔ اور خدا تعالیٰ کے احسانات کے تہ دل سے شکر بجالاتے۔

جس دن جناب عارف صاحب مرحوم سے ملاقات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ وہ بدھ کا دن تھا۔ خالق حقیقی نے اپنے عاشق زار کی دُعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا تھا۔ آنے والا سوموار کا دن ہی حیات مستعار کا آخری دن ثابت ہوا۔ ہفتہ کا سورج غروب ہوا، چار اور پانچ محرم کی درمیانی رات عشاء کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۃ البینہ اور دوسری میں سورۃ الحکاثر کی تلاوت فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے خط کا درج ذیل جواب تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

مکرمی محترمی حضرت قاضی صاحب زید مجدہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! مزاج شریف

آپ نے بیس اور اکیس محرم کے دونوں میں سے ایک دن کے انتخاب کا مجھے اختیار دیا ہے۔ سو میں پہلے یوم کو پسند کرتا ہوں۔ اور ۱۹ محرم بروز سوموار یہاں سے سفر کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور غالباً ظہر کی نماز تک آپ کے مدرسہ میں پہنچوں گا۔ پھر وہاں سے آگے آپ کا انتظام ہوگا۔ پہلے دن تقریر کر کے دوسرے دن سفر کرنے کا پروگرام ہوگا۔ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن واپسی ڈاک سے مطلع کریں کہ میرا مجوزہ پروگرام پسند ہے؟ یا ترمیم کے قابل ہے، بہر حال آپ کو اختیار ہے"۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود/۲۲ مارچ ۱۹۶۹ء

یہ خط حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو پوسٹ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ آپ کے صاحبزادے سید محمد قاسم شاہ صاحب خلاف معمول تھوڑی دیر سے گھر آئے۔ خود اُٹھ کر دروازہ کھولا ...... رات کے دس بجے بائیں جانب فالج کا شدید حملہ ہوا...... ڈاکٹر کو لایا گیا۔ حکیم نذیر عالم صاحب بھی تشریف لے آئے۔ علاج معالجہ شروع ہوا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے معلوم ہوتا ہے موت آ گئی ہے۔ اہل علم کو فالج کا مرض ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ یا اللہ مجھ مسکین کے حال پر رحم فرما...... یہ الفاظ دو دفعہ فرمائے

...... پھر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ بے ہوشی میں بھی سورۃ مریم کی تلاوت زبان پر جاری ہوگئی۔ پہلی چند آیات تلاوت فرمائی تھیں کہ پھر بے ہوشی کا غلبہ کچھ زیادہ ہوگیا۔ ساری رات اور اسی طرح اگلا سارا دن بے ہوشی کے عالم میں گزر گیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سول ہسپتال سرگودھا میں داخل کر دیا گیا۔ ہسپتال میں بے ہوشی کے دوران اچانک دایاں ہاتھ فضا میں بلند کر کے (جیسے مصافحہ کرنے کے لیے اُٹھایا ہو) فرمایا...... تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہے۔ (گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عزرائیلؑ کی شکل میں آئے)۔ یہ اس لیے بھی کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ثانی اثنین'' میں محمدی وموسوی خلافتوں کا محققانہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخری لمحات میں بے ہوشی کے اثرات کچھ کم ہوگئے تھے۔ آخری یہ الفاظ آمنت باللّٰہ وملئکۃ وکتبہ ورسولہ والیوم آخر تک ادا کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف چلے گئے۔ ڈاکٹر اپنی انتھک کوششوں کے باوجود کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے مشیت ایزدی کے سامنے کسے دم مارنے کی مجال ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

جنازہ:

پہلا جنازہ جامع مسجد فاروق اعظم بھٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا میں حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ رفیق اور دار العلوم دیوبند میں طالب علمی زمانہ کے ہم سبق شیخ الفقہ قطب العلماء حضرت مولانا قطب الدین اچھالوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ جنازہ سے فراغت کے بعد انتہائی بشاشت کے ساتھ فرمایا...... کہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جاتے جاتے بھی ایک عقدہ حل فرما گئے...... ''آج مجھ پر فقہ کا بہت بڑا عقدہ حل ہوا ہے''۔

دوسری نماز جنازہ اجنالہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اولین شاگرد جید عالم، عابد، زاہد، ذاکر، عالم باعمل حضرت مولانا علی محمد صاحب خطیب جامع مسجد نوناں والی مٹھہ ٹوانہ نے پڑھائی۔ بعد ازاں آبائی گاؤں اجنالہ کے عام قبرستان میں (جہاں کبھی اپنی اہلیہ محترمہ سے اشارتاً فرمایا تھا) دفن کیے گئے۔

مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ

(وفات: ۱۹۷۰ء)

آپ ۱۸۸۹ء میں مولانا مفتی محمد عبداللہ بن مولانا عبدالقادر کے گھر لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اور دادا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں سے تھے اور تاحیات انگریزی استعمار کے خلاف نبرد آزما رہے' اسی وجہ سے آپ بعد میں اپنے آپ کو"پیدائشی باغی" کہا کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی پھر مولانا نور احمد صاحب کے ہاں امرتسر میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن کے ہمراہ پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سراج احمدؒ، مولانا غلام رسولؒ ہزاروی اور قاری عبدالوحیدؒ شامل ہیں۔

اہتمام

خاندانی درس گاہ مدرسہ محمودیہ اللہ والا کے آپ مہتمم تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے مشورہ پر لڑکیوں کے لیے مدرسہ بنات الاسلام قائم کیا اس کا اہتمام مفتی ضیاء الحسن کے سپرد کیا۔

سیاست میں

1919ء میں آپ نے ملکی سیاست میں شرکت کی جمعیۃ علماء ہند سے جدوجہد کا آغاز کیا آپ جمعیۃ کے پالیسی ساز قائدین میں سے تھے، آپ جمعیۃ کے ناظم عمومی اور امیر بھی رہے۔ 1930ء، 1933ء، 1934ء اور 1942ء میں جیل گئے۔ 1942ء میں "انگریز و ہندوستان

چھوڑ دو' کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اس کی کاوش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

پاکستان میں

قیام پاکستان کے بعد آپ اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان آ گئے سیاست سے ہٹ کر تعلیمی اور تبلیغی خدمات انجام دینے لگے' منڈی بہاؤالدین گجرات کی مرکزی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے اور ساتھ ہی تدریس کرتے رہے۔ آپ کے علمی مقام کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز اور شاہ سعود نے آپ کو خلعت سے سرفراز فرمایا تھا، آپ کی سرپرستی میں کئی دینی ادارے اور ہائی سکول چلتے تھے' منڈی بہاؤالدین سے منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ آ گئے، 8 سال تک وہاں تعلیمی اور تبلیغی خدمات انجام دیں اسی دوران لائکپور والوں کے شدید اصرار پر جامع حنفیہ جناح کالونی میں بطور خطیب تشریف لے گئے، زندگی کے آخری آٹھ سال یہاں دینی کام کرتے ہوئے گزارے جمعہ کا دوسرا بڑا اجتماع لائکپور میں آپ کے ہاں ہوتا تھا لوگ دُور دور سے آپ کے خطبات جمعہ سننے آتے تھے۔

وصال

رمضان المبارک میں بیمار ہوئے مگر روزہ برابر رکھتے رہے ۲۶ رمضان المبارک کو لائکپور سے اپنے بڑے فرزند مولانا مفتی ضیاء الحسن کے ہاں ساہیوال منتقل کر دیے گئے۔ جہاں 19 دسمبر 1970ء بروز اتوار واصل بحق ہوئے۔

آخری تحریر

آخری تحریر میں درج ذیل شعر چھوڑے ہیں۔

الٰہی جب ہوں رخصت میں جہاں سے
تیرا ہی نام ہو جاری زباں سے
ہوں آساں مشکلیں مری دمِ مرگ
تری رحمت سے اور تیری اماں سے

نماز جنازہ

آپ کی نماز جنازہ خطیب شہر مولانا مفتی محمد عبداللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے پڑھائی جس میں سینکڑوں علماء اور ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

تدفین

تدفین ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوئی جہاں نماز جنازہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے پڑھائی۔

اولاد

اولاد میں آپ کے تین فرزند مولانا مفتی ضیاء الحسن فاضل دیوبند، مولانا محمد طیب فاضل دیوبند اور مولانا ضیاء الحسن فاضل دیوبند دینی خدمات میں مشغول ہیں۔ دیگر پس ماندگان میں میاں عبدالوارث لائکپوری سید احمد نعیم اور میاں زیاد احمد ہیں۔

(مشاہیر علماء دیوبند۔ از قاری فیوض الرحمٰن)

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

(وفات: ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء بمقام عمر والہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش تھا۔ ددھیال کا پیشہ زراعت و کاشت کاری تھا۔ ننھیال میں آپ کے ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد ذاکر شاغل اور حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ حضرتؒ نے قرآن پاک انہی کے پاس پڑھا اور بچپن کے دس سال انہی کی تربیت ونگرانی میں گزارے۔ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ دو سال بعد مدرسہ رشیدیہ رائے پور گجراں میں درس نظامی کی وسطانی کتابیں صرف ونحو، فقہ وادب منطق وفلسفہ وغیرہ پڑھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ اور فقیہ وقت حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔ مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی ہدایت سے قائم کیا گیا تھا اور آپ ہی کی سرپرستی میں چل رہا تھا۔ اس مدرسہ کے دینی ماحول، حسن تربیت، اخلاقی پاکیزگی اور علمی معیار کے لیے یہی کہہ دینا کافی ہے۔

بعد ازاں حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں بھی پڑھتے رہے۔ آپؒ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندیؒ، حضرت مولانا سلطان احمد پشاوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ وغیرہم کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

آپؒ نے حدیث کی سند ۱۳۳۵ھ میں محدث وقت حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندیؒ سے حاصل کی۔ 1336ھ میں منڈی صادق گنج ضلع بہاول نگر کے ایک مدرسہ میں بحیثیت صدر

مدرسی تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی مدرسہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے آپؒ سے درجہ علیا کی متعدد کتابیں پڑھیں اور آپؒ کے تلمذ سے مشرف ہوئے۔ تقریباً 4 سال آپؒ نے اساتذہ رائے پور کے حکم سے مدرسہ فیض محمدیؒ جالندھر حدیث کی تعلیم دی۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں جامع خیر المدارس قائم فرمایا جو اس وقت ملک کی بہت بڑی یونیورسٹی کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تربیت السالک ج 2 ص 4 پر فرماتے ہیں کہ: "جامع الخیرات حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہو گیا ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا۔" دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ پاکستان کے علماء واولیاء میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے۔ ایسی جامع علم وعمل ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں"۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے علم کے لیے تو ان کی تالیفات اور درس و تدریس، خیر المدارس کی بنیاد ومناظرے تبلیغ اسلام کے مواعظ، مجلسی گفتگو حاضر وبعید سب کے لیے شاہد عمل ہیں مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے اس لیے اہل علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے پہچان لیتے ہیں ورنہ دوسروں کے لیے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے حضرت جالندھریؒ کی علمی مہارت اہل علم میں معروف ومشہور ہے مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا اس تک ہر اہل علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ "ولی را ولی می شناسد" ایک صحیح قاعدہ ہے۔ باطن میں کیا درجہ ہے اس کو اہل باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں دوسروں کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے حضرت تھانوی قدس سرہ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں ان کا بیعت وتربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب تربیت جمع فرما کر اعلان فرما دیا تھا جو "اشرف السوانح" میں درج ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں

بہت کھینچتا ہے۔" چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت وفوقیت کو انجن کی زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی ان دوشہادتوں کے سامنے اور کسی کی تعریف وستائش پر کتاب کی کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

(مکتوب گرامی بنام احقر بخاری غفرلہ 9 شعبان ۱۳۹۶ھ)

وفات

مدرسہ خیر المدارس اکتالیس سال پورے کر چکا تھا اور ۱۵ر شعبان ۱۳۹۰ھ کو سالانہ امتحان ختم ہو چکے تھے اور مدرسہ تعطیلات کے لیے بند ہو گیا تھا بیرونی طلباء واساتذہ کرام اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے کہ ۲۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ بروز پنج شنبہ استاذ العلماء والصلحاء بانی ومہتمم مدرسہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پر دل کا جان لیوا دورہ پڑا اور آپ اس جہان فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ سینکڑوں علماء اور ہزاروں تلامذہ آپ کی خیر وبرکت اور تعلیم وتربیت سے محروم ہو گئے اور مدرسہ خیر المدارس اپنے بانی اور مربی کی شفقت سے محروم ہو گیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آپ کی وفات کی خبر ملک کے گوشے گوشے میں آگ کی طرح پھیل گئی بہت سے علماء وصلحاء دور دراز سے سفر کر کے نماز جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، لاہور سے مولانا ادریس کاندھلویؒ، خانپور سے مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، اور پشاور سے مولانا شمس الحق افغانیؒ فوراً ملتان پہنچے ایک لاکھ سے زائد عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ مولانا شمس الحق افغانیؒ نے امامت کے فرائض انجام دیے اور اس خیر مجسم ہستی کو مدرسہ خیر المدارس کے ایک احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

مولانا احتشام الحق تھانوی نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ مولانا کی وفات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں علماء سلف کی یادگار تھے اور تمام علماء میں افضل اور قابل احترام تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ نے فرمایا کہ مولانا اسلاف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ مشکل ہی سے پر ہو گا۔ (روزنامہ امروز 24 ر اکتوبر 1970)

مولانا عبدالدیان کیمبل پوریؒ

(وفات: ۱۹۷۱ء)

آپ داماں ضلع کیمبلپور میں مولانا عبداللہ جی صاحب کے گھر ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی پھر دلیہ (چھچھو) کیمبلپور کے ایک مشہور عالم مولانا عفیی الدین صاحب اور بدھوطور کے مشہور منطقی عالم مولانا محمد الدین صاحب سے تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے مدرسہ عبدالرب دہلی میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالعلی تلمیذ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے بھی استفادہ کرتے رہے۔

تدریسی خدمات

فراغت کے بعد وطن واپس آئے اور کچھ عرصہ "داماں" ہی میں تدریس کی' پھر شاہجہان پور میں سات سال تک تفسیر اور حدیث کا درس دیا۔ اسی دوران اپنے ایک مخلص عالم دوست مولانا قاضی غلام جیلانی شمس آبادی کے ایما پر بنگال چلے گئے۔ وہاں بے مثال اصلاحی خدمات انجام دیں دینی مدارس اور مساجد کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور غیر شرعی رسوم کا استیصال کیا گیا' وہاں سے واپسی کے بعد داماں میں مسند درس کو زینت دی۔ آپ اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ طبیعت میں سادگی تھی۔

۱۵/اپریل ۱۹۷۱ء کو رات کے دو بجے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جان اللہ کے سپرد کر دی۔ نماز جنازہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا ظہور الحق صاحب کی امامت میں ایک کثیر تعداد نے ادا کی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

دیو بند‘ سہارنپور اور تھانہ بھون کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں ان نورانی شخصیتوں کا مرکز بنایا تھا جنہوں نے اپنے علم وفضل‘ جہد و عمل‘ ورع وتقویٰ‘ سادگی وانکساری اور خشیت وانابت میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کردی تھی۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ دین اور اس کے احکام کی اتنی جزرسی اور احتیاط کے ساتھ پابندی اس چودھویں صدی میں بھی ممکن ہے‘ اور قرون اولیٰ کی مثالیں آج بھی زندہ کی جاسکتی ہیں۔

لیکن اب علم ودین کے ان مراکز سے فیض پانے والے رفتہ رفتہ کوچ کر رہے ہیں اور کرب انگیز بات یہ ہے کہ جو دولت انہوں نے دیو بند‘ سہارنپور اور تھانہ بھون کے اکابر سے حاصل کی تھی وہ بھی انہی کے ساتھ رخصت ہو رہی ہے۔ ان حضرات کے علم وفضل کے مداح اب بھی بہت ہوں گے‘ ان کے کارناموں سے علمی استفادہ بھی بند نہیں ہوگا لیکن ٹھیٹھ مزاج و مذاق اور اصلاح وعمل کی وہ دولت جو صرف انہی حضرات سے حاصل ہوسکتی تھی اسے حاصل کرنے والے نہ صرف کالعدم ہیں بلکہ اس کی طرف توجہ اور اس کی اہمیت کا احساس بھی مفقود ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ، حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ یہ سب حضرات وہ ہیں جن کے علم یا سیاست خوشہ چین تو کافی ملیں گے‘ لیکن ایسے افراد ڈھونڈے سے بھی ملنے مشکل ہیں جنہوں نے ان کے عملی کمالات کو جذب کیا ہو۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقدس قافلے کے ایک رکن تھے آج وہ بھی ہم سے رخصت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے بھانجے تھے' اور حضرت تھانویؒ نے بیٹے کی طرح ان کی تربیت کی تھی۔ انہوں نے دینی تعلیم کانپور اور مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی تھی جہاں انہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت نصیب ہوئی۔ بعد میں انہوں نے متفرق اوقات میں مظاہر العلوم کے استاذ حدیث' خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی اور مصنف اور مدرسہ عالیہ کے شیخ الحدیث کی حیثیت میں سالہا سال علمی اور تدریسی خدمات انجام دیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے اور انہی کی سرپرستی میں انہوں نے ''اعلاء السنن'' تالیف کی جو علم حدیث میں اس صدی کا شاید سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ یہ کتاب اٹھارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے دو مبسوط مقدمے ''انہاء السکن'' اور ''انجاء الوطن'' اس کے علاوہ ہیں اس کتاب میں تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کی بے نظیر شرح لکھی گئی ہے جس نے اپنی تحقیق' وسعت معلومات اور وقت نظر کے لحاظ سے پورے عالم اسلام سے اپنا لوہا منوایا ہے۔

علم تفسیر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کا بڑا کارنامہ ''احکام القرآن'' ہے۔ یہ کتاب بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ایماء پر چار حضرات نے لکھنی شروع کی تھی۔ پہلی دو جلدیں جو سورہ فاتحہ سے سورہ نساء تک کی تفسیر پر مشتمل ہیں' حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی لکھی ہوئی ہیں۔ بیچ کی دو جلدیں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے لکھی ہیں۔ اور آخری جلد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے۔

علم فقہ میں حضرت موصوفؒ کی عظیم یادگار ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''امداد الاحکام'' ہے۔ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فتویٰ لکھنا چھوڑ دیا تھا تو خانقاہ تھانہ بھون میں آنے والے تمام سوالات کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ ہی لکھا کرتے تھے۔ اس طرح ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا' جس کا انتخاب فرما کر حضرت تھانویؒ نے ہی اسکا نام ''امداد الاحکام'' تجویز فرمایا تھا جسے ''امداد الفتاویٰ'' کا تتمہ کہنا چاہئے۔

یہ علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ میں حضرت مولاناؒ کے صرف تین نمایاں ترین کارناموں کا مختصر تعارف تھا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت موصوفؒ نے مختلف دینی موضوعات پر عربی اور اردو میں دسیوں کتابیں یا مقالات لکھے ہیں لیکن اگر صرف مذکورہ بالا تین کاموں ہی کو دیکھا جائے تو بلاشبہ وہ ایسے کام ہیں جو آج کے دور میں بڑی بڑی اکیڈمیاں سالہا سال کی محنت اور لاکھوں روپے کے خرچ سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ حضرت مولاناؒ نے یہ سارے کام تن تنہا انجام دیئے۔ رحمہ الله رحمۃ واسعۃ

علمی خدمات کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی سیاسی اور اجتماعی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء پر انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ حضرت تھانویؒ نے قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے پاس مختلف علماء کے جو تبلیغی وفود بھیجے ان میں وہ بھی شامل تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہ نے قیام پاکستان کی جدوجہد کے لئے جو جماعت ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے قائم فرمائی تھی ایک عرصہ تک وہ اس کے نائب صدر رہے اور ہندوستان کے طول وعرض میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا۔ سلہٹ کے عوام سے پاکستان میں شمولیت کیلئے جو ریفرنڈم کرایا گیا' اس میں پاکستان کی کامیابی بڑی حد تک دو حضرات کے مرہون منت ہے ایک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانیؒ

مولانا کی انہی خدمات کا اثر تھا کہ جب پاکستان بنا اور اس سرزمین پر پہلی بار پاکستان کا پرچم لہرانے کا وقت آیا تو قائداعظم کی نگاہ انتخاب دو حضرات پر پڑی ایک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جنہوں نے مغربی پاکستان میں یہ جھنڈا لہرایا اور دوسرے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ جن کے ہاتھوں سے مشرقی پاکستان میں یہ پرچم بلند ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد اگرچہ انتخابی سیاست سے موصوف کا کوئی تعلق نہیں رہا' لیکن جب کبھی مسلمانوں کو کوئی اجتماعی ضرورت پیش آئی تو مولاناؒ ان لوگوں میں سرفہرست تھے جن کی طرف سب کی نگاہیں باتفاق اٹھتی تھیں۔

عبادت وتقویٰ میں مولاناؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ جیسے حضرات کی صحبت اٹھائی تھی' ان کی عملی زندگی میں اس

صحبت کا اثر نمایاں تھا۔

آخر وقت تک دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے اور پچاسی سال کی عمر میں ضعف وامراض کے ساتھ بھی نہ صرف پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے بلکہ ظہر وعصر کی نمازوں میں امامت بھی خود فرماتے تھے۔ ضعف وعلالت کے باوجود عبادات کا اہتمام اور وعظ وتذکیر کا جذبہ ہر دم جوان معلوم ہوتا تھا۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کے بقول

آخری بار دار العلوم تشریف لائے تو اساتذہ دار العلوم نے ان سے اجازت حدیث لی' اس وقت کمزوری کا یہ عالم تھا کہ موٹر میں بیٹھنے کے لئے بھی دو آدمیوں کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اسی مجلس میں ''احکام القرآن'' کی تکمیل کے لئے تصنیفی کام شروع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور کہا کہ جب مجھے مرض اور کمزوری کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے تو میں صحیح بخاری کا درس شروع کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے صحت وقوت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا کے ساتھ موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی وہ ان مقدس ہستیوں میں سے تھے جن کا صرف وجود بھی نہ جانے کتنے فتنوں کے لئے آڑ بنا رہتا ہے۔ ان کی وفات پورے عالم اسلام کا سانحہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض سے مستفید ہونے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا افغانی قدس سرہ ایک عرصہ سے اپنے ضعف وعلالت کی بناء پر اپنے آبائی گاؤں ترنگ زئی میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے، لیکن ماضی میں انہوں نے بھرپور علمی اور عملی زندگی گزاری، اور وہ ملک کی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے تھے کہ جب بھی ملک میں کسی علمی اور تحقیقی کام کا تصور آتا تو نگاہیں خود بخود ان کی طرف اٹھتی تھیں۔

حضرت مولانا افغانیؒ نے دار العلوم دیوبند جیسے عظیم دینی ادارے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں پر تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ وہاں شیخ التفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔

۱۹۲۲ء میں ہندوستان میں ہندوؤں کی شدھی تحریک کے زیر اثر فتنہ ارتداد زوروں پر تھا، دار العلوم دیوبند نے اس موقع پر اس فتنے کی روک تھام کیلئے پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے۔ اس تبلیغی وفد کا سربراہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہ کو بنایا گیا۔ حضرت مولاناؒ نے آریہ سماجی تحریک کے خلاف اپنا تبلیغی مرکز آگرہ میں قائم کیا، اور پھر راجپوتانہ کے طول وعرض میں اپنی تبلیغی مہمات کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی موثر جدوجہد کے نتیجے میں بفضلہٖ تعالیٰ ہزاروں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ہزاروں مسلمان جو اپنی جہالت کی بناء پر ارتداد کے دہانے پر کھڑے تھے، انہیں ارتداد کے خطرے سے نجات ملی۔ شدھی تحریک کے رہنما مناظروں سے جان چھڑا کا بھاگنے پر مجبور ہوئے اور جن ہندوؤں کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی ان کی کٹی ہوئی چوٹیوں کے بال سیروں کے حساب سے بطور یادگار دار العلوم دیوبند روانہ کئے گئے۔

حضرت مولاناؒ کی اس کامیاب جدوجہد پر خراج تحسین پیش کرنے کیلئے دار العلوم دیوبند میں ایک جلسہ ہوا جس میں امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور شیخ

الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جیسے بزرگوں نے مولاناؒ کے اس کارنامے پر انہیں داد و تحسین سے نوازا، اور ان کو دلی دُعائیں دیں۔

۱۹۳۹ء میں قلات کی طرف سے آپ کو ریاست قلات میں وزیر معارف (وزیر تعلیم) کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ آپ نے یہ منصب اکابر دارالعلوم کے مشورے پر قبول فرمایا۔ اس زمانے میں قلات کے اندر قضاء شرعی کا نظام نافذ تھا اور یہ نظام وزارت معارف کے تحت کام کرتا تھا، حضرت مولاناؒ نے اس نظام کو فعال بنایا، اور پوری ریاست میں مقدمات کے فیصلے شریعت کے ماتحت ہونے لگے۔ اس نظام کی آخری عدالت مرافعہ خود حضرت مولاناؒ کی عدالت تھی، چنانچہ سالہا سال آپ نے قلات میں قضاء شرعی کا عملی تجربہ فرمایا اور اس دوران اسلامی قوانین اور قضاء شرعی پر متعدد کتابیں تالیف فرمائیں، جن میں ''معین القضاۃ والمفتین'' عربی زبان میں ہے، اور اس نے متعدد عرب ممالک میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں ''شرعی ضابطہ دیوانی'' کے نام سے آپ نے اسلام کے دیوانی قوانین کو دفعات کی صورت میں مرتب فرمایا۔

۱۹۵۵ء میں جب قلات کے اس نظام قضاء کو سیکولر عدالتوں کے تابع کر دیا گیا تو اس وقت آپ ''وزارت معارف'' سے مستعفی ہو گئے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک و ہند میں قضاء شرعی کا جتنا تجربہ مولاناؒ کو تھا، برصغیر میں کسی اور کو نہ تھا۔

غیر منقسم ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بعد دینی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تھا، وہاں بھی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کی برکت سے اصحاب علم و فضل کا جتنا بڑا اجتماع ہوا، دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر کے کسی مدرسے میں نہیں ہوا۔ حضرت مولانا افغانیؒ عرصہ دراز تک وہاں بھی صدر مدرس رہے، اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے کافی عرصہ بعد جب جامعہ عباسیہ کی جگہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مولاناؒ اس میں شعبہ تفسیر کے صدر رہے، اور اس حیثیت میں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ آپ مختلف زمانوں میں کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، لاہور کے مدرسہ قاسم العلوم اور (ٹھٹھہ) کے دارالفیوض الہاشمیہ میں بھی صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے، اور درس کے ذریعے ایک عالم کو سیراب کیا۔ ۱۹۷۷ء میں جب حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کی از سر نو تشکیل کر کے اسلامی قوانین کی تدوین کا کام اس کے سپرد کیا تو ابتداءً علماء دیوبند میں سے

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کو اس کا رکن نامزد کیا تھا' لیکن حضرت بنوریؒ صرف چند مجلسوں ہی میں شامل ہو سکے تھے کہ ان کا وقت موعود آگیا' اور کونسل ان کی خدمات سے محروم ہو گئی۔ ان کی جگہ پر کرنے کیلئے کوئی اسی معیار کی شخصیت ضروری تھی' حضرت مولانا افغانی قدس سرہ اگرچہ اس وقت کافی ضعیف ہو چکے تھے' لیکن ان کے علم اور تجربے کے پیش نظر اس منصب کیلئے انہیں کا انتخاب عمل میں آیا' اور آپ کئی سال کونسل کے رکن کی حیثیت میں خدمات انجام دیتے رہے۔

اگرچہ حضرت مولاناؒ اپنے ضعیف اور علالت کی بناء پر مجلس میں فعال حصہ لینے سے معذور ہو گئے تھے' لیکن علماء کو جہاں کوئی علمی مشکل پیش آتی' ہم حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اکثر و بیشتر گرہ کھل جاتی۔

اس ضعف کے عالم میں بھی مولاناؒ کا علمی استحضار اور آپ کی ہمت عمل ہم جوانوں کیلئے قابل رشک اور سرمہ بصیرت تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ علماء کرام کسی مسئلے کو کتابوں میں تلاش کرنے کی فکر میں تھے اور مطلوبہ کتابیں میسر نہ آ رہی تھیں' مولاناؒ سے مسئلے کا ذکر آیا تو انہوں نے اس طرح اس مسئلے کی تقریر فرما دی جیسے رات مطالعہ کر کے تشریف لائے ہوں۔

علماء دیوبند میں تمام بزرگوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انہوں نے صرف حروف ونقوش کے علم پر کبھی اکتفا نہیں فرمایا' بلکہ تزکیہ نفس کے لئے کسی شیخ کامل سے وابستگی کو ہمیشہ ضروری سمجھا۔ حضرت مولانا افغانی قدس سرہ نے بھی تحصیل علم کے بعد اس غرض کے لئے متعدد مشائخ سے رجوع فرمایا' بالآخر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ سے اجازت حاصل ہوئی۔

قحط الرجال کے اس دور میں جب علم راسخ رکھنے والے حضرات ناپید ہو رہے ہیں' حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کی حیثیت ایک روشن چراغ کی سی تھی' جس کے تصور سے بھی دل کو اطمینان و تسلی کی دولت نصیب ہوتی تھی۔ افسوس کہ یہ چراغ آج گل ہو گیا اور ملت اسلامیہ اپنے ایک عظیم علمی سہارے سے محروم ہو گئی۔ ان کی وفات کسی ایک فرد' یا ایک خاندان کا نہیں' بلکہ پورے ملک' پوری ملت اسلامیہ کا نقصان عظیم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وہ ایمان و یقین کی سرشاری کی کیفیت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے جس کا مشاہدہ اقرباء نے کھلی آنکھوں سے کیا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین! ثم آمین!

مولانا شمس الحق صاحب فرید پوریؒ

مولانا بنگلہ زبان کے بڑے اچھے مصنف تھے۔ بنگال کے عوام کو دینی تعلیمات سے روشناس کرانے کے سلسلے میں ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ''بہشتی زیور'' حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وہ مقبول عام کتاب ہے جس نے لاکھوں بلکہ شاید کروڑوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا' زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس سے متعلق ایک مسلمان کی ضروریات کو اس میں جمع نہ کر دیا گیا ہو' حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ نے اس عظیم الشان کتاب کا بنگلہ ترجمہ کیا ہے جو ان اطراف میں بہت مقبول ہے' اس کے علاوہ حضرت مولانا تھانویؒ کی اور بھی بہت سی تصانیف کو بنگلہ زبان میں منتقل کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔

مولانا شمس الحقؒ اپنے اخلاص' للّٰہیت' مجاہدانہ عزم وعمل اور پرخلوص خدمات کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے' اس کے لئے ان کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں علم دین کے دو بڑے مرکز تھے۔ دار العلوم دیو بند اور مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں سے اکتساب فیض کیا تھا، ان دونوں اداروں میں ان کو اکابر اہل اللہ کی صحبت اٹھانے کا موقع ملا، پھر دار العلوم دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چشمہ فیض سے بھی سیراب ہوئے' جہاں علم کی حقیقت کے ساتھ قلب کو سوز وگداز نصیب ہوا۔

مولاناؒ مشرقی پاکستان کے شہر فرید پور کے رہنے والے تھے آخر وقت تک وطن وہی رہا' لیکن علمی اور تبلیغی خدمات کے لئے ڈھاکہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا' وہیں پر قلعہ لال باغ کے پاس جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی جو ڈھاکہ کے مشہور اور مرکزی دینی

اداروں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ کبھی کبھی چھٹیاں گذارنے کے لئے یا خرابی صحت کی بنا پر اپنے اہل وعیال کے پاس فرید پور چلے جاتے تھے۔ ورنہ مدرسہ کے انتظام کے علاوہ ملک کی دینی اور کسی حد تک سیاسی سرگرمیوں میں موثر حصہ لینے کی وجہ سے سال کے بیشتر اوقات یہیں گذارتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دینی لگن کی وجہ سے انہیں عوام وخواص میں غیر معمولی مقبولیت اور وجاہت عطا فرمائی تھی' وہ چاہتے تو اپنے لئے بہتر کوٹھی بنگلے بنوا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے قیام کے لئے جامعہ قرآنیہ کا ایک ایسا تنگ وتاریک حجرہ منتخب کیا جسے دیکھ کر کن فی الدنیا کانک غریب (دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک پردیسی) کی عملی تفسیر سامنے آجاتی تھی۔

اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ حق گوئی اور بیبا کی ان کی خاص صفت تھی' وقت کے حکمرانوں کے ساتھ ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے' اور عام طور سے وہ ان میں گھلے ملے رہتے تھے' لیکن جہاں کہیں دین کا معاملہ آجاتا اور حدود اللہ میں کوئی رخنہ پڑتا نظر آتا' وہ پوری صفائی' بیباکی اور جرأت وعزیمت کے ساتھ اپنی بات کہنے سے نہ چوکتے۔ اس صاف گوئی کے صلے میں انہیں بعض حکمرانوں کا معتوب بھی بننا پڑا۔ لیکن چونکہ ان کا غم وغصہ اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا' اس لئے عام طور سے حکمران اس کا احساس کرتے تھے کہ ان کی حمایت ومخالفت میں کوئی ذاتی مفاد یا گندی سیاست کا کوئی داعیہ شامل نہیں ہوتا' وہ جو کچھ کہتے ہیں' اللہ کے لئے کہتے ہیں۔ اس احساس کا نتیجہ تھا کہ سینکڑوں معاملات میں حکمرانوں کی مخالفت کے باوجود کوئی ان کے درپے آزار نہیں ہوا۔ اور کسی نے انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھا۔

مولانا نے عمر زیادہ نہیں پائی بمشکل ساٹھ تک پہنچے ہوں گے' لیکن سالہا سال سے مختلف بیماریوں نے انہیں گھیر رکھا تھا' اور ان مسلسل ومتواتر بیماریوں نے انہیں بہت ضعیف بنا دیا تھا۔

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم مولانا کے بارے میں اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں جھٹپٹے کا وقت تھا' میں مولانا کے کمرے میں داخل ہوا تو کچھ دیر کے لئے ششدر رہ گیا۔ یہ مسجد کے ایک گوشے میں ایک نہایت تاریک سا کمرہ تھا' چاروں طرف سے بند بیچ میں ایک پارٹیشن کھڑا تھا' اور اس کے سائے میں ایک چھوٹا سا تخت بچھا ہوا تھا' یہ تخت مولانا کا بستر استراحت تھا' تخت کے نیچے ایک چٹائی پڑی تھی' مولانا اس چٹائی پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے' کھانا کیا تھا ؟ ایک بڑے سے پیالے میں دال اور شوربے کا ملا جلا سالن تنوری روٹی اور بس۔

اس سے قبل مولاناؒ کا خصوصی کمرہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا' ہمیشہ مدرسہ کے دفتر میں ملاقات ہوتی رہی جو بڑا کشادہ اور خاصا باسلیقہ تھا۔ آج پتہ چلا کہ جس شخص نے مدرسہ اور مسجد کی اتنی بڑی اور کشادہ عمارتیں بنوائی ہیں وہ خود اس طرح رہتا ہے؟ میں محوِ حرت تھا کہ اختلاج قلب کا وہ مریض جو صبح وشام دل کے جھٹکے سہہ رہا ہے' اس حجرے میں اس بے سروسامانی کے ساتھ کیسے گزارہ کرسکتا ہے؟ معاً میرے ذہن میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ گونج گئے' **کن فی الدنیا کانک غریب اوما بر سبیل** (دنیا میں ایسے رہو جیسے تم ایک پردیسی ہو یا ایک مسافر)

مولانا مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس وقت بھی طبیعت پر اختلاج کا اثر تھا' لیکن کافی دیر تک بڑے اثر انگریز انداز میں مسلمانوں کے باہمی افتراق کا ذکر کرتے رہے اور اسے ختم کرنے کی کچھ عملی تجاویز بتائیں۔

فرمانے لگے:

''ہم تو چند روز کے مہمان ہیں خدا جانے پھر ملاقات ہوگی یا نہیں' اب آپ کے کام کرنے کا وقت ہے' خدا کے لئے اس افتراق کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے یہ ہماری تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ سلامت رکھے' ان سے میرا اسلام کہئے اور میری طرف سے کہہ دیجئے کہ اتحاد کی جس دعوت کو لیکر وہ چلے ہیں وہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اسے کسی قیمت پر نہ چھوڑیں''۔

اس وقت نہ جانے کیوں بار بار میرے دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ شاید یہ مولاناؒ سے آخری ملاقات ہو' اور بالآخر یہ ملاقات آخری ہی ثابت ہوئی۔ ایک سال بعد پھر ڈھاکہ جانا ہوا لیکن مولاناؒ خرابی صحت کی بنا پر فرید پور میں تھے' ملاقات کی حسرت ہی لیکر واپس آگیا اور اب چند روز پہلے حضرت والد صاحب مدظلہم کی زبانی یہ اضطراب انگیز خبر سن ہی لی کہ مولاناؒ ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے' ان کی بے چین روح مالک حقیقی سے جا ملی اور ان کی

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

علم وفضل کی دنیا میں کبھی کمی نہیں رہی' لیکن اخلاص اور دین کی سچی تڑپ وہ جنس گراں ہے جو کہیں خال خال ہی ملتی ہے۔ اس اعتبار سے مولاناؒ کی وفات ملت کا ایسا نقصان عظیم ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ مولاناؒ پر اپنی رحمتیں نازل فرما کر انہیں دار آخرت کا سکون اور چین نصیب فرمائے۔

(نقوشِ رفتگاں، مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

دارالعلوم دیوبند میں سلف کی آخری یادگار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں داغ مفارقت دیکر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ' بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پوتے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے حکمت دین کی جو معرفت حضرت نانوتوی قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی' اس دور میں حضرت قاری صاحبؒ اس کے تنہا وارث تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج و مذاق میں جذب کر کے انہیں شرح وبسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا' ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس اور تصنیف کے لئے باقاعدہ وقت بہت کم ملا' اور نوعمری ہی میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آ گئیں۔ ان ذمہ داریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عموماً علمی مشاغل سے دور کر کے اس کی علمی استعداد پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں' لیکن حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا معاملہ اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھا۔ انتظامی بکھیڑوں میں مبتلا رہنے کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور ان کی علمی استعداد سدا بہار رہی۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ اور حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی اور زندگی کے ہر مرحلے میں ایک دوسرے کے رفیق رہے' دونوں نے دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھا' ساتھ فارغ ہوئے' ساتھ ہی پڑھانا شروع کیا' دونوں ایک ہی وقت حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور

پھر حضرتؒ کی وفات کے بعد ایک ہی ساتھ تھانہ بھون حاضر ہو کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور تقریباً ساتھ ہی ساتھ دونوں کو حضرت تھانویؒ کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔ ۱۳۴۵ھ میں سب سے پہلا حج بھی دونوں نے ساتھ کیا' غرض ظاہری تعلیم اور باطنی تربیت سے لیکر سیر و تفریح تک ہر چیز میں دونوں کی رفاقت مثالی رفاقت تھی۔

پھر جب قیام پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور آزادی ہند کے طریق کار سے متعلق علماء دیوبند کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو حضرت مفتی اعظمؒ کی طرح حضرت قاری صاحبؒ کا نقطہ نظر بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی رائے کی طرف مائل تھا' لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے آپ کو عملی سیاست سے بالکیہ یکسو کر کے ہمہ تن دار العلوم دیوبند کی خدمت کیلئے وقف کیا ہوا تھا' اس لئے یہ نقطہ نظر اسٹیج پر نہ آسکا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا، اگرچہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت بھی حضرتؒ کی زندگی کا جازو لام بن کر رہ گئی تھی' حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو' لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ تصنیف و تالیف کیلئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی دسیوں تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں' اور ان کے مطالعہ سے دین کی عظمت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جہاں تک وعظ و خطابت کا تعلق ہے' اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایسا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی' بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آجکل ہوا کرتے ہیں' حضرت قاری صاحبؒ کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے' نہ جوش و خروش' نہ فقرے چست کرنے کا انداز' نہ پر تکلف لسانی' نہ لہجہ اور ترنم' نہ خطیبانہ ادائیں' لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر موثر، دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے' مضامین اونچے درجے کے عالمنہ اور عارفانہ' لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہو کر رہ جاتے۔ جوش و خروش نام کو نہ تھا' لیکن الفاظ و معانی کی ایک نہر سبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی' اور قلب و دماغ کو نہال کر دیتی تھی' ایسا معلوم ہوتا کہ منہ

سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں۔ ان کی تقریر میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کے ٹھہراؤ تھا جو انسان کو زیر و زبر کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا' لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی' اور کتنے غلط عقائد و نظریات سے تائب ہوئے۔

لاہور میں ایک صاحب علماء دیوبند کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈے سے بہت متاثر اور علماء دیوبند سے بری طرح برگشتہ تھے' طرح طرح کی بدعات میں مبتلا' بلکہ ان کو کفر و ایمان کا معیار قرار دینے والے' اتفاق سے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے' اور وہاں ایک مسجد میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا' یہ صاحب خود سناتے ہیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ان کے وعظ میں اس نیت سے پہنچا کہ انہیں اعتراضات کا نشانہ بناؤں گا اور موقع ملا تو اس مجلس کو خراب کرنے کی کوشش کروں گا۔

لیکن اول تو ابھی تقریر شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت قاری صاحبؒ کا معصوم اور پرُ نورہ چہرہ دیکھ کر ہی اپنے عزائم میں زلزلہ سا آ گیا، دل نے اندر سے گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی بے ادب' گستاخ یا گمراہ کا نہیں ہو سکتا' پھر جب وعظ شروع ہوا اور اس میں دین کے جو حقائق و معارف سامنے آئے تو پہلی بار اندازہ ہوا کہ علم دین کسے کہتے ہیں؟ یہاں تک کہ تقریر کے اختتام تک میں حضرت قاری صاحبؒ کے آگے موم ہو چکا تھا' میں نے اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی' اور اللہ تعالیٰ نے بزرگان دین کے بارے میں ایسی بدگمانیوں سے نجات عطا فرمائی۔

برصغیر کا تو شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں حضرت قاری صاحبؒ کی آواز نہ پہنچی ہو' اس کے علاوہ افریقہ' یورپ' اور امریکہ تک آپ کے وعظ و ارشاد کے فیوض پھیلے ہوئے ہیں اور ان سے نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا منصب اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی' حضرت قاری صاحبؒ نے پچاس سال سے زائد اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا' اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے' لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا' اور اپنی ساری

زندگی دارالعلوم کی خدمت کیلئے وقف کردی، سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پرسکون ہی دیکھا۔ اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے منتظمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا، دیوبند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا، کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کرسکتا، لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحبؒ کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پرسکون دیکھا، چہرے پر تھکن ضرور تھی، لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی۔

افسوس ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں باہمی اختلافات نے جن طوفانی ہنگاموں کی شکل اختیار کی، انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کردیا، دور ہونے کی وجہ سے ہمیں تمام حالات وواقعات سے واقفیت تو نہ تھی، لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحبؒ پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہوگی؟ اس زمانے کے حالات اس قدر پیچیدہ اور ان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق وناحق کا فیصلہ تو شاید آخرت ہی میں ہوسکے گا، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے چھوٹوں نے ان کی نصف صدی سے زائد کی خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں ان کو دیا ہے، وہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی تک ایک خفیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے، لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کردیا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے دم سے دارالعلوم میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں، اور اس کے مخصوص مزاج ومذاق کی جھلک باقی تھی، اب دارالعلوم کی ان روایات کا اللہ ہی حافظ ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات بلاشبہ پوری امت کیلئے عظیم سانحہ ہے، اور ہم میں سے ہر شخص پر ان کا حق ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق انہیں ایصال ثواب کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازیں۔

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

(ملخص۔ البلاغ جلد ۱۷ شمارہ ۱۱)

مولانا قاضی سعد اللہ صاحبؒ

حضرت مولانا قاضی سعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کو بلوچستان میں بجا طور پر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہ کا جانشین کہا جا سکتا ہے۔

وہ بلوچستان کے ان جلیل القدر علماء میں سے تھے جن کو حضرت مولانا افغانیؒ نے اپنی وزارت معارف کے زمانے میں قضاء شرعی کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ انہوں نے عرصہ دراز تک حضرت مولانا افغانیؒ کی نگرانی میں قضاء کی خدمت انجام دی' یہاں تک کہ آپ کا شمار قلات کے نظام قضاء میں وہاں کے قابل ترین قاضیوں میں ہونے لگا' اور بالآخران کو قلات کی ''مجلس شوریٰ'' کا رکن نامزد کیا گیا' جو وہاں کی عدالت اپیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا محمد تقی عثمانی اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب مرحوم سے غائبانہ تعارف سب سے پہلے اس وقت ہوا جب برادر مکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم نے اپنے ایک دورہ بلوچستان کے دوران مستونگ میں قاضی صاحب سے ملاقات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ میں نے وہاں ان کے تحریر کردہ بعض فیصلے دیکھے' اور اس بات پر بہت مسرت ہوئی کہ بحمد اللہ ابھی قضاء شرعی کے جاننے والے ملک میں موجود ہیں۔

اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سے قاضی صاحبؒ کا تذکرہ آیا تو انہوں نے بھی قاضی صاحبؒ کی پختہ علمی استعداد' فقہی نظر اور قضاء شرعی کے کام میں ان کی مہارت کی تعریف فرمائی۔ میں اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن تھا' اس لئے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ حضرات کونسل کے کام میں ان سے بھی مشورہ اور تعاون

لیا کریں تو بہتر ہے۔ چنانچہ احقر کی درخواست پر انہیں ایک مرتبہ کونسل کے اجلاس میں خصوصی طور پر بحیثیت مشیر مدعو کیا گیا۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ اس اجلاس کے دوران میری درخواست پر انہوں نے قیام دارالعلوم ہی میں فرمایا اور اس طرح ان سے تبادلہ خیال اور استفادہ کا خوب موقع ملا۔

قاضی سعید اللہ صاحبؒ بھی بحمد اللہ ایمان و یقین کی بہترین حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین!

مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحبؒ

گزشتہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں کراچی کے معروف وممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ریگ سر لائن (چاکی واڑہ) کراچی میں حضرت مولانا کریم بخش صاحبؒ نے مدرسہ احرار الاسلام کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی' حضرت مولانا مفتی محمد عثمان صاحب بلوچ رحمۃ اللہ علیہ انہی کے فرزند ارجمند تھے جو اپنے علم وتقویٰ اور دینی وعلمی خدمات کے اعتبار سے کراچی کے گنے چنے علماء میں سے تھے۔ اکثر وبیشتر حضرت والد صاحب قدس سرہ سے مختلف فقہی مسائل میں تبادلہ خیال کا سلسلہ رہتا تھا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ ان کی فقہی رائے کو بہت وزن دیتے تھے' اور ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ آج کل حال یہ ہو گیا ہے کہ جب علماء سے ملاقات ہوتی ہے تو اکثر ہر طرح کے موضوعات زیر گفتگو آتے ہیں۔ لیکن عام طور سے کوئی علمی مسئلہ گفتگو میں نہیں آتا' لیکن جب بھی حضرت مولانا مفتی محمد عثمان صاحب بلوچ سے ملاقات ہوتی ہے تو خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ اس ملاقات میں کوئی نہ کوئی علمی گفتگو ضرور نکلے گی۔

اپنے والد ماجدؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد عثمان بلوچ صاحب قدس سرہ نے مدرسہ احرار اسلام کا انتظام سنبھالا اور اسے ترقی دی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحبؒ حضرت مولانا محمد عثمان بلوچ صاحبؒ کے بھانجے تھے اور انکی وفات کے بعد مدرسہ احرار الاسلام کے مہتمم مقرر ہوئے۔ یہ پورا خانوادہ علمی اور دینی خدمات میں ممتاز و معروف تھا اور حضرت مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحبؒ اپنی ان خاندانی روایات کے سچے امین تھے۔ متین اور باوقار شخصیت' وجیہہ اور قد آور سراپا' ادا ادا سے حلم وبردباری نمایاں اور علم وفضل کے

آثار روشن!۔

لیاری کے علاقے میں اس خاندان اور خاص طور پر حضرت مولانا محمد عمر بلوچ صاحب قدس سرہ کی دینی جدوجہد کے آثار نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہ حضرات ہمیشہ شور وشغب اور پبلسٹی کے ذرائع سے بے نیاز ہوکر خاموشی اور سادگی کے ساتھ دین کی مخلصانہ خدمت میں مصروف رہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ اس علاقے میں ان کی خدمت کے بڑے اثرات ہیں اور لوگوں کو ان سے بے شمار دینی فوائد پہنچے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عمر بلوچ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم اور اس کے خدام کے ساتھ بھی بڑا مشفقانہ تعلق تھا۔ افسوس ہے کہ راقم الحروف اعتکاف میں ہونے کی بناء پر ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرسکا۔

قحط الرجال کے اس دور میں ایسی مغتنم ہستیوں کی جدائی ملک وملت کے لئے بڑا حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اور اس کے بھی آخری عشرے میں اپنے پاس بلایا اور وہ رمضان کے پچیسویں شب جوان کی زندگی کی آخری رات تھی' تمام رات عبادت میں گزار کر اپنے خالق و مالک سے ملے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنے مقام قرب میں درجات عالیہ سے نوازے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے' آمین!

(ملخص از البلاغ جلد ۱۹ شمارہ ۹)

مولانا محمد ابراہیم سلیم پوریؒ

آپ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ماضی کی ایک اور شمع فروزاں بجھ گئی عظیم دینی اور علمی شخصیت کی وفات حسرت آیات کا المناک حادثہ......!

میاں چنوں، ضلع ملتان (موجودہ ضلع خانیوال) کے معمر اور عظیم ترین بزرگ پیر طریقت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ہو گیا ہے مولانا نہ صرف اس علاقہ ہی کی بزرگ شخصیت تھے بلکہ اس وقت مغربی پاکستان کے گنے چنے باقیات السلف میں سے تھے۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوریؒ جیسے اس صدی کے اوائل کی بزرگ ترین نفوس سے اکتساب فیض کیا اور دینی علوم حاصل کئے تھے، خود نہایت متقی، پرہیزگار اور عالم باعمل تھے۔ بے شمار افراد نے آپ سے استفادہ کیا اور تربیت حاصل کی مولانا تمام دینی اور سیاسی تحریکات میں پیش پیش تھے اور تحریک خلافت سے تحریک ختم نبوت تک برابر حصہ لیتے رہے حتی کہ ان تحریکات کے سلسلہ میں دار و رسن کی منزلیں بھی طے فرمائیں۔ آپ کا وجود دینی حلقوں کے لئے نہایت غنیمت تھا آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے۔ جس کا پر ہونا نہایت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے، مولانا کی جدائی ملت اسلامیہ کا مشترکہ غم ہے۔

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے، حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ کی خدمت میں سالہا سال آتے رہے اور پھر ہمارے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی اور حضرت مدنیؒ سے بھی بیعت ہوئے اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں بھی جاتے رہے لیکن خود لکھتے ہیں کہ اجازت کسی کی طرف سے

نہیں ہوئی۔ سنا ہے کہ بعد میں حضرت اقدس نے اجازت فرمادی تھی۔ بزرگ ہیں، عالم باعمل ہیں اگر مولانا بیعت ارشاد بھی فرمائیں تو ہزاروں کو فیضان ہو، مخلصین میں سے ہیں۔ رائے کوٹ میں میں نے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، میں نے دوڑ کر مصافحہ کیا تو حضرت مولانا ابراہیم صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کار میں بیٹھے دیکھا، اگر میرا خواب صحیح ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہی ہے تو بڑی بشارت ہے۔

حضرت مولانا حافظ قاری سید حامد میاں صاحب "ایک جلیل القدر ہستی کی رحلت" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب (میاں چنوں) نور اللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات نہایت ہی زیادہ افسوس و قلق کا مقام ہے کہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ہجرت کے بعد سے میاں چنوں میں قیام پذیر تھے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی ذات گرامی جن صفات عالیہ کی حامل تھی ان میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کو حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے براہ راست فیض یاب ہونے کا شرف حاصل تھا آپ کی وفات ہمارے لئے اس جلیل القدر نشانی کا فقدان ہے اللہ تعالے آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام نصیب فرمائے، ہم آپ کے جملہ پس ماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ نسبی ہوں یا علمی یا روحانی۔

(اکابر علماء دیوبند)

حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ

(وفات: ۱۹۷۴ء)

آپ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مولانا فتح محمد کے گھر وہوا ضلع ڈیرہ غازیخان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم فارسی وعربی درسیات اپنے والد سے پڑھیں تیرہ سال کی عمر میں مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف میں داخلہ لیا۔ تین سال تک یہاں تعلیم پائی پھر مدرسہ نعمانیہ منتقل ہوئے اور شیخ الحدیث مولانا غلام محمد تلمیذ مولانا سیف الرحمٰن کابلی سے دورہ حدیث پڑھ کر 1348ھ مطابق 1928ء میں سند فراغ حاصل کی۔ دوسرے اساتذہ میں مولانا محمد دین بڈھویؒ، مولانا فقیر محمد، مولانا گوہر علی قیصرانی اور عبدالسلام سکندر پوری شامل ہیں۔ دورحدیث کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورۂ تفسیر قرآن میں شامل ہوئے اور 1349ھ میں تفسیر کا امتحان دیا پھر حضرت لاہوریؒ کے حکم پر پسرور میں سکونت اختیار کی اور انجمن تبلیغ الاسلام قائم کر کے دینی وتبلیغی سرگرمیوں کو منظم کیا۔

اس کے بعد کئی سال تک مدرسہ حنفیہ قادریہ تعلیم القرآن کے ذریعے تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ سیاسی طور پر مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے۔ آپ نے 1940ء کی تحریک کشمیر میں عملی حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور ایک سال قید رہے۔

بعدازاں آپ نے تنظیم اہل سنت والجماعت کے پلیٹ فارم سے مسلک اہلسنت کی تبلیغ وشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ پھر گرفتار ہوئے اور دس ماہ پس دیوار زنداں رہے۔ آخر میں جمعیت علماء اسلام سے وابستہ ہوئے اور ملکی وملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ آپ حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور انہی کے مسلک ومشرب پر قائم رہے۔ آپ نے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا اور متعدد کتابیں لکھیں جن میں ”سوانح حیات امام حسینؓ، انوار صحابہؓ، فضائل صحابہؓ، مسائل قربانی، بدعات ورسومات، سوانح امام حسینؓ ارشادات خاتم الانبیاء اور خلفائے ثلاثہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کی آپس میں رشتہ داریاں قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

استاذ المناظرین والمبلغین

علامہ دوست محمد قریشیؒ

(وفات: ۲۶ رمئی ۱۹۷۴ء)

لو کانت الدنیا تدوم لواحد
لکان رسول اللّٰہ فیھا مخلد

۱۹۶۹ء سے قبل صحت بالکل تندرست رہی البتہ ۱۹۶۹ میں دوران سفر تبلیغ فالج کا حملہ ہوا مگر الحمدللہ ثم الحمدللہ مکمل طور پر اس مرض سے صحت یاب ہوگئے۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں حصہ لیا صوبہ سندھ میں بمقام جروار مناظرہ کے لئے بھی تشریف لے گئے تبلیغی مصروفیت حسب سابق شروع ہوگئی۔ لیکن اس کے باوجود مختلف ادویات وقتاً فوقتاً زیر استعمال رہتیں۔

۲۴ مئی بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد نقشبندی کوٹ ادو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا شام کو راقم الحروف (محمد عمر قریشی) کو ساتھ لے گئے بعد نماز عشاء بمقام چوک قریشی مسجد (میاں تاج محمد صاحب قریشیؒ) میں خطاب فرمایا صبح ملتان تنظیم اہل السنۃ کے ماہانہ اجلاس میں تشریف لے گئے۔

راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ کچھ وقت ملک امیر بخش صاحب کھوکھر (جو کہ داخل سلسلہ تھا) کے مکان (نزد ریلوے اسٹیشن ملتان) پر آرام فرمایا پھر ملک صاحب کے ہمراہ حسین آگاہی ایک مخصوص دکان پر لے جا کر فرمایا ملک صاحب محمد عمر کو کھیر کھلاؤ۔ اس دن غیر معمولی محبت و پیار تھا۔

آپ نے سفر پر جانا تھا مجھے کوٹ ادو کے لئے روانہ کیا تو خلاف معمول کئی مرتبہ گلے سے لگایا...... بوسے لئے...... خود رکشہ روکا سوار کر کے الوداع فرمایا۔

مجھے معلوم نہ تھا آج میری ابو سے آخری ملاقات ہے...... میں یتیم ہونے والا ہوں...... میرے سر سے سایہ پدری اٹھنے والا ہے...... کل میں والد کی شفقت کے لئے ترستا رہوں گا...... لوگ میرے سر پر ہاتھ رکھیں گے...... پیار کریں گے...... محبت وشفقت کریں گے...... مگر یتیم سمجھ کر

مجھے علم نہ تھا کہ میری بیوہ ماؤں یتیم بہنوں کا مجھے کفیل ہونا ہے...... ورنہ زندگی کے باقی دودن میں ابو کو اکیلے نہ چھوڑتا...... کبھی اکیلا نہ چھوڑتا...... اور نہ ہی میرے والد کو یہ خبر تھی کہ میرے معصوم بیٹے کے سر پر اتنا بڑا بوجھ آنے والا ہے...... کل میرے معصوم بیٹے میری دستار و پگڑی سر پر باندھنی ہے...... نہیں نہیں اوروں نے اس کے سر پر باندھنی ہے۔

یقین جانیئے...... اگر ان کو علم ہوتا مجھے یقین ہے وہ مجھے ساتھ لے جاتے...... مجھے اکیلا نہ چھوڑتے...... کیونکہ اکلوتا بیٹا ہونے کے سبب ان کے مستقبل کی امیدیں میرے ساتھ وابستہ تھیں ...... ان کو بھی مجھ سے اتنی محبت تھیں جتنی کسی اور شفیق باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔

قلم تو چاہتی ہے کہ کچھ اور درد دل بھی زیب قرطاس کروں مگر سوچتا ہوں کہیں اصل مقصود تک نہ پہنچ سکوں اس لئے اس پر اکتفا کرتا ہوں۔

بھرحال آپ بھکر کی طرف تشریف لے گئے۔

۲۶ مئی ۱۹۷۴ء بروز اتوار بستی ملانوالی تحصیل وضلع بھکر میں بعد نماز ظہر خطاب فرمایا۔ شام کو بھکر اسٹیشن پر پہنچے۔ ارادہ تھا کہ فخر سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ محمد عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ ملتان میں زیر علاج تھے اور آپریشن ہونا تھا) کی خدمت ملتان حاضری دیجائے۔

عشاء کی نماز ریلوے اسٹیشن بھکر کی مسجد میں ادا فرمائی مرید ومتعلقین حاضر خدمت تھے۔ آپ ان سے وعظ ونصائح ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک عزیز نے بجلی کا بلب بجھا دیا۔

حضرتؒ نے فرمایا میاں ہوسکتا ہے یہ چہرے پھر ایک دوسرے کو نہ دیکھیں بجلی جلنے دو یہاں تک کہ گاڑی کا ٹائم ہوگیا ملتان کا ٹکٹ لیکر پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔

احباب نے سونے کے لئے برتھ پر جگہ بنائی گاڑی بالکل جانے کے لئے تیار تھی کہ فرمایا سامان اتارلو دل میں کچھ تکلیف محسوس ہورہی ہے۔

سامان اتارلیا گیا ساتھ ہی ریلوے ہسپتال کے ڈاکٹر صاحب کو بلایا اس کے پاس مطلوبہ دوائی نہ تھی طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو آپ نے نیچے کپڑے پر بیٹھ کر سب کو توبہ کا گواہ بنایا

......با آواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد فرمانے لگے۔

چارپائی پر اٹھا کر سول ہسپتال بھکر لے جایا گیا حضرت چارپائی پر آیۃ الکرسی پڑھتے گئے۔ سول ہسپتال کے ڈاکٹر صاحب نے جس وقت دیکھا تو نوشتہ تقدیر سناتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا اور کہنے لگا آج تک ایسا شخص نہیں دیکھا روح پرواز کر چکی ہے مگر چہرہ کی تر و تازگی سے موت کا وہم تک نہیں ہوتا۔

از سر بالیں من برخیز اے ناداں طبیب
کہ درد مند عشق راد دارو بجز دیدار نیست

پھر کیا تھا ہر شخص عالم حیرانگی میں دم بخود تھا

کچھ دوستوں نے ہمت کی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دار الھدیٰ بھکر امیر جمعیت علماء اسلام صوبہ پنجاب۔ ہمدرد قوم جناب حافظ ممتاز علی صاحب مرحوم مدیر جامعہ رشیدیہ بھکر۔ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد رمضان صاحبؒ فاضل دیوبند مدیر جامع العلوم عیدگاہ شمالی بھکر کو اطلاع دی۔

ان حضرات کی سعی سے دوسرے ٹائم آنے والی گاڑی کے ذریعہ آپ کے جسد خاکی کو کوٹ ادو لایا گیا۔

ہمیں بذریعہ فون جامعہ مظاہر العلوم کوٹ ادو سے پہلی اطلاع دی گئی۔ ہمارا کیا حال تھا ضبط تحریر میں نہیں لاسکتا یہ کیفیت وہی جانتا ہے جو کہ......

کوٹ ادو کے اہل دل مسلمانوں نے ساری رات جاگ کر گزار دی...... بازار بند تھے ......مرد عورت بوڑھے جوان غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

اتنے میں ۲۷ مئی بروز پیر ۱۹۷۴ء صبح گاڑی کوٹ ادو اسٹیشن پر پہنچی سینکڑوں معتقدین پہلے سے موجود تھے کل جو شخصیت خود چل کر لوگوں کو گلے ملتی تھی مسکراتے ہوئے چہرہ سے آنے والے احباب سے خیر و عافیت دریافت کرتی تھی آج اسے کندھوں پر اٹھانے کی سعادت حاصل کرنے کیلئے ہر ایک کوشاں نظر آتا تھا۔

وجود مسعود کو گھر لایا گیا غسل دینے کے بعد عام دیدار کے لئے مدرسہ فرقانیہ کے کمرہ

میں انتظام کیا گیا۔

امام اہل السنۃ سید نور الحسن شاہ صاحب بخاریؒ سرمایہ اہل السنۃ علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ دروازہ پر کھڑے آنے والے علماء فقراء طلباء غرض ہر طبقہ کے افراد سے تعزیتی پیغام وصول کر رہے تھے۔ شیخ کی موت کی خبر نا معلوم کس ہاتف غیبی کے ذریعے پورے ملک میں پہنچ گئی اور شام پانچ بجے ریڈیو پاکستان نے بھی خبر نشر کر دی۔

ہر علاقہ کے مریدین شاگرد معتقدین دھاڑیں مارتے ہوئے مسجد نقشبندی میں داخل ہو رہے تھے...... ہر طرف غم ہی غم تھا۔

بالآخر بعد نماز ظہر جنازہ اٹھایا گیا تو مسجد کا محراب اپنے خطیب کی جدائی پر...... مدرسہ اپنے باکمال مدرس کے صدمہ پر...... خانقاہ اپنے سجادہ نشین کے فراق پر رو رہے تھے۔

اجتماع زیادہ ہونے کے سبب بڑے بڑے لمبے بانس چارپائی کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے تاکہ لوگ کندھا دینے کی سعادت حاصل کر سکیں شہر کی تمام مساجد سے شیخ کی روانگی کے اعلانات ہو رہے تھے۔

شہر مکمل طور پر سوگ میں بند تھا ریل گاڑی بسیں غرض ہر قسمی ٹریفک جام تھی مکانات اور دکانوں کی چھتوں پر مستورات باپردہ ہو کر اپنے روحانی باپ کا سفر آخرت دیکھ رہی تھیں۔

ٹھیک چار بج کر پانچ منٹ پر گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ ادو کے گراؤنڈ میں ہزاروں فرزندان توحید نے امام اہل السنۃ استاذ المناظرین حضرت العلامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ ہائی سکول کے وسیع وعریض پلاٹ کچھا کچھ بھرے ہوئے تھے۔

بعدازاں آہوں سسکیوں کے ساتھ نقشبندی جامع کے قریب ذاتی پلاٹ میں اپنی والدہ ماجدہؒ اور برادر عزیز مولانا فیض محمد صاحب کے پہلو میں ہزاروں بھٹکے ہوئے لوگوں کے رہنما...... ہزاروں تلامذہ کے استاذ کل...... ہزاروں سالکین طریقت کے مرشد کامل...... درجنوں یتیموں بیواؤں کے سہارا...... ہزاروں علماء کے مرجع...... اور سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے ترجمان کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بزم تھی ساقی تھا مے خانہ تھا
خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مولانا مفتی فاروق احمدؒ بہاولپوری

(وفات: ۱۹۷۵ء)

آپ 1301ھ کو انبیٹھ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد صدیق احمد دارالعلوم دیوبند اور متحدہ ہندوستان کے مشہور علماء و مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

تعلیم

آپ نے شروع سے لے کر آخر تک تمام درسی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ علم حدیث کی تکمیل حضرت مولانا احمد حسن امروہی سے کی۔

پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۲۵ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دوبارہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے ہم جماعت تھے۔ علم طب کی تحصیل حکیم حافظ اجمل خان کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید خان سے کی۔ کچھ عرصہ کامیاب مطب بھی کیا مگر جب یہ تدریس میں حائل ہوا تو اسے چھوڑ کر آپ تدریس میں مشغول ہوگئے۔

تدریسی خدمات

۱۵ر فروری ۱۹۱۵ء کو بہاولپور آئے اور تدریس کا آغاز کیا' آپ اس کے ساتھ انسپکٹر مدارس دینیات کے منصب پر بھی کام کرتے رہے۔

۱۹۲۵ء میں جب جامعہ عباسیہ کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ اور آپ "شیخ الحدیث" کے منصب پر فائز ہوئے اور 1943ء میں دارالعلوم دیوبند میں بطور صدر مفتی آپ کا تقرر ہوا اور 1948ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد پھر بہاولپور آ

گئے اور تعلیمی خدمات میں لگ گئے۔ اس دوران مدرسہ فقیر والی اور اشرف العلوم رحیم یار خان میں پڑھاتے رہے۔ 1959ء میں مکان کی چھت گرنے سے جب آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے مستقل طور پر بہاولپور میں قیام کا فیصلہ کیا۔

تصنیفی خدمات

تدریس میں مشغولیت اس قدر تھی کہ جامعہ کے بعد گھر پہ بھی بیسیوں طلبہ کو مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے' اس کے باوجود آپ کی تصنیفی خدمات قابل قدر ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی اسناد کو ایک نقشے کی صورت میں مرتب کیا جسے اہل علم نے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور بڑی بڑی درس گاہوں نے اپنے یہاں کے فارغ التحصیل علماء کو بطور انعام تقسیم کیا۔

قوت المغتذی علی جامع الترمذی (العسقلانی والعینی) یہ بخاری شریف پر تحقیقی کام ہے ان کے علاوہ آپ کی بہت سی کتابیں غیر مطبوع آپ کی اولاد کے ہاں محفوظ ہیں۔

وصال

آخری وقت زبان تلاوت اور ذکر اللہ سے تر رہتی تھی۔ 27 رمضان 1395ھ بوقت 11 بجے دن آپ کا وصال ہوا' اور اسی دن بعد از نماز عشاء نماز جنازہ میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور اللہ کے سپرد کر دیا۔

آپ کی اولاد میں دو فرزند مولانا عثمان احمد اور مولانا محمد احمد اور چار دختران ہیں۔ مولانا عثمان احمد نے جامعہ پنجاب سے مولوی فاضل اور جامعہ عباسیہ سے علامہ کی سند حاصل کیں اور اب چھاؤنی ہائی سکول بہاولپور میں اُستاذ ہیں۔ اُن سے چھوٹے مولانا محمد احمد 1925ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ درسیات زیادہ تر اپنے والد صاحب سے پڑھیں مولوی فاضل، میٹرک اور علامہ کی سندات حاصل کیں۔ 1942ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچے داخلہ لیا اور دورۂ حدیث شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

1948ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تدریس پہ مامور ہوئے اور پھر جب یہ جامعہ اسلامیہ میں تبدیل ہوئی تو آپ نے اس میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اب تک پڑھا رہے ہیں۔ آپ تبلیغی جماعت سے متعلق ہیں اور بیرون ملک بھی تبلیغی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

مولانا سید محمد میاں دیو بندیؒ

(وفات: اکتوبر ۱۹۷۵ء)

مولانا سید محمد میاں دیو بندی 12 رجب 1321ھ مطابق 6 اکتوبر 1903ء کو دیو بند کے محلّہ سرائے پیرزادگان میں سید منظور محمد مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ تاریخی نام مظفر میاں ہے۔ 1916ء کے قریب دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور 1343ھ مطابق 1925ء میں فراغت ہوئی آپ کا شمار قطب الارشاد حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الحدیث علامہ سید انور شاہ کشمیری، شیخ الادب والفقہ مولانا محمد اعزاز علی امروہوی اور جامع المعقول والمنقول علامہ محمد ابراہیم بلیاوی کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اُنھوں نے شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی کے مشورہ سے 1926ء میں مدرسہ حنفیہ شاہ آباد میں تدریس کا آغاز کیا اور تین سال وہاں قیام کرنے کے بعد مدرسہ سے اس لیے دل برداشتہ ہو گئے کہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی اور یہ بات دار العلوم دیو بند کے اصول کے خلاف تھی لہٰذا آپ نے مدرسہ حنفیہ چھوڑ دیا۔

حسنِ اتفاق کہ مارچ 1928ء میں جامع قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں ایک مدرس کی ضرورت پڑی تو دار العلوم دیو بند کے اکابرین مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیو بندی اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی دیو بندی کی سفارش پر کتب حدیث پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بعد میں دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث اور جمعیت علمائے ہند کے صدر بھی رہے۔

جب سائمن کمیشن ہندوستان پہنچ کر ناکام چلا گیا تو سات سال کی خاموشی کے بعد 1929ء کو مختلف تحریکوں نے جنم لینا شروع کیا۔ اسی وقت ولبھ بھائی پٹیل اور گاندھی نے تحریک شروع کی تھی، لہٰذا یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو اب کیا کرنا چاہیے چنانچہ اس سوال پر غور کرنے کیلئے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی خاطر امروہہ ضلع مراد آباد میں جمعیت علماء ہند نے اپنا سالانہ

اجلاس علامہ شاہ معین اجمیری کی صدارت میں طلب کیا۔ مسلمانوں میں ایک جماعت وہ تھی جو تحریک آزادی میں شرکت سے پہلے ہندو مسلم معاہدے کو ضروری سمجھتی تھی لیکن دوسری جماعت جن کی سربراہ جمعیت علمائے ہند تھی اس کا یقین یہ تھا کہ جدوجہد آزادی ایسا فرض ہے جو دوسرے برادران وطن سے زیادہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے برادران وطن اس کو صرف سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے کہ برطانیہ کے سیاسی اقتدار بلکہ اس کی سیاسی جبروت کے دور میں کسی متفقہ معاہدہ کا تصور جوئے شیر کے تصور سے کم نہیں رہے۔ چنانچہ جیسے ہی 1929ء میں جمعیت علماء ہند نے امروہہ میں اجلاس کا اعلان کیا تو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے دوسری جماعت جمعیت علماء اسلام کے نام سے کھڑی کردی اور انھوں نے بھی ان ہی تاریخوں میں اپنی جمعیت کا اجلاس بلالیا۔

جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا احمد سعید دہلوی جیسی نابغہ روزگار شخصیتوں نے شرکت کی، مولانا سید محمد میاں جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ اس کے رکن نہیں تھے لیکن بہرحال انہیں بحیثیت مبصر شرکت کا موقع ملا۔ اس موقع پر ان کے ساتھ ان کے خلف اکبر و جانشین محدث کبیر مولانا سید حامد میاں بھی موجود تھے۔

صاحبزادہ مولانا سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور وخلیفہ ارشد شیخ مدنی و جانشین مولانا سید محمد میاں کہتے ہیں:

''جمعیت علماء ہند کے ارکان میں سے حضرت سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تقاریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ سید ندوی کی تقریر تاریخی اور سیاسی نوعیت کی تھی اور حضرت مدنی نے مذہبی حیثیت سے روشنی ڈالی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اس تجویز کے محرک تھے۔ آخر میں ان کی تقریر بھی ہوئی مگر وہ اس وقت اتنے اونچے درجے کے مقرر نہ تھے رات کو جلسہ عام ہوا جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہی معلوم ہوتا تھا کہ آگ کے شعلوں کی بارش ہورہی ہے کچھ پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی بہرحال میں جذباتی لحاظ سے اس تقریر سے متاثر ہوا اجلاس ختم ہوا تو میں مراد آباد واپس

ہوا اور حضرت مدنی بھی مراد آباد تشریف لائے۔ میں نے چاہا کہ اجلاس کی ہماہمی کے علاوہ سکون اور اطمینان کی صورت میں حضرت شیخ سے استصواب کروں چنانچہ احقر نے تنہائی میں حضرت سے عرض کیا کہ کیا مجھے تحریک آزادی میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں؟ مولانا مدنی کا جواب لامحالہ اثبات میں تھا۔ حضرت کے ارشاد کے بعد احقر کو پوری طرح انشراح ہوگیا چنانچہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی کا دست و بازو بن کر تحریک میں کام شروع کیا۔ چند روز میں پورے مراد آباد پر تحریک چھا گئی اور صوبہ سرحد کے بعد صرف مراد آباد ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ یہاں کانگریس پر مسلمان چھائے ہوئے تھے 1930ء میں مراد آبادی کے الیکشن میں جو ٹاؤن ہال میں ہو رہا تھا پولیس نے مجمع پر گولی چلائی۔ لاٹھی چارج کے بعد گھوڑے دوڑا دیے۔ والد مولانا سید محمد میاں اسی میدان میں تھے اور آخر تک وہیں رہے۔ خدا کی حفاظت تھی کہ عجیب وغریب طرح گھوڑوں کی ٹاپوں اور فائرنگ کی گولیوں سے بچے رہے۔

مولانا سید محمد میاں ۱۹۳۲ء کو گرفتار ہوئے رہائی کے بعد مراد آباد میں کرایہ پر مکان لیا اور سب اہل خانہ کو دیوبند سے بلا لیا۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ غیر متعلق کتابیں بھی خوب یاد ہوتی تھیں۔

جیل خانہ یا عبادت خانے

1928ء سے 1944ء تک مولانا سید محمد میاں چار مرتبہ مراد آباد سے اور ایک مرتبہ دہلی سے گرفتار ہوئے۔ سولہ سپارے مختلف جیلوں میں حفظ کیے۔ ۱۸/اگست ۱۹۴۲ء کو کوئٹ انڈیا (ہندوستان چھوڑ دو) تحریک شروع ہوئی اس میں گ رفتار شدگان اکابرین علماء دیوبند تمام مراد آباد جیل میں جمع ہوگئے حضرت مدنی حسن پور ضلع مراد آباد میں ایک تقریر کی وجہ سے پہلے ہی گرفتار کر لیے تھے اور 18 اگست کو جب کوئٹ انڈیا کی تجویز پاس کی گئی تو اسی رات امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس، جواہر لال نہرو اور دوسرے ورکنگ کمیٹی کے ممبر گرفتار کر لیے گے۔ اس کے بعد مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی بھی گرفتار ہوگئے اور اکتوبر میں مولانا محمد میاں گرفتار ہو کر اسی جیل میں پہنچ گئے۔ مولانا سید محمد میاں کے ذمہ دہلی سے ہندوستان کے مشرقی کونہ تک اس قرارداد کو پہنچانا تھا۔

مولانا محمد میاں نے اگرچہ خاصا کام کر لیا تھا تاہم مجاہد ملت کی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ اور گرفتاری سے بچتے اُنھیں کام کی اس قدر دھن تھی کہ باوجود کہ مولانا سید محمد میاں ان سے عمر

میں بڑے اور جمعیت علماء ہند کے ذمہ دار تھے ان کو یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ان کے علاوہ حافظ محمد ابراہیم، قاری محمد عبداللہ تھانوی بھی اسی جیل میں تھے۔ چند روز بعد رمضان المبارک آ گیا تو جیل خانہ کی پارک تراویح گاہ بن گئی۔ حضرت شیخ مدنی تراویح پڑھاتے اور مولانا قاری محمد عبداللہ تھانوی سماعت کیا کرتے تھے وہاں شیخ مدنی نے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ایک ہفتہ بعد شیخ مدنی کو مراد آباد سے نینی جیل الہ آباد منتقل کر دیا گیا۔ یہ اکابر جن کے لیے جیل خانہ ایک عبادت گاہ اور درس گاہ بن گیا تھا حضرت مدنی کی مفارقت پر تڑپتے رہ گے۔ جنوری 1943ء کو مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی اور مولانا سید محمد میاں کو بھی بریلی سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا۔ مولانا میاں ابھی جیل میں ہی تھے کہ ان کے والد بھی فوت ہو گئے۔ 7 مئی 1945ء کو جمعیت علماء ہند کا اجلاس سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کو ناظم اعلیٰ اور مولانا سید محمد میاں کو ناظم چنا گیا۔اس کے بعد مولانا محمد میاں نے 1948ء میں کرایہ پر مکان لے کر اہل خانہ کو مراد آبادی سے دہلی بلالیا اور مستقل طور پر دہلی رہنے لگے۔

جولائی 1955ء میں مولانا عبدالحق مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی وفات کے بعد سے مولانا سید محمد میاں کو مہتمم مقرر کیا گیا جسے آپ نے آخری وقت تک نبھایا۔آپ نے وہاں لب دریا ایک وسیع جگہ لے کر ادارہ حفظ الرحمٰن قائم کیا جہاں صاحبزادہ سید محمد مدنی کام کررہے ہیں۔مجاہد ملت کی وفات کے بعد آپ عہدہ سے کنارہ کش ہو گئے ادارہ مباحث الفقیہ کے رئیس اور اوقاف جمعیت کے چیئرمین تھے دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن تھے۔ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی تھے۔

تصنیفی خدمات اور وفات

نصاب رسائل دینیہ، تاریخ اسلام، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، جمعیت علماء ہند کیا ہے؟ مختصر تذکرہ خدمات جمعیت علماء ہند، اسلام کے اقتصادی اور سیاسی مسائل، صحابہ کرام کا عہد زریں، سیرت مبارکہ، شواہد تقدس، تحریک شیخ الہند کا ایک باب یعنی اسیران مالٹا، ترجمہ نور الایضاح مشکوٰۃ الآثار، علماء کا شاندار ماضی۔آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔

عالم اسلام کا یہ بطل جلیل، مورخ بے بدل 16 شوال 1395ھ مطابق 24 اکتوبر 1975ء شام ساڑھے چھ بجے ایمان کی سرشاری کی حالت میں دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ

مولانا قاری بشارت علی صاحب کی روایت ہے کہ

''مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں دلاور کے رہنے والے تھے' دیوبند کے ممتاز فضلا میں سے تھے' محقق عالم اور بہترین مصنف تھے، ''سیرۃ کبریٰ'' ''ائمہ تلبیس'' ''عماوالدین'' ''شمائل کبریٰ'' ''بیس رکعت تراویح'' وغیرہ ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

سیرۃ کبریٰ اور شمائل کبریٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی نہایت تحقیقی کتابیں ہیں۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ وصال کی رات عشاء کی نماز جامع مسجد ہ ست گھرہ انارکلی لاہور میں باجماعت اورکی اور جاتے وقت تھوڑی دیر تک میرے اور مولانا قاری فضل ربی صاحب کے ساتھ مسائل دینی پہ بات کرتے رہے' مسجد سے جاتے وقت فرمانے لگے کہ ''اچھا اب صبح ملاقات ہوگی'' تہجد کی نماز کے لیے اُٹھنے کا معمول تھا مگر اس صبح نہیں اُٹھے' صبح کے نماز کے لیے بھی نہیں اُٹھ سکے لوگوں نے دروازہ توڑ کر مکان کے اندر جا کے یہ دیکھا کہ مولانا کُرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نماز جنازہ نیلا گنبد کے سامنے کے میدان میں ادا کی گئی' اور پھر انہیں' دلاور میں لے جایا گیا' اور وہیں تدفین ہوئی۔

آپ کے کوئی اولاد نہ تھی' وفات کے وقت ان کے عمر 90 سال کے قریب ہوگی۔

آپ کی تصنیف کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''حضرت مولانا ابوالقاسم دلاوری رحمہ اللہ ایک بالغ نظر عالم' پختہ قلم ادیب اور بلند پایہ مصنف تھے' حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے تلمذ تھا' اور صحافتی زندگی کی ابتداء

انہوں نے دارالعلوم دیوبند رسالہ القاسم کی ادارت سے کی تھی، اس کے بعد جب تک جان وتن کا رشتہ باقی رہا انہوں نے خامہ وقرطاس سے رشتہ استوار رکھا، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں بہت صاف قلب، طاقتور قلم، شستہ زبان اور شگفتہ اسلوب بیان عطا فرمایا تھا۔ ''عماد الدین' سیرت کبریٰ' عثمان ذوالنورین' آئمہ تلبیس'' ایسی بلند پایہ کتابیں اُن کے قلم سے نکلیں۔ زیر نظر کتاب ''رئیس قادیاں'' بھی ان کے معرکے کی کتاب ہے، جس میں نہ صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے صحیح حالات درج ہیں بلکہ اس دور کی بے شمار دینی و ادبی اور تاریخی معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، کہ انہوں نے قادیانی فتنہ کے موجد کے صحیح اور مستند حالات آئندہ نسلوں کے لیے مرتب کر دیئے، یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، مجلس تحفظ ختم نبوت نے اشاعتی مقاصد کے پیش نظر شائع کیا ہے''۔

علم وروحانیت کے آفتاب وماہتاب، سید العارفین، امام المفسرین

الشیخ حضرت خواجہ محمد عبداللہ بہلویؒ

(وفات: یکم جنوری ۱۹۷۹ء)

حضرت اقدس الشیخ مولانا محمد عبداللہ بہلوی جلال پور پیروالا ضلع ملتان کی ایک گم نام بستی ''بہلی'' میں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ میں پیدا ہوئے، والد محترم کا نام حضرت مولانا محمد مسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا والدین کی برسہا برس کی تمناؤں، آرزوؤں اور دعاؤں کے بعد یہ نومولود رمضان کی برکتوں کا حصہ بن کر والدہ کی گود میں آیا۔ والد محترم پہلے سے منت مان چکے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تو اسے عالمِ دین بناؤں گا، اس لئے اکثر یہ دعا فرماتے: ''یا اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا کہ میں اس کو منبر نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر چڑھ کر وعظ کرتا دیکھوں۔''

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں مولانا قادر بخش شاہؒ، مولانا غلام محمدؒ بستی ملکانی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا غلام رسول پونٹویؒ، حضرت مولانا محمد عظیم صاحبؒ بستی دوآبہ مظفر گڑھ سے حاصل کی بعد مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور علومِ نبویہ کی تکمیل فرمائی۔ حضرت کے حدیث کے اساتذہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد تحصیل لودھراں بستی نکے آرائیں میں تکمیل کے اسباق حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ سے ۱۳۳۴ھ میں مکمل فرمائے۔

تفسیر قرآن کریم میں فیض حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں اور شیخ التفسیر حضرت

مولانا احمد علی لاہوریؒ سے حاصل فرمایا۔ ان اولیاء وعلماء کاملین کی تعلیم وتربیت میں رہ کر حضرت بہلویؒ نے اپنے اندر کمالِ علم کے ساتھ کمالِ تقویٰ بھی حاصل کر لیا اور اپنے اکابر کے طرز کے مطابق تدریس وتبلیغ دین میں مشغول ہو گئے اور ساتھ ہی اصلاحِ باطن کی طرف توجہ فرمائی چنانچہ آپ نے اولاً اپنے استاذ حضرت مولانا محمد امیر دامانیؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا۔ راہِ خدا کے اس طالب کو خدا طلبی میں انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کا سامنا ہر سالک وطالب کو کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی اضطراب میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور شیخ ومرشد حضرت مولانا فضل الٰہی قریشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک کے درجات حاصل فرمائے اور اجازت پائی۔ دورانِ تدریس حضرت کے اپنے ایک تلمیذ کی وساطت سے حضرت مولانا امیر علی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ تک رسائی حاصل فرمائی اور ان سے کسبِ فیض کرتے ہوئے اجازت پائی۔

حضرت شیخ نے راہِ خدا کے اس کٹھن سفر میں تھک ہار کر بیٹھ جانے کی بجائے مسلسل محنت وکاوش کو جاری رکھا چنانچہ دو سال مسلسل کوئٹہ کے قریب بستی چشمہ کے مشہور شیخ حضرت مولانا محمد عمر چشمویؒ کی خدمت میں جاتے رہے اس سفر میں حضرت کو دونوں مرتبہ گرفتار بھی رکھا گیا۔ دوسری حاضری جو رہائی کے بعد ہوئی کے موقع پر حضرت نے بھی اپنے سلاسل میں حضرت بہلویؒ کو اجازت مرحمت فرمائی۔

اسی دوران حضرت بہلویؒ کو تصوف کا کوئی عقدہ پیش آیا اس کے حل کے لئے حضرتؒ نے حضرتِ اقدس مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حل چاہا تو حضرت مولانا حسین علیؒ نے حکم فرمایا پہلے ہم سے تفسیر قرآن کریم پڑھو۔ حضرتؒ اب تک جلالین وغیرہ تفسیر کی کتابیں پڑھا چکے تھے حضرتؒ کے تعمیل ارشاد میں وہاں رہ کر دورۂ تفسیر پڑھا اور پھر حضرت نے سلاسل میں اجازت کے ساتھ تفسیر قرآن کریم میں تدریس کی بھی اجازت بخشی۔

حضرت بہلویؒ اپنے مشائخ کے مسلک ومشرب کے امین اور ترجمان تھے۔ حضرت مولانا حسین علیؒ سے تفسیر قرآن کریم کا ذوق حضرت میں منتقل ہوا۔ چنانچہ توحید کی اشاعت اور سنت کی ترویج میں آپ اپنے شیخ کے ہم مثل اور ان کے پرتو تھے، آپ کو سنت سے بے حد محبت اور شرک وبدعت سے بے حد نفرت تھی آپ اپنے مریدین اور تلامذہ میں بھی یہی ذوق پیدا فرماتے۔

حضرت بہلویؒ نے زندگی بھر اپنے شیخ حضرت مولانا حسین علیؒ کے طرز پر تفسیر قرآن

کریم پڑھائی۔ آپ کی خدمت میں ہر سال سینکڑوں طالبینِ قرآن حاضر ہو کر تفسیر پڑھتے، ان طالبین قرآن میں بیشتر علماء و مدرسین ہوتے جو حضرت سے تفسیر کی علمی اور عملی ذوق لینے کے لئے دور دراز کا سفر فرماتے۔ توحید سے بے حد محبت اور بدعت سے سخت نفرت کے باوجود آپ جادۂ مستقیم سے کبھی نہیں ہٹے۔ شرک و بدعت کی رَد میں آپ نے اکابر و اسلاف کی قرآنی راہ کو ترک نہیں فرمایا۔

کسی کی تردید کرتے ہوئے راہِ اعتدال کو نہ چھوڑنا سب سے مشکل کام ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو یہ مقام نصیب فرمایا تھا جبکہ آپ کے بعض معاصرین جو حضرت مولانا حسین علیؒ کے تلامذہ میں سے تھے شرک و بدعت کی رد میں اپنے اکابر و اسلاف کی راہ کو چھوڑ کر نیا مسلک قائم کر بیٹھے اور اعتدال پہ قائم نہ رہ سکے۔ حضرت بہلویؒ کو اس سے سخت صدمہ ہوا، چنانچہ حضرتؒ نے ان لوگوں کی تردید میں ''القول النقی فی حیات النبی'' کے نام سے مستقل رسالہ لکھا۔

حضرت بہلویؒ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں بھی تشریف لے گئے اور ان سے تفسیر قرآن پڑھی۔ حضرت لاہوریؒ آپ کو امروٹ شریف سندھ، حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت امروٹیؒ نے آپ پر بے حد توجہات فرمائیں۔ شفقت اور اعزاز سے نوازا۔

حضرت بہلوی کی بہادری

خانقاہ امروٹ کے قریب انگریز نے نہر کھودوائی، حضرت کی خانقاہ کی مسجد نہر کے رُخ میں آرہی تھی۔ حضرت امروٹیؒ نے نہر کا رُخ بدلنے کا کہا لیکن انگریز نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت امروٹیؒ نے فرمایا: ہم جانیں قربان کر دیں گے لیکن مسجد کو شہید نہ ہونے دیں گے۔ حضرت نے جانثاری اور قربانی کے لئے مریدین سے نام مانگے تو دوسرے نمبر پر نام حضرت بہلویؒ نے پیش فرمایا۔ تاہم انگریز نے مجبور ہو کر نہر کا رُخ موڑ لیا۔

حضرت بہلویؒ کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے اساطینِ اُمت میں سے ہر ایک سے کسبِ فیض فرمایا۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھی متعلق رہے۔

علمی کمالات

شریعت وطریقت کی اس جامع شخصیت نے زندگی بھر تقریری تحریری دینی، علمی، عملی خدمات سرانجام دیں، زندگی بھر قال اللہ وقال الرسول پڑھانے کے ساتھ قال اللہ وقال الرسول کو لوگوں کے دلوں میں اُتارا...... کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے، آپ کی تدریس کا عرصہ ۳۳ سال اور درس تفسیر کا عرصہ اس سے بھی زیادہ ہے، آپ کی تصنیفات میں نمایاں قرآن کریم کی تفسیر ''تفسیر بہلوی'' ہے۔ جس کا کچھ حصہ تو طبع ہوگیا ہے تاہم نصف قرآن سے زائد حصہ کی طباعت حضرت کے خاندان کے ذمہ اُمت کا علمی قرض ہے۔

علم حدیث کی خدمت میں آپ کی تصنیف ''مستدلات الفقۃ الحنفیہ'' کو ایک عرصہ تک وفاق المدارس العربیہ نے نصاب درسِ نظامی میں شامل رکھا، آپ کے دیگر چند رسائل درج ذیل ہیں:

(۱) اشاعت التوحید (۲) خیر الاذکار (۳) سیرۃ النبی کی اجمالی سیر (۴) القول الحق فی حیاۃ النبیؐ (۵) شجرہ طیبہ (۶) وسیلہ رفیعہ (۷) قوانین تعلیم وتربیت طلباء (۸) فوائد قرآن (۹) القول الوجیز (۱۰) آداب الدعاء

آپ کی جملہ رسائل کی تعداد تقریباً ۴۲ ہے۔ یہ سب رسائل جانشین شہید اسلام حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری شہید نے تسہیل کے ساتھ معارف بہلوی کے نام سے 4 جلدوں میں ترتیب دیے تھے، جو کراچی سے چھپ گئے ہیں۔

حضرت کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ عربیہ اشرف العلوم اور اس کے موجودہ مہتمم پیر طریقت حضرت مولانا عزیز احمد بہلوی مدظلہ حضرت کی عظیم یادگار ہیں۔

مرض وفات

آپ کو شوگر کا عارضہ تھا، بیماری کی شدت ہونے پر نشتر ہسپتال لے جایا گیا۔ فرمایا یہ جگہ ٹھیک نہیں، دم گھٹتا ہے۔ پھر سی ایم ایچ لے جایا گیا۔ فرمایا یہ قدرے بہتر ہے مگر دل کو قرار نہیں گھر لے چلو۔ چنانچہ آپ کو واپس لایا گیا۔ نشتر کے ڈاکٹر غلام یٰسین سی ایم ایچ کے سینئر ڈاکٹر آفتاب احمد ڈاکٹر ہمدانی حکیم حبیب احمد کہروڑپکا والے ڈاکٹر محمد صدیق شجاع آباد کے سینئر ڈاکٹر تھے،

حضرتؒ کا علاج گھر میں ہی شروع کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ حالت یہ تھی کہ بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے لیکن حکم کرتے نماز کے لئے مسجد لے چلو، ساتھی کہتے حضرت کیسے لے چلیں، یہ حال۔ فرمایا یہ بیماری نہیں نفس کا چکر اور دھوکہ ہے جو مسجد نہیں جانے دیتا۔ چھوٹے بچوں کو بلوا کر قرآن کی تلاوت سنتے۔ جو بھی عیادت کے لئے آتا حال پوچھتا، فرماتے خیر ہے۔ کبھی اپنی تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا کرتے جو بھی آتا مصافحہ کرتا دل کی کیفیت بدل جاتی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آخری ایام میں بولنا بند ہو گیا مگر دل سے اللہ اللہ کی آواز دائیں بائیں بیٹھے افراد صاف سنتے۔

وفات حسرت آیات

آپ کی وفات منگل شب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ یکم جنوری ۱۹۷۹ء رات نو بج کر بیس منٹ پر ہوئی لیکن تمام ڈاکٹرز اور حکماء جو موقع پر موجود تھے تصدیق نہیں کر سکے۔ ڈاکٹر نبضیں چیک کرتے تو کہتے کہ حضرت کی روح مبارک پرواز کر چکی ہے اور جب دل کی دھڑکن سنتے تو حیران رہ جاتے، اس لئے آپ کی وفات کی تصدیق میں تردد ہوا۔ آخر جب جسم مبارک میں ٹھنڈک محسوس کی تو کہا کہ حضرتؒ کی روح مبارک پرواز کر چکی ہے۔ لیکن دل کی دھڑکن لحد تک جاری رہی۔ منگل صبح کی نماز کے بعد آپ کو غسل دیا گیا جس میں سید پیر بھاون شاہ اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحیؒ، آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا عزیز احمد، آپ کے بھانجے مولانا عبدالحمیدؒ، آپ کے نواسے حکیم محمد قاسمؒ شامل تھے، جنہوں نے دل کی دھڑکن اس وقت بھی محسوس کی۔ غسل کے بعد میت مبارک کو زیارت کے لئے مہمان خانہ میں رکھا گیا، داخلی خارجی راستے بنائے گئے۔ زیارت کے لئے آنے والوں میں اس وقت کی شہرہ آفاق شخصیات شامل تھیں۔ بعد نماز ظہر زیارت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا جگہ کی قلت اور افراد کی کثرت کی وجہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ قریب ریلوے پھاٹک ایک بہت بڑا خالی پلاٹ ہے وہاں نماز جنازہ ادا کی جائے، چنانچہ وہاں لے جایا گیا، وہاں جانے میں بہت وقت لگا۔ ریلوے پھاٹک سے گزرنے میں تین گھنٹے لگے۔ نماز جنازہ اس وقت کی عظیم شخصیت محدث جلیل، حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے پڑھائی، اور رو رو کر فرمایا: کہاں جاؤ! دل رو رہا ہے، ہر بات بتلانے کی نہیں ہوتی لیکن میرا

روحانی تعلق بھی شیخ بہلویؒ سے تھا۔ جنازہ میں اس وقت کی مشاہیر شخصیات، علماء، مشائخ، قراء جن کی ایک طویل ترین فہرست ہے شریک ہوئے۔

حضرت درخواستیؒ کا خواب

حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے رات کو خواب دیکھا کہ دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہے۔ صبح فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت بہلویؒ کی وفات ہوگئی ہے۔ کچھ دیر کے بعد اطلاع بھی پہنچ گئی کہ حضرت کی وفات ہوگئی ہے۔ سنتے ہی فوراً شجاع آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ بعد نمازِ عصر نمازِ جنازہ پڑھائی گئی۔ تدفین آپ کے گلشن مدرسہ اشرف العلوم کی مسجد کے متصل جنوبی جانب ہوئی۔

مولانا فضل اللہ شاہ مونگیریؒ

(وفات: مئی ۱۹۷۹ء)

۲۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ ۲۳ ر مئی ۱۹۷۹ء کو علی گڑھ میں ایک باخدا عالم مولانا شاہ فضل اللہ صاحب کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم...... حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ بانی دار العلوم ندوۃ العلماء کے پوتے تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کا اکتساب اپنے جد امجد کے زیر تربیت کیا، ایک عرصہ تک ''جامعہ عثمانیہ'' حیدر آباد میں مولانا مناظر احسن گیلانی کے رفیق اور ان کے بعد صدارت شعبہ اسلامیات میں ان کے جانشین ہوئے۔ موصوف کا اہم علمی کارنامہ امام بخاریؒ کی مشہور کتاب ''الادب المفرد'' کی مبسوط شرح ہے جو ''فضل اللہ الصمد'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ شاہ صاحب کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ ان کی چار صاحبزادیاں ہیں، دو علی گڑھ میں ہیں اور دو کراچی میں۔ ان کی ایک صاحبزادی نے غزواتِ نبویؐ پر اور دوسری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ مرحوم کی عمر ستر سے متجاوز تھی اور وہ علم و فضل اور مجد و شرافت میں اپنے اکابر کا نمونہ تھے۔ حق تعالیٰ شانہ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں عباد صالحین کے زمرہ میں شامل فرما کر عنایاتِ خاصہ کا مورد بنائے۔

نواسۂ شیخ الہندؒ مولانا انعام کریمؒ

(وفات: ۱۹۷۹ء)

۱۳؍رجب ۱۳۹۹ھ مطابق 8؍جون 1979ء کو حضرت مولانا انعام کریم مہاجر مدنی مدینہ طیبہ میں واصل رحمت ہوئے۔ مرحوم، حضرت اقدس شیخ الہندؒ کے نواسے تھے۔ تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی۔ بعدازاں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور حضرت مدنی کے برادر اکبر مولانا سید احمد کے قائم کردہ "مدرسہ علوم شرعیہ" سے منسلک ہو گئے۔ ابتدائی دور میں مشکلات اور عسر کا بڑے صبر و شکر کے ساتھ مقابلہ کیا، اخیر عمر میں حق تعالیٰ نے بہت راحت و آرام میسر فرما دیا تھا، کچھ عرصہ سے مدرسہ علوم شرعیہ کے مکتبہ کے مدیر تھے، وہیں مدرسہ کے کمروں ہی میں قیام تھا۔ مرحوم نہایت خاموش طبع اور معمولات کے پابند تھے۔

حسن صورت، حسن سیرت، حسن لباس، اور حسن ذوق میں ممتاز تھے، حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔ ہمارے حضرت (مولانا محمد یوسف بنوری) رحمہ اللہ سے عقیدت و محبت کا خصوصی تعلق تھا۔ حضرت بنوریؒ مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے تو قیام اکثر دوسری جگہ ہوتا تھا لیکن بعد عصر مولانا مرحوم کے کمرے میں (جو حرم نبوی کے بالکل قریب تھا) تشریف لے جاتے۔ اکثر شام کی چائے وہاں ہوتی۔ مولانا مرحوم نے بڑے قابل رشک انداز میں زندگی گذاری۔ عمر ستر کے قریب تھی۔ کبرسنی کا ضعف اور کچھ گھٹنوں کی تکلیف ضرور تھی۔ مگر عام صحت بڑی اچھی تھی۔ 8؍جون کو حسب معمول نماز مغرب کے بعد حرم نبوی سے اپنی قیام گاہ پر واپس آئے اچانک دل کا دورہ ہوا اور جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، صبح کو بعد از نماز فجر جنت البقیع میں سلا دیے گئے جوان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی، حق تعالیٰ آغوش رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور مغفرت و رضوان سے مشرف فرمائے۔ آمین

مولانا اسعد اللہؒ

(وفات: ۱۹۷۹ء)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ اور مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے سابق ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ طویل علالت کے بعد 14 ر رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ر جون ۱۹۷۹ء جان بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم کے ساتھ مظاہر علوم کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ وابستہ ہے' موصوف حضرت مولانا عبد اللطیف رحمہ اللہ کے وصال کے بعد مدرسہ کے انتظامی امور بھی آپ کے سپرد تھے۔ مولانا کی جوانی کا ابتدائی دور عجیب بانکپن میں گزرا۔ مگر حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کے بعد کایا پلٹ گئی اور صوفی صافی عارف و مرشد بن گئے۔ مولانا کو فرق باطلہ کے رد اور مباحثہ و مناظرہ کا بھی خاص ذوق تھا۔ انہوں نے آریوں قادیانیوں اور دیگر گمراہوں کے ساتھ بڑے کامیاب مناظرے کئے اور اپنے حریفوں کو شکست دی۔ شعر وسخن اور ادب وانشاء سے بھی مولانا کو خصوصی شغف تھا۔ اردو فارسی' عربی تینوں زبانوں میں وہ برجستہ اور فی البدیہہ شعر کہا کرتے تھے۔ مزاج میں مزاح وانبساط بھی خوب تھا۔ وہ طلبہ کو لطیفے اور چٹکلے بھی خوب سنایا کرتے تھے۔ حضرت مرحوم طویل عرصے سے صاحب فراش چلے آ رہے تھے' سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے مگر تعلق مع اللہ کا یہ عالم تھا کہ خادم آپ کو اٹھا کر لاتا اور جماعت کی صف میں کھڑا کر دیتا۔ حضرت مرحوم پوری نماز قیام وقعود اور رکوع وسجود کے ساتھ ادا فرماتے۔ اور سلام پھیرتے ہی پھر دوسرے کے اٹھانے کے محتاج ہوتے۔ آخر تک آپ کا یہ معمول برقرار رہا تا آنکہ وقتِ اجل آ پہنچا اور آپ ایمان ویقین کی قابلِ رشک حالت میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

حضرت مولانا سید زوار حسین نقشبندیؒ

(وفات: ۱۹۸۰ء)

۲۳ ررمضان المبارک ۱۴۰۰ھ (1980ء) کو حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب نے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مولانا مرحوم رافضی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کا میلان فطری طور پر سنت کی طرف تھا۔ والدہ کے انتقال کے بعد مولانا اپنی ہمشیرہ کے گھر رہنے لگے۔ ان کے شوہر صحیح العقیدہ تھے۔ ان کی صحبت نے ان کے فطری میلان کو جلا بخشی' پھر اسی زمانہ میں انہوں نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں رفض وسنت کے درمیان فرق واختلاف دریافت کیا گیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس کا مفصل جواب تحریر فرمایا اور حضرت کا یہ گرامی نامہ مولانا کے لئے سرمہ چشم بصیرت ثابت ہوا۔ شبہات کا غبار چھٹ گیا اور قلب و نظر سنت کے نور سے منور ہو گئے۔

مولانا نے سرکاری اسکولوں کے ابتدائی درجات طے کر کے جے وی اور ایس وی کیا اور سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ اس کے بعد منشی فاضل کا امتحان دیا اور اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کر لی۔ اسی امتحان سے انہیں عربی کا شوق پیدا ہوا اور دہلی میں مختلف حضرات سے عربی پڑھتے رہے۔ اور آخر میں مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے فقہ وحدیث کی تکمیل کی۔ حضرت مفتی اعظم کی صحبت سے ان میں فقہ کا ذوق پیدا ہوا۔ دینی مسائل پر بڑی محنت سے بار بار غور کرتے اور جس مسئلہ میں ذرا بھی اشتباہ ہوا؟ اہل علم سے رجوع کرتے۔ ہمارے حضرت مفتی ولی حسن خان ٹونکی سے خاص تعلق تھا۔ مفتی صاحب کے پاس اکثر تشریف لاتے اور مسائل پر تبادلہ افکار کرتے۔ حضرت مفتی اعظم کی صحبت' ان کی اپنی محنت وریاضت اور اہل علم سے بار بار علمی مذاکرہ اور فقہی کتابوں کے بکثرت مطالعہ نے ان میں اچھا خاصہ فقہی ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ خط بڑا پاکیزہ تھا و

تحریر صاف اور سلیس۔ ایک عرصہ سے ''عمدۃ الفقہ'' کے نام سے فقہ کا ایک مجموعہ مرتب فرما رہے تھے جسے اردو میں فقہ کا دائرۃ المعارف کہنا چاہئے۔ اس کی تین جلدیں کتاب الایمان اور کتاب الطہارۃ کتاب الصوم اور کتاب الزکوٰۃ کئی سال ہوئے شائع ہوئی تھیں۔ اس سلسلہ کی آخری جلد کتاب الحج ابھی چند مہینے پہلے شائع ہوئی تھی۔ عمدۃ الفقہ کی طوالت کے پیش نظر اس کی تلخیص ''زبدۃ الفقہ'' کے نام سے مرتب فرمائی اس کی غالباً دو جلدیں شائع تھیں۔

مولانا مرحوم نقشبندی' مجددی سلسلہ کے شیخ تھے۔ خواجہ محمد سعید (خلیفہ خواجہ فضل علی قریشی نقشبندی) سے بیعت و مجاز تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ نے اسباق پورے کرانے کے بعد حضرت خواجہ فضل علی شاہ صاحب کی خدمت میں انہیں پیش کیا۔ اور حضرت شیخ کے ارشاد پر خواجہ محمد سعید نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

فقہ کے ساتھ ساتھ مولانا مرحوم کو سلسلہ مجددیہ کے فیوض و افادات کی اشاعت کا شوق تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ پر ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی جس میں حضرت کے حالات اور سوانح اور ان کے خلفاء کے تذکرہ کے علاوہ تعلیمات مجددیہ کو بڑی تفصیل سے قلمبند فرمایا۔ حضرت مجدد کے چند رسائل بھی ترجمہ کے ساتھ سلوک و تصوف پر عمدۃ السلوک کے نام سے ایک کتاب لکھی اور ایک کتاب میں اپنے سلسلہ کے مشائخ کے سوانح قلمبند فرمائے۔

مولانا مرحوم بلند قامت' خضر صورت' حسین و جمیل تھے۔ سرگیں آنکھوں سے حیا ٹپکتی تھی' ہمیشہ عمامہ زیب سر ہوتا، بہت ہی خلیق' متواضع اور نظر بر قدم تھے افسوس ہے کہ ایسی صفات کے آدمی دنیا سے رخصت تو ہوتے لیکن پیدا کم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ' مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مراتب عالیہ عطا فرمائے اور ان کے اعزہ و اقارب اور متوسلین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

(ماہنامہ بینات، شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ء)

مناظر اسلام مولانا محمد حیاتؒ

(وفات: ۱۹۸۰ء)

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ اگست 1980 کو مناظر اسلام حضرت الاستاذ مولانا محمد حیات (فاتح قادیاں) واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا مرحوم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اس قافلہ حریت کے رکن رکین تھے جس نے انگریزی طاغوت سے ٹکر لی اور اپنی تمام طاقتیں وصلاحیتیں انگریز اور اس کے گماشتوں سے اسلام کی مدافعت میں صرف کر ڈالیں۔ ''مجلس احرار اسلام'' کے ماتحت جب سارقین نبوت کے تعاقب وسرکوبی کے لئے شعبہ تبلیغ کا اجرا ہوا تو مولانا مرحوم کو اس کا نگران تجویز کیا گیا اور قادیان کا مشن ان کے سپرد ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد جب مجلس تحفظ ختم نبوت کی تاسیس ہوئی تو مولانا مرحوم کی خدمات اس کے لئے وقف ہوگئیں اور تادم آخر وقف رہیں۔ اس طرح ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ اعلاء کلمۃ اللہ اسلام کی دعوت وتبلیغ اور ختم نبوت کی پاسبانی میں گزری۔

حضرت مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان کی ایک بڑی خوبی زہد وقناعت کی وہ درویشانہ صفت تھی جو خاصانِ حق ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ عیش وتنعم سے گویا انہیں طبعی نفرت تھی۔ دنیا کی نمود ونمائش، ساز وسامان اور جاہ ومال سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لباس و خوراک جو انسان کی ناگزیر ضرورت ہے اس میں بھی مولانا مرحوم کا معیار ایسا تھا کہ اچھے اچھے زاہد وعابد بھی اس کو مشکل سے قائم رکھ سکتے ہیں۔ اہل نظر کی نگاہ میں ان کی یہ خوبی ان کے دیگر کمالات واوصاف میں سب سے زیادہ لائق رشک اور پرکشش تھی۔

مولانا مرحوم آغاز جوانی سے جس محنت وریاضت اور مشقت ومجاہدہ کے خوگر ہو گئے تھے

آخر عمر تک اس میں فرق نہیں آیا۔ پیرانہ سالی میں بھی کسل اور راحت طلبی سے کوسوں دور تھے لیکن ان کے عزم و ہمت کا شباب آخر وقت تک قائم رہا مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے فرق باطلہ کی تردید اور ان سے بحث و مناظرہ کا خاص ذوق اور بہت ہی اچھا سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ وہ بہت صبر و تحمل، حلم و وقار اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ فریق مخالف کے شبہات کا ایسا تسلی بخش اور مسکت جواب دیتے کہ منصف کو تسلیم و اقرار کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور مکابر و معاند خجلت و ندامت کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ ان کی پوری زندگی میں بحمد اللہ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں مناظرے میں شکست ہوئی ہو بلکہ وہ ہر میدان میں بفضل خداوندی مظفر و منصور رہے۔ مناظروں میں عموماً شیخی و تعلّی اور حریف کی دل آزاری کے الفاظ نکل جاتے ہیں اور حریف کی کج روی پر غصہ اور برافروختگی تو ایک معمولی بات ہے لیکن مولانا کی گفتگو شیخی و تعلّی خودنمائی و خودنگری سب و شتم دل آزاری و دریدہ دہنی اور غصہ و برافروختگی کے عیوب سے قطعاً پاک ہوتی تھی۔ اسی طرح مولانا کے مناظروں میں طنز و تشنیع اور فقرہ بازی کا بھی گزر نہیں تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے خوب ناپ تول کر پوری متانت و سنجیدگی سے کہتے تھے۔ یوں تو انہوں نے مختلف فرقوں سے مناظرے کیے لیکن قادیانیت ان کا خاص موضوع تھا اور وہ اس میں متخصص تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کے ہاتھ پر ان میں سے بہت لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی اور بہت سے پھسلتے ہوؤں کو اسلام پر قرار و ثبات نصیب ہوا۔ مرحوم قادیانی لٹریچر کے گویا حافظ تھے اور صفحوں کے صفحے انہیں ازبر تھے۔ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ قادیانیوں نے صرف ایک مسئلہ سیکھا ہے اور وہ ہے وفات مسیح اور مجھے بھی بس یہی ایک مسئلہ آتا ہے اس موضوع پر ان کی گفتگو اس فرقہ باطلہ کے بڑوں بڑوں سے ہوئی اور بحمد اللہ کامیابی مولانا مرحوم کا مزاج بن گئی تھی۔ ایک کثرت مطالعہ، انہیں جب دیکھو کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ اور وہ اگر تنہا ہوں تو اس کے مطالعہ میں منہمک دیکھا گیا۔ ضعف بصر کا عارضہ بھی انکے اس شوق کے راستے میں حائل نہ ہو سکا اور جب تک ان کی صحت کتاب اٹھانے کی متحمل رہی ان کا مطالعہ نہیں چھوٹا۔ ان کے پاس اپنی ذاتی کتابیں تھیں جو ان ہی کی طرح سال خوردہ تھیں۔ وہ ہی مولانا کی کل کائنات تھیں اور وہ انہیں جان سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔ دوسری بات جس کا ان پر حال کے درجہ میں غلبہ تھا' وہ افادہ کی شان تھی جو شخص بھی ان کے پاس آ کر بیٹھے قادیانیت کے موضوع پر اس کے سامنے گفتگو شروع کر دیتے تھے' گویا وہ ہر شخص کو اس دجل و تلبیس

سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور یہ ان کا حال بن چکا تھا۔ مولانا ایک عرصہ سے اس بات کے متمنی تھے اور ہر وارد و صادر سے اس کے لئے دعائیں کراتے تھے کہ کسی طرح قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں جا کر بیٹھنے اور وہاں کے لوگوں کو براہِ راست اسلام کی دعوت دینے کی سعادت انہیں نصیب ہو جائے۔ چنانچہ جب مسلم کالونی ربوہ میں ختم نبوت کے دفتر اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو مولانا مرحوم نے وہاں اقامت اختیار کر لی۔ ہر چند ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ابھی تک یہاں رہائش وخوراک کی سہولتیں میسر نہیں ہیں اور اس پیرانہ سالی میں یہاں آپ کی رہائش آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگی لیکن انہوں نے قبول نہیں فرمایا اور تمام مشکلات کو خوش آمدید کہتے ہوئے وہاں اقامت گزیں رہے اور جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی وہاں جمے رہے۔ مقصد سے عشق اور لگن کی یہ مثال اس زمانہ میں نادر الوجود ہے۔ مولانا مرحوم بہت کم بیمار پڑتے تھے اور کبھی بیمار ہوتے بھی تو دوا دارو کا تکلف کم ہی فرماتے تھے۔ ان کی صحت و مرض کی گاڑی تو بس توکل ہی کے سہارے چلتی تھی۔ عام صحت اچھی تھی مگر سن مبارک سو کے قریب پہنچ چکا تھا اس لئے چند سال سے بدن پر ضعف وانحطاط کے آثار بڑھ رہے تھے۔ پیرانہ سالی کا یہی ضعف گویا ان کا مرض الوفات تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے ربوہ سے لاہور منتقل ہو گئے اور پھر وہاں سے اپنے آبائی گاؤں کوٹلی بیرے خان تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ وہیں وصال ہوا۔ نماز جنازہ مدرسہ رحیمیہ تعلیم القرآن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب نے پڑھائی۔ اسطرح یہ سو سال کا تھکا ماندہ مسافر آسودہ خاک ہوا۔ **اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسّع مدخله وابدله دارًا خيرًا من داره واهلًا خيرًا من اهله اللّٰهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده .** (ماہنامہ بینات شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ء)

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ

(تاریخ سانحہ ارتحال ۲۶رمئی ۱۹۸۰ء)

شیخ ماہ اپریل ۱۹۸۰ء میں حرمین شریفین کے فیوضات سے بہرہ یاب ہونے کی غرض سے عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں ہدیہ سلام پیش کرنے مدینہ باسکینہ میں حاضری دی۔ بعد میں تبلیغ دین کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں متحدہ عرب امارات پہنچے۔ جہاں متعدد عظیم الشان جلسوں سے خطاب کیا۔ وہاں کی تبلیغی مصروفیت کی تفصیل حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''دوبئ میں مولانا مرحوم کی آخری تقریر جو آپ کی زندگی کی بھی آخری تقریر ثابت ہوئی، وہ تھی جو آپ نے قصیص نمبر ۳ کی جدید وخوبصورت اور عظیم الشان مسجد میں نماز عشاء کے بعد فرمائی۔ پونے دو گھنٹے کی اس طویل تقریر میں آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں عقیدہ توحید اپنے روایتی جوش وخروش اور دلکش انداز میں بڑی وضاحت سے بیان کیا اور آخر میں اعلان فرمایا کہ اس کی تکمیل کل کی تقریر میں کرونگا جو دوبئ کی سب سے بڑی اور مرکزی جامع مسجد میں نماز عشاء کے بعد ہوگی۔ دوسرے دن حسب اعلان و پروگرام آپ وہاں تشریف لائے۔ سامعین دُور دور سے کشاں کشاں جمع ہو رہے تھے۔ یہاں کی عوام روایت کے خلاف ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ آپ منبر کے قریب تشریف فرما تھے۔ ابھی ابتدائی نوعیت کے اعلانات ہی جاری کئے جارہے تھے کہ یکایک مولانا کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی۔ آپ اپنے رفیق سفر حافظ نور حسین صاحب کو مائیک پر کھڑا کر کے خود دو جاں نثاروں کے ہمراہ راشد ہسپتال تشریف لے گئے''۔

اکرم خان اور نسیم خان دو جاں نثار ساتھی بھی ہمراہ گئے۔ راشد ہسپتال جو یہاں کا سب

سے بڑا ہسپتال ہے، وہاں گئے اور ان کو ایمر جنسی وارڈ میں داخل کر دیا گیا۔ اور امراض قلب کا ماہر عملہ پوری مستعدی سے علاج میں مشغول ہو گیا۔ مگر موت کا وقت مقرر آچکا تھا جس سے کسی کو مفر نہیں۔ آپ نے اسی کلمہ توحید کا ورد شروع کر دیا جس کی توضیح و تشریح اور خدمت و تبلیغ کے لئے آپ نے اپنی ساری عمر کی متاع گرانمایہ کو وقف کر رکھا تھا۔ کلمہ پڑھتے پڑھتے اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اس جاں گداز سانحہ سے آپ کا پروانہ اکرم خان بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور دوسرا ساتھی نسیم خان بھی غم کی تصویر بنا خاموش کھڑا تھا۔

بہر حال سرکاری ہدایات کے مطابق پاکستانی قونصل خانے کے تعاون سے مستشفی المکتوم (مکتوم ہسپتال) میں آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل دینے میں کئی جید علماء کرام اور دوسری ممتاز ہستیوں نے حصہ لیا۔ پھر آپ کا جنازہ ایک تابوت میں دیدار عام کے لئے رکھ دیا گیا۔ اژدہام اور بے پناہ ہجوم کی وجہ سے نماز جنازہ ادا کرنے میں خاصی دقت پیش آئی۔ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں آپ کا جنازہ ائیر پورٹ لایا گیا۔

دوبئی کی تاریخ میں آج تک کسی عوامی جنازے پر اتنا بڑا ہجوم اور اس قدر رقت انگیز مناظر کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن۔ شیخ نمبر)

اس طرح توحید خداوندی کا علمبردار، علوم نبوت کا پاسدار اور آفتاب علم و دانش کم وبیش ۷۵ سال تک اپنی تابانی سے مسلمانان عالم کے قلوب منور کرنے کے بعد ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

وہ پاسبان گلشن توحید و رسالت، جو دینی حمیت اور اسلامی غیرت سے سرشار اشاعت دین کے لئے زندگی بھر سرگرم عمل رہا۔ آخر کار اسی دُھن اور لگن میں سارے عالم کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

حضرت شیخ القرآن اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے ''یا اللہ تو زندگی دے تو اپنی توحید کی اشاعت کے لئے اور موت بھی کلمۂ توحید بلند کرتے ہوئے عطا فرما۔ تا کہ اس آیت کا صحیح مصداق

ثابت ہو جائے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای و مماتی للہ رب العالمین (الانعام: ۱۶۲)

بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ آرزو کو بتمام وکمال پورا فرما دیا اور وہ توحید خداوندی کی اشاعت کرتے ہوئے فائز المرام ہو کر ملک حقیقی کے پاس جا پہنچے۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رُخ زیبا لیکر

یوں تو عالم کون ومکان کے لئے فنا اور موت مقدر ہے۔ جو بھی مستعار زندگی کی خلعت زیب تن کر کے بساط ہستی پر نمودار ہوا۔ موت اس کی قدمبوسی کے لئے چشم براہ ہے۔ جس طرح خالق کائنات نے انسانوں میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا ہے اسی طرح ہر ایک کی موت بھی یکساں نہیں ہوتی۔ اس چرخ نیلی فام نے ایسے ایسے افراد واشخاص کی اموات کا نظارہ بھی کیا جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کی عمارت حیات کو متزلزل کر گئیں جو موت کے پنجہ کی گرفت میں آنے والی شخصیت کے دامات عقیدت واردات سے وابستہ ہوتے ہیں۔

پھر اس داغ مفارقت دے جانیوالی ہستی کا ماتم آنکھوں کے چند قطرہ ہائے اشک سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہزاروں دلوں کی پرسکون آبادیاں ایک مستقل غمکدہ آمال دامانی بن کر رہ جاتی ہیں۔ امیدوں اور ولوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ نشاط وکامرانی حیات کے آتشکدے سرد ہو جاتے ہیں۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثہ جانکاہ نے کائنات عالم کی ہر ہر چیز کو اداس اور غمگین بنا دیا ہے۔ موت کی اسی نوعیت کو ایک عربی شاعر اس طرح پیش کرتا ہے۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

(قیس کا مرنا ایک شخص کا مرنا نہیں۔ بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا جو منہدم ہو گئی)۔

شیخ القرآن کا سانحۂ ارتحال بھی نہ صرف فرزندان توحید کے لئے نا قابل تلافی نقصان کا

موجب بنا۔ بلکہ اس عظیم المیہ نے پوری علمی دنیا کی بساط اُلٹ کرر کھ دی۔

تجہیز و تکفین

میت بذریعہ طیارہ راولپنڈی لائی گئی۔ ہزاروں لوگ ائیرپورٹ پر جمع تھے۔ سب ہی کی آنکھیں اشکبار اور دل فگار تھے۔ ضبط و تحمل کے بند ٹوٹ رہے تھے۔ کل تک جو لوگ شیخ القرآن کے دوروں سے واپسی پر استقبال کرنے ائیرپورٹ آیا کرتے تھے، آج وہ اس مرد قلندر کی میت کو کندھا دینے آئے تھے۔ جو لوگ مسرت و شادمانی کے پھول نچھاور کرنے کے لئے آتے تھے آج وہی جان نثار اشکوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے اضطراب سیمابی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

اگلے روز اس عالم ربانی اور مجاہد اعظم کی نماز جنازہ لیاقت باغ کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ ہر طرف عقیدت مندوں اور سوگواروں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ پروانہ وار جمع ہو گئے تھے۔ جن میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ اور صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق بھی شریک جنازہ ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عالم دین کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے صدر مملکت نے شرکت کی بعد ازاں میت اٹک لے جائی گئی۔ وہاں بھی لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ ان کے شدید اصرار کے باعث دوبارہ جنازہ پڑھا گیا۔ اور بالآخر اس منبع علم و عرفان کو جامعہ اشاعت الاسلام اٹک کے احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جہاں وہ آج آسودہ خواب ہیں۔

مفتریوں کا افتراء اور اصل حقیقت

شیخ القرآن زندگی بھر شرک، بدعت اور غیر اسلامی رسومات کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ جس کے باعث دین فروش پیروں اور مولویوں کو سخت تکلیف تھی زندگی میں بھی ان پر الزامات عائد کرتے رہے مگر عوام الناس نے کوئی اثر قبول نہ کیا چراغ زندگی گل ہو جانے پر یہ بہتان تراشا گیا کہ شیخ کی شکل بگڑ گئی تھی۔ جب کہ اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ پاکستان میں کسی کو (کثرت ہجوم کی وجہ سے) منہ نہیں دکھایا گیا۔ جب کسی نے آپ کا چہرہ دیکھا ہی نہیں تو پھر اس الزام تراشی کی کیا حقیقت ہے۔ سوائے اس سوء ظن کے کہ چہرہ نہ دکھانا اسی وجہ سے ہے کہ چہرہ بگڑ گیا تھا۔

بہر حال خطیب پاکستان مولانا ضیاء القاسمی نے دوبئی جا کر ان حضرات کا حلفیہ بیان قلمبند کیا۔ جنہوں نے شیخ کو غسل دیا، دیدار کیا اور پھر ان کو بند تابوت میں رکھا اور نماز جنازہ ادا کی۔

ان کے اسماء یہ ہیں:

مولانا محمد فہیم، خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق دوبئی، مولانا محمد اسماعیل امام مرکزی جامع مسجد قصیص، مولانا محمد سعید خان، خطیب جامع مسجد النور دوبئی، مولانا محمد اکرم خان، خطیب جامع مسجد الشیر ابزی، حافظ کریم بخش، خطیب العزیز دوبئی، مولانا محمد شفیق خان، خطیب جامع مسجد شارجہ، حافظ اشتیاق حسین عثمانی مسجد سی سی ابوظہبی

ان سب حضرات نے اپنے حلفیہ بیانات میں وضاحت کی کہ شیخ کی میت اور چہرہ بالکل صحیح حالت میں تھے اور چہرہ میں کوئی تغیر نہیں۔ نہایت بارونق اور پر انوار چہرہ ہم نے دیکھا۔

حضرت مولانا فضل محمد رحمہ اللہ

(وفات: فروری ۱۹۸۱ء)

مولانا فضل محمد 23 رفروری 1981ء کو وفات پاگئے۔ مولانا فضل محمد 14 محرم الحرام ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۳ راپریل ۱۹۰۳ء کو ضلع جالندھر کی بستی اسماعیل پور کی شاخ منگووال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام کریم بخش تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ سند فراغت آپ نے ایشیا کی عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے حاصل کی۔ آپ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ المعقول والمنقول مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا سید اصغر حسین شاہ، مولانا اعزاز علی، مولانا رسول خان رحمہم اللہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کی پوری زندگی جدوجہد اور ملک وملت کی ہمہ جہت خدمت سے عبارت تھی۔ تعلیم، تدریس، تذکیر وتبلیغ غرضیکہ ہر میدان میں آپ کی دینی خدمات کے نقش ثبت ہیں مولانا فضل محمد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حد درجہ کے دیوانے تھے۔ کئی سال خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس رہے اس زمانہ میں یہ خانقاہ علم و عرفان کا سرچشمہ تھی۔ تھانہ بھون کی خانقاہ میں آپ کے قریبی ساتھی مولانا سید شمس الحسن تھانوی، مولانا محمد احمد سکھر والے، مولانا یامین تھانوی رحمہم اللہ تھے اس عظیم بزرگ نے ریاست بہاولپور کے دور افتادہ بہاولنگر کے ایک گاؤں 110 سکس آر میں ڈیرے ڈالے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے دیوانے ہوگئے۔ آپ کی علمی وجاہت اور اخلاص کی بدولت صحرا کے سینے سے توحید وسنت کے نغمات گونجنے لگے۔ مولانا فضل محمد قرآن وحدیث فقہ صرف ونحو، معانی، علم وادب پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

آپ نے 1937ء میں فقیر والی نامی ایک قصبہ میں جامعہ قاسم العلوم نامی ادارے کی بنیاد رکھی، ادارے کی افتتاحی تقریب میں حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور علاقہ کے معروف زمینداروں نے شرکت کی۔ مولانا نے اس قدر محنت اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا کہ آج پوری دنیا میں یہ چھوٹا سا قصبہ ایک عظیم اسلامی درسگاہ کے عنوان سے متعارف ہے۔ ضروری تھا کہ ایسی نادر ہستی کی سوانح نقوش زیب قرطاس ہو کر نئی نسل کے لیے رہنما ثابت ہو۔ حضرت مولانا فضل محمد کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کہا ''مولانا نہایت ہی نیک اور صالح انسان ہیں''۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے کہا ''مولانا فضل محمد کے حسن انتظام اور خوبی تعلیم وتربیت پر کامل اطمینان ہے''۔ مولانا منظور احمد نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ لکھتے ہیں ''میں نے ابتداء میں ظہر کی نماز ان کی اقتداء میں پڑھی ایسی نماز مجھے عمر بھر میں کبھی ہی نصیب ہوئی ہوگی''۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ نے جب ادارہ کی بنیاد رکھی اس وقت برصغیر کے مسلمان انگریز سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدو جہد شروع کر چکے تھے۔ آپ صاحب علم اور دور اندیش تھے۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے ظلم وستم کا بچشم خود وسیع مشاہدہ رکھتے تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے اتباع شریعت کو راہِ نجات قرار دیا اور خود بھی شریعت کے پابند تھے متبعین کو بھی شریعت کی حدود کا خیال رکھنے کا حکم دیتے۔ آپ اکثر فرماتے جس فعل سے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو وہ فعل انسان کو زندیق بنا دیتا ہے۔ آپ کو ایک اعلیٰ افسر نے پانچ مربع زمین دینے کی کوشش کی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ زمین لینے سے میری توجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹ جائے گی۔ ایک دفعہ پاکستان کے ایک معروف گدی نشین آپ کے پاس آئے تو اُنھوں نے آپ سے کہا میں آپ کو ایک وظیفہ بتاتا ہوں آپ پڑھ لیا کریں تو روزانہ آپ کو ۱۰۰ روپے مل جایا کریں گے۔ فرمایا ''میں نے یہ سوچ کر وظیفہ کبھی نہیں پڑھا اس میں خدا پر بے اعتمادی کا شائبہ ہے۔ جب میرا خدا مجھے 100 روپے سے کہیں زیادہ عنایت فرماتے ہیں تو ناشکری ہے کہ میں 100 روپے کے لیے وظیفہ پڑھوں''۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ ایک بلند پایہ عالم دین اور اکابر واسلاف کی ایک عملی یادگار نمونہ تھے۔ اُنھوں نے ساری زندگی اسلام کی ایسے طریقے سے خدمت فرمائی گویا کہ وہ اسی کام کے لیے

پیدا ہوئے ہیں۔ آپ ایک سچے عاشق رسول مسکینوں، یتیموں، بیواؤں غریبوں اور مسافروں کے ہمدرد تھے۔ آپ کی سخاوت اور دریا دلی مشہور تھی۔ آپ کی اعلیٰ سماجی، فلاحی، مذہبی، ملکی، اور دینی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ۱۳۸۲ھ میں یونین کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا اور ۱۳۸۳ھ میں آپ کو حکومت پنجاب نے سیشن کورٹ بہاولنگر میں مشیر برائے امور شرعی نامزد کیا۔ 1386ھ میں آپ کو اعلیٰ خدمات سرانجام دینے پر حکومت پنجاب نے حسن کارکردگی ایوارڈ دیا۔ آپ نے ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک آزادی کشمیر، تحریک بنگلہ دیش نامنظور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ اپنی وسیع آفاقی سوچ کے ساتھ زندگی بھر مصروف عمل رہے۔ رفاہی خیراتی اداروں کا قیام، تبلیغی وتربیتی مراکز کی تاسیس، لائبریری مساجد کا قیام، سماجی، مذہبی، فلاحی اداروں کی تشکیل اور علمی وتحقیقی ادارے جامعہ قاسم العلوم کا قیام آپ کے عظیم کارناموں میں شامل ہے آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو اس وقت دنیا بھر میں علم نبوی ﷺ کی قندیلیں روشن کررہے ہیں۔ آپ طلبہ سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے اور کہتے دین کے طالب مہمانانِ رسول ہیں۔ آپ طلبہ کی تربیت اس طریقے سے کرتے جیسے کوئی نہایت شفیق مہربان باپ اپنی اولاد کی کرتا ہے۔ جب کبھی مدرسہ میں تنگی ہوتی تو طلبہ واساتذہ کو لے کر دو رکعت نماز نفل مسجد میں ادا کر کے دعا کرتے۔ اکثر دیکھنے میں آیا وہ ابھی دعا ختم نہیں کرتے تھے کہ کوئی نہ کوئی شخص طلبہ کے لیے کھانا لے کر حاضر ہو جاتا اور اکثر فرماتے جو شخص لوگوں کا مقتداء اور رہنما ہو اسے اپنے کاموں میں سادگی اختیار کرنی چاہیے تا کہ اسے دیکھ کر اس کے پیروکار اور ماتحت بھی سادگی اختیار کریں۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ نے ۱۹۷۶ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ حج سے واپسی پر آپ بیمار رہنے لگے لیکن اپنے روزمرہ کے معمولات میں کمی نہ آنے دی۔ روزانہ طلبہ کا کھانا، ان کی تعلیمی رپورٹ اور مدرسہ کا حساب کتاب چیک کرتے۔ ۱۸؍مارچ ۱۹۸۰ء کو دس افراد کے قافلے کی قیادت کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شریک ہوئے۔ واپسی پر آپ کی طبیعت مزید خراب ہوگئی۔ بالآخر دین اسلام کی قندیلیں روشن کرنے والا یہ مردِ درویش ۷۸ برس آفاق عالم پر اپنے علم، زہد وتقویٰ کی کرنیں بکھیرنے کے بعد 23؍فروری 1981ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پیچھے لاکھوں سوگوار چھوڑ کر ابدی نیند سو گیا۔

حضرت مولانا نورالحسن بخاریؒ

(وفات: جنوری ۱۹۸۴ء)

ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کی آخری رات ۴ر جنوری ۱۹۸۴ء بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب کو ۱۱ بجے ملتان میں تنظیم اہل سنت کے بانی حضرت مولانا سید نورالحسن بخاری ۷۴ برس کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کا آبائی تعلق ڈیرہ غازی خان کے علاقہ راجن پور سے تھا' ابتدا میں اسکول کی تعلیم کے بعد اپنے علاقہ میں اسلول ٹیچر ہو گئے تھے۔ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تلقین سے دینی علوم کا شوق پیدا ہوا، ڈابھیل میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے تلمذ کیا۔ اور حدیث دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام والمسلمین الامام المجاہد فی سبیل اللہ حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے پڑھی۔ تکمیل علوم کے بعد تنظیم اہل سنت کی بنیاد ڈالی اور ملک میں مسلک اہل سنت کی نشر واشاعت میں تقریراً وتحریراً مصروف ہو گئے۔ ''تنظیم اہل سنت'' اور ''دعوت'' پرچے جاری کئے اور متعدد وقیع کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔

30 ر دسمبر کا جمعہ تنظیم اہل سنت کی مسجد (نواں شہر ملتان) میں پڑھایا۔ یہ مرحوم کی زندگی کا آخری جمعہ تھا۔ تقریر کے دوران فرمایا کہ زندگی کی آخری دو درخواستیں تھیں۔ ایک حرمین شریفین کی حاضری' سو وہ اسی سال اللہ تعالی نے میسر فرمادی۔ دوسری سیرت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نامی کتاب) کی تکمیل وہ بھی اس ہفتہ پوری ہوگئی۔ اب میں فارغ ہوں اور تیار ہوں۔ اس کے پانچ دن بعد بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات عشاء کی نماز خود پڑھائی۔ نماز کے بعد اپنے معمولات ووظائف سے فارغ ہو کر ''سیرت اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مسودہ پر نظر ثانی

کرنے بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں دل کا دورہ ہوا اور داعی اجل کی دعوت پر رختِ سفر باندھ لیا۔ حق تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور عباد اللہ الصالحین کی صف میں شامل فرما کر انہیں رحمت و مغفرت سے ہمکنار فرمائیں۔

(ماہنامہ بینات۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ مطابق مارچ ۱۹۸۴ء)

مولانا محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

مولانا بخاریؒ ہمارے ملک کے ان نامور علماء میں سے تھے جنہوں نے ساری عمر باطل کے فتنوں کے خلاف حق کا دفاع کرنے میں گذاری۔ یوں تو وہ تمام باطل نظریات کے خلاف سینہ سپر رہے اور ختم نبوت کی تحریک میں بھی انہوں نے نمایاں حصہ لیا' اور اس راہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں، لیکن شیعیت ان کا خاص موضوع تھا' جس پر ان کا مطالعہ بھی نہایت وسیع تھا اور اس موضوع پر ان کی تقریر و تحریر بھی بڑی پر مغز اور عالمانہ ہوتی تھی۔ شیعہ مذہب کی بنیادی کتابوں کے حوالے انہیں ازبر تھے اور اس موضوع پر علمی اور عملی جدوجہد کے لئے انہوں نے ''تنظیم اہل سنت'' کے نام سے ایک جماعت بھی قائم کی ہوئی تھی جس نے شعیت کے مقابلے میں اہل سنت کے عقائد کی وضاحت میں خاص طور پر پنجاب کے اندر کافی کام کیا ہے۔

یوں تو مولاناؒ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں' لیکن احقر کو ان کی ایک ہی کتاب سے استفادے کا موقع ملا۔ اور وہ مولانا مودودی صاحب مرحوم کی ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں ان کی کتاب ''عادلانہ دفاع'' ہے۔ یہ کتاب قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہے' جو اس موضوع پر مطالعہ اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

مولاناؒ کی وفات علمی اور دینی حلقوں کیلئے ایک افسوسناک خلا ہے اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زلات وسیات سے درگذر فرما کر ان کی کامل مغفرت فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین! (البلاغ جلد ۱۸ شمارہ ۵)

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحبؒ

(وفات: جنوری ۱۹۸۵ء)

حضرت مفتی صاحب نے جامعہ خیر المدارس میں حدیث و افتاء کی گراں قدر خدمات انجام دیں اس مقصد کے لئے ماہنامہ ''الصدیق'' اردو اور عربی جاری فرمایا۔ جس کی لوح پر یہ شعر ہوتا تھا:

تیغ براں نہر ہر زندیق باش
اے مسلمان! پیر صدیق باش

کسی زمانے میں ''الصدیق'' ہمارے ملک کا نہایت وقیع دینی مجلہ تھا' جس میں بڑے بڑے اکابر کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے گوناگوں اخلاق وصفات میں ان کی کسر نفسی سب سے زیادہ ممتاز تھی' کبر ونخوت اور خود بینی وخود پسندی کی پرچھائیں بھی ان پر نہیں پڑی تھیں۔ اپنے خوردوں بلکہ شاگردوں کے شاگردوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ انکساری وفروتنی کا ایسا معاملہ فرماتے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایک بار حج پر تشریف لے گئے' ملتزم پر حفظ قرآن کے لئے دعا کی خواب یا مکاشفہ میں ان کو اشارہ ہوا کہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب کی خدمت میں قرآن کریم یاد کرو۔ واپس آ کر حضرت قاری صاحب کی شاگردی قبول کر لی اور چھوٹے بچوں کے ساتھ قرآن کریم یاد کرنے بیٹھنے لگے۔ جب کہ اس وقت اسی خیر المدارس کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم بھی آپ تھے۔

جب تک قرآن کریم کا حفظ مکمل نہیں ہو گیا' وہاں سے نہیں ہٹے۔ ایک بار سبق یاد نہیں ہو سکا تھا حضرت قاری صاحب نے کان پکڑنے کو فرمایا شیخ الحدیث اور مفتی اعظم فوراً

کھڑے ہو گئے۔ (1) حضرت قاری صاحب کی درسگاہ میں پہنچ کر وہ جس مکتب میں معصوم بچے بنے بیٹھے ہیں وہ اس دارالعلوم کا ایک شعبہ ہے جس کے وہ شیخ الحدیث' ناظم تعلیمات اور صدر مفتی ہیں۔ کیا اس بے نفسی کی کوئی مثال اس زمانے میں دیکھی یا سنی جا سکتی ہے؟

اس کے بارے میں ایک ضروری نوٹ پر ملاحظہ فرمایئے۔

امام بخاریؒ کے ارشاد: قال ابو عبد اللّٰہ وبعد ان تسوّدوا (2) پر اگر عمل دیکھا تو حضرت مفتی صاحب کا دیکھا۔

حضرت مفتی صاحب درحقیقت رجالِ آخرت میں تھے ان کو جب بھی دیکھا معاشی طور پر تنگ دست ہی دیکھا' لیکن وہ اس تنگ دستی کو سرمایۂ صد سعادت جانتے تھے۔ جامعہ خیر المدارس کے ناظم واستاذِ حدیث مولانا محمد صدیق صاحب زید مجدھم نے فرمایا کہ ایک بار میں قرض کی وجہ سے پریشان تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے پریشانی کا سبب پوچھا' اور جب عرض کیا گیا تو سختی کے ساتھ ہاتھ بھینچ کر نہایت اعتماد ویقین سے فرمایا: مولوی

---

(1) یہ میں نے جو الفاظ لکھے تھے مجھے یہی روایت پہنچی تھی۔ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کے تلمیذ قاری محمد شفیق الحسن (سول ہسپتال گوجرہ) نے ایک مکتوب میں اس واقعہ کی صحیح نوعیت بیان فرمائی۔ (ان کا یہ مکتوب بینات بابت ماہ رمضان 1405ھ میں شائع ہو چکا ہے) اس کا ضروری اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:

"میں نے ۵/۴/۷ ۱۹۷ء میں امام القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ سے گردان قرآن کریم مکمل کیا۔ اور غالباً 74ء میں سند فراغت حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوا تو مسجد سراجاں میں حضرت قاری صاحب کے پاس اور صاحب بھی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب کا ذکر ہوا تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو حرم کعبہ میں بحالتِ نیند ارشاد ہوا کہ مجھے قرآن کریم سنائیں۔ چنانچہ واپسی پر حضرت مفتی صاحبؒ نے باقاعدہ وقت دینا شروع کیا تو فرمانے لگے کہ چونکہ میری درسگاہ کا اصول ہے کہ جس طالب علم کو نیند آئے وہ ازخود کھڑا ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر اسے کان پکڑنے پڑتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ سارے دن کی تھکاوٹ سے چکنا چور ایک روز آئے اور دورانِ تعلیم انہیں نیند نے گھیر لیا' مفتی صاحب ازخود کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں قطعاً نہ کھڑے ہونے کو کہا اور نہ کان پکڑنے کو، مگر طلباء میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قاری صاحبؒ نے مفتی صاحبؒ کو کھڑا کر دیا"۔

2۔ امام بخاری نے باب الاغتباط فی العلم والحکمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے تفقھوا قبل ان تسودوا (یعنی سرداری اور منصب حاصل ہونے سے پہلے علم حاصل کرلو) اس پر امام بخاریؒ فرماتے ہیں قال ابو عبد اللّٰہ "وبعد ان تسودوا" (یعنی سرداری اور منصب کے بعد بھی)

صاحب! اس سے پریشان نہیں ہونا چاہئے یہ سنت انبیاء ہے' مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے اس فقرے سے میری ساری پریشانی کافور ہو گئی۔

کچھ عرصہ سے حضرت مفتی صاحب پر "جوارِ مدینہ" کا شوق غالب تھا اور وہ اس کوشش میں تھے کہ انہیں وہاں کا اقامہ مل جائے۔ چنانچہ غیر متوقع طور پر ان کی کوشش بار آور ہوئی اور انہیں رمضان المبارک سے قبل سعودی اقامہ مل گیا تھا' وہ واپسی کا ٹکٹ لے کر یہاں کی ضرورت نمٹانے کے لئے تشریف لائے تھے کہ پاؤں میں معمولی زخم ہو گیا' چونکہ شوگر کی تکلیف تھی اس لئے رفتہ رفتہ زخم نے غیر معمولی شکل اختیار کر لی قریبا نو مہینے صاحب فراش رہنے کے بعد ۲۵ رجنوری ۱۹۸۵ئشب جمعہ کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مرض الموت کا یہ زمانہ جس حیرت انگیز صبر واستقامت کے ساتھ گزارا وہ خاصانِ خدا ہی کا حصہ ہے۔ جزع وفزع کا کوئی لفظ زبان سے سرزد نہیں ہوا بلکہ زبان ہمیشہ شکر وحمد اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتی تھی۔ غنودگی کی حالت میں بھی انگلیوں پر تسبیح شماری جاری رہتی تھی۔ اس پورے عرصہ میں نہ کوئی نماز قضا ہوئی نہ کوئی عمل خلاف سنت ہوا' انتقال سے تھوڑی دیر پہلے پانی طلب فرمایا۔ خدام نے اس خیال سے کہ اٹھانے بٹھانے میں زحمت ہو گی لیٹے لیٹے منہ میں پانی ڈالنا چاہا تو فرمایا معلوم نہیں کہ لیٹ کر کھانا پینا خلاف سنت ہے مجھے اٹھا کر بٹھاؤ۔ چنانچہ اٹھا کر بٹھایا گیا۔ پانی نوش فرمایا' کلمہ شکر ادا کیا۔ اور قبلہ رخ اپنی کروٹ پر لیٹ گئے۔ مرض الموت میں اکثر دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ نیند کی حالت میں میری روح قبض کرنا چنانچہ لیٹنے کی تھوڑی دیر بعد نیند کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ پاس بیٹھے خدام یہ سمجھے کہ آنکھ لگ گئی ہے۔ ان کو اسی وقت پتہ چلا جب سانس کی آمد و شد یکا یک بند ہو گئی اور حضرت مفتی صاحب نے جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسّع مدخلہ وابدلہ دارًا خیرًا من دارہ واھلًا خیرًا من اھلہٖ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔ (بینات۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ مطابق مارچ ۱۹۸۵ء)

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

(وفات: ۱۴؍ فروری ۱۹۸۵ء)

مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اُن خاص رفقاء میں سے تھے، جنہوں نے اپنی زندگی تحفظ ختم نبوت کے مشن کیلئے وقف کر دی تھی۔ انہوں نے اس مشن اور اس مقصد کیلئے بڑی قربانیاں دیں، منکرین ختم نبوت کی سازشوں کا ہر محاذ پر مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکوں میں وہ صف اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔

۱۹۷۴ء کے بعد مولانا موصوفؒ نے اپنی توجہات کا مرکز قادیانیوں کے سب سے بڑے گڑھ ربوہ کو بنا لیا تھا۔ انہی کی جدوجہد کے نتیجے میں ربوہ کے اندر ایک عظیم جامع مسجد تعمیر ہوئی، مسلم کالونی کے نام سے مسلمانوں کی ایک بستی آباد ہوئی۔ اور تحفظ ختم نبوت کے مراکز بھی قائم ہوئے۔ مجھے صرف ایک ہی مرتبہ ربوہ جانے کا موقع ملا ہے اور وہ مولاناؒ ہی کی دعوت اور تحریک پر۔ اس وقت مسلم کالونی اور اس کی مسجد ابتدائی مراحل میں تھی اور یہ دیکھ کر دل بہت متاثر ہوا کہ ربوہ میں ختم نبوت کے کام کو پھیلانے کی خاطر مولاناؒ نے اس ویرانے میں ڈیرہ ڈالا ہوا تھا، اور مخالفین کی ہمہ جہتی سازشوں کا نشانہ بن کر پورے عزم اور استقامت کے ساتھ اپنے مرکز پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی مخلصانہ کوششوں میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ آج ربوہ جیسے شہر میں مسلمانوں کے باوقار مراکز قائم ہیں۔

میں ۱۵؍ فروری ۱۹۸۵ء کو راولپنڈی میں تھا، وہیں اخبار کے ذریعے مولاناؒ کی وفات کی اچانک اطلاع ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، دل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں، اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین اور قارئین سے بھی موصوف کیلئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ (البلاغ جلد ۱۹ شمارہ ۷)

حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ

(وفات:۱۹۸۵ء)

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے صدر اور انجمن خدام الدین لاہور کے امیر حضرت مولانا عبیداللہ انور بتاریخ 7 شعبان المعظم 1405ھ مطابق 28 اپریل 1985ء بروز اتوار صبح ساڑھے سات بجے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نواسے اور قطب الارشاد حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلف الرشید و جانشین تھے۔ دینی علوم کی تکمیل از ہر الہند دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے کی تھی' مرحوم کا شمار علمائے دیوبند کی صف اول کے حضرات میں ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور مرشد و مربی حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے بعد ان کے پورے کام کو سنبھالا' مدرسہ قاسم العلوم' انجمن خدام الدین' ہفت روزہ خدام الدین ذکر و شغل اور اصلاح و ارشاد کے سلسلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے چلایا۔

حضرت مرحوم' فہم و دانش' حلم و تدبر' صبر و استقامت' اعتدال پسندی اور تواضع میں بہت ممتاز تھے۔ اپنے والد صاحب کے نقش قدم ظاہر و باطن کے جامع اور مجاہدہ و جہاد دونوں کے شہسوار تھے۔ جمعیۃ علمائے اسلام کے روح رواں تھے۔ ان کی قائدانہ صلاحیتیں ملک و ملت کے لئے وقف تھیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود نوراللہ مرقدہ کے بعد ان کی وفات جمعیۃ علماء اسلام' اہل حق اور ملک کے لئے غالباً سب سے بڑا سانحہ ہے۔ مرحوم ایوب خان کے دور میں پولیس کے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنے' جس سے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو صدمہ پہنچا' انہوں نے جواں ہمتی کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت تو کرلیا' اور اپنے معمولات و مشاغل بدستور جاری رکھے لیکن ان کی صحت پوری طرح بحال نہ ہوسکی' بلکہ اس میں تدریجی انحطاط جاری رہا' وفات سے ایک ہفتہ پہلے انہیں بے ہوشی کی

حالت میں میو ہسپتال لایا گیا۔ طبی تشخیص کے مطابق ان کے جگر کا فعل بند ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے علاج معالجہ کی اپنی سی کوشش کی، لیکن وقت موعود آ چکا تھا۔ اس لئے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔

28/اپریل کو ساڑھے سات بجے جان کی امانت جان آفریں کے سپرد کر دی اور **یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیةً مرضیةً فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** کے مصداق ابدی راحتوں سے سرفراز ہوئے۔ وفات کے بعد چہرۂ انور پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں نماز جنازہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان میں حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے پہلو میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

حق تعالیٰ شانہ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں۔ اور رحمت و رضوان کے درجات عالیہ نصیب فرمائیں، حضرت مرحوم کے صاحب زادہ جناب مولانا اجمل قادری صاحب اور ان کے دیگر اعزہ کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔

مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدیؒ

(وفات: ۱۹۸۵ء)

۲۳/۲۴ ربیع الاول 1406ھ مطابق ۷/۸ دسمبر 1985ء ہفتہ واتوار کی درمیانی شب جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے صدر مہتمم حضرت مولانا الحاج الحافظ حبیب اللہ فاضل رشیدی قریبا 75 سال کی عمر میں رحلت فرما کر عالم آخرت کے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون.

مرحوم کی بعض خوبیاں لائق رشک تھیں۔ وہ میدان خطابت کے شہسوار تھے عزیمت اور آہنی عزم کے مالک تھے۔ عقیدہ ختم نبوت کے لئے جانبازی و جان نثاری کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ وہ ہر تحریک جو احیائے دین کے لئے اٹھی اس کے ہراول دستہ میں شامل رہے۔ تحریک ختم نبوت 1953ء میں انہیں اور ان کے برادر اکبر حضرۃ الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ رائپوریؒ کو نہ صرف پابند سلاسل کیا گیا، بلکہ مرحوم کے قائم کردہ ادارہ جامعہ رشیدیہ کی املاک تک ضبط کر لی گئیں جو آج تک واپس نہ ہوئیں۔ اسی طرح تحریک 74ء اور تحریک نظام مصطفیٰ 77ء میں بھی ان کو قید و بند کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ ان کی تقریروں پر مقدمات، سزائیں اور زبان بندی تو ان کا گویا لازمہ حیات بن گئی تھی۔ وہ اپنے خطبات جمعہ میں بڑے جوش اور مجاہدانہ شوکت و صولت کے ساتھ اس آیت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله.

(التوبہ)

''نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں''۔

(ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

ان کی زبان سے اس آیت کریمہ کی تلاوت سنتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آیت کریمہ کی دعوت ان کا حال بن چکی ہے۔ باطل کے مقابلہ میں فولاد سے زیادہ سخت تھے۔ خاموشی اور کم گوئی ان کا خاص وصف تھا۔ مزاج میں تواضع ہی نہیں بلکہ مسکنت پائی جاتی تھی۔ زندگی نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ وقلندرانہ تھی۔ کج دھج سے کوسوں دور ونفور تھے۔ اکابر کے سامنے ایسے خاموش بیٹھنے کے عادی تھے گویا انہیں بولنا ہی نہیں آتا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد بھی تھے اور مؤید بھی۔ اسی ''حسینی نسبت'' کا اثر تھا کہ انہیں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے والہانہ عشق اور ماثر اکابر کے احیاء سے خاص شغف تھا۔ ماہنامہ ''الرشید'' کے (جو ان کی ادارت میں نکلتا تھا) ''دارالعلوم دیوبند نمبر'' ''مدنی واقبال'' ''تاریخ دارالعلوم'' اور ''فیضان دارالعلوم نمبر'' ان کے اسی شغف کے مظہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی اس پہلو سے جتنی خدمت ان کے ادارے نے کی ہے' پاکستان میں اور کسی نے نہیں کی۔

پاکستان میں تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے وہی علمبردار تھے۔ جمعیت علمائے اسلام کے صف اول کے قائدین میں سے تھے' وفاق المدارس العربیہ کے رکن رکین تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے ایک عرصہ تک رکن رہے۔ اہل حق کی تمام تنظیموں اور جماعتوں سے انہیں تعلق خاطر تھا۔ وہ سب کو اپنا سمجھتے تھے۔ سب سے محبت و یگانگت تھی۔ انہیں بیر تھا تو قادیانیوں اور دیگر ملاحدہ سے۔

ان کا یہ وصف وقت آخر ان کے کام آیا اور وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حق تعالیٰ شانہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے' اور تمام لغزشوں کو معاف فرما کر رحمت ورضوان کے درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ (ماہنامہ بینات۔ کراچی)

حضرت مولانا قاضی عبد القادرؒ

6 رشعبان المعظم 1406ھ مطابق 16 اپریل 1986 بروز بدھ صبح نو بجے تبلیغی جماعت کے رکن رکین حضرت مولانا قاضی عبد القادرؒ (جھاوریاں ضلع سرگودھا) واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم قطب العالم حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز تھے' ان کے وصال کے بعد قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا کے اسفار کے انتظام وانصرام میں مرحوم سب سے زیادہ دخیل ہوتے تھے' حضرت شیخؒ کی آپ بیتی میں بیسیوں جگہ ان کا ذکر خیر آیا ہے۔

مرحوم کے دیگر کمالات وخصائص میں ان کا سب سے بڑا وصف کثرت ذکر اور معمولات کی پابندی تھا۔ صحبت صالحین اور ذکر الٰہی کے انوار ان کے چہرہ پر جگمگاتے تھے۔ وفات سے ایک روز قبل حضرت رائے پوریؒ کے جانشین' حضرت اقدس مولانا حافظ عبد العزیز صاحب رائے پوری سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ بدھ کے دن مرحوم کا قصد حضرت مولانا کی زیارت کرتے ہوئے لاہور سے اپنے گاؤں جھاوریاں جانے کا تھا' گاڑی میں سامان سفر رکھا جا چکا تھا' اور آپ نے وضو شروع کیا تھا کہ دل کی تکلیف شروع ہوئی اور مرحوم سفر آخرت پر روانہ ہو گئے...... تین بجے کے قریب جنازہ رائے ونڈ لایا گیا۔ اور حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب نے (جو مولانا مفتی احمد الرحمٰن کی معیت میں امتحان کے لئے رائے ونڈ تشریف لے گئے تھے) نماز جنازہ پڑھائی۔ حق تعالیٰ شانہٗ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر رحمت ورضوان کے درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ مرحوم کے تمام لواحقین محبین متعلقین کو اس سانحہ کبریٰ پر صبر جمیل نصیب فرمائے۔

(بینات رمضان المبارک 1406ھ مطابق جون)

حضرت مولانا نجم الحسن تھانویؒ

حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے بھائی اکبر علی صاحب مرحوم کے نواسے تھے' اور اس لحاظ سے خود حضرتؒ کے نواسے اور نواسے بھی ایسے نہیں کہ حضرتؒ سے صرف رشتہ داری کا برائے نام تعلق رہا ہو' بلکہ پانچ سال سے بائیس سال کی عمر تک گویا حضرتؒ کی آغوش شفقت میں ہی رہے۔ آپ کی پیدائش ۳ فروری ۱۹۲۵ء کو سہارنپور میں ہوئی تھی لیکن کم عمری ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا' اس لئے اپنے ماموں حضرت مولانا شبیر علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں انہی کے مکان میں مقیم رہے۔ حضرت مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حکیم الامتؒ سے جو نسبتی اور روحانی تعلق تھا وہ ظاہر ہے' چنانچہ اس پورے عرصہ میں نہ صرف حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ کی بلکہ خود حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت اور سرپرستی کی سعادت انہیں حاصل رہی۔

ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے بعد دینی علوم کے دوسرے بڑے مرکز یعنی مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ نے علوم دین حاصل کئے جہاں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہ' جیسے اساطین سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ تجوید وقرأت میں حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ سے کسب فیض کیا اور دورہ حدیث سے فراغت کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی فتویٰ نویسی کی تربیت بھی حاصل فرمائی۔

ظاہری علوم تو بہت سے لوگ حاصل کر ہی لیتے ہیں لیکن اس علم کو کسی شیخ کامل کی صحبت سے صیقل کرنے کی جو ضرورت ہوتی ہے' اس کا موقع آپ کو خوب حاصل ہوا۔ حکیم الامت

حضرت تھانویؒ کی نگاہ فیض کے سائے میں اس طرح نشو ونما پائی کہ حضرتؒ کی تعلیمات ہی نہیں، آپ کا انداز زندگی بھی نظر سے لیکر دل و دماغ تک رچ بس گیا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامتؒ کے اجل خلفاء میں سے بھی تھے اور حضرتؒ کے مزاج و مذاق کے وارث بھی۔ حضرت مولانا نجم الحسن صاحبؒ کو ان کی بھی بھرپور صحبت میسر آئی۔ حضرت مجذوبؒ ایک پرگو شاعر بھی تھے اور جب اپنے اشعار سنانے آتے تو گھنٹوں یہ سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت مولانا نجم الحسن صاحبؒ نے ان کی شعروسخن کی مجلسیں اس طرح دیکھیں کہ وہ گویا اشعار مجذوبؒ کے حافظ ہو گئے۔ چنانچہ خود ان کا حال یہ تھا کہ جب کبھی حضرت مجذوبؒ کے اشعار کا ذکر آجاتا تو ان کے ذہن میں یادوں کے دریچے کھل جاتے اور وہ بھی گھنٹوں ان کے اشعار اور ان سے متعلق واقعات سناتے رہتے تھے۔

حضرت مولانا نجم الحسنؒ صاحب بذات خود بڑے ستھرے شعری مذاق کے حامل تھے، خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے اور دلکش ترنم کے ساتھ سناتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا نجم الحسن صاحبؒ اپنے اہل خانہ کے ساتھ لاہور تشریف لے آئے۔ اس وقت لاہور میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی ذات مرجع خاص و عام تھی۔ مولاناؒ نے آپ کی مجالس سے بھی سالہا سال استفادہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جب حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے جامعہ اشرفیہ سے "انوار العلوم" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری فرمایا تو اس کی ادارت کے فرائض بھی مدت تک مولانا ہی انجام دیتے رہے۔

شروع میں ذریعہ معاش کوئی نہ تھا، پھر آپ یونیورسٹی آف پنجاب کے کانفیڈنشل پریس کے انچارج مقرر ہوئے، اور ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۷ء تک پہلے لاہور، پھر سرگودھا اور بالآخر راولپنڈی میں پنجاب کے تعلیمی اداروں کے خفیہ پریس میں خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۹۸۷ء میں ریٹائر ہوئے۔

لاہور میں قیام کے دوران مال روڈ پر مشہور اور عالی شان "مسجد شہداء" تعمیر کرانے میں بھی آپ نے بنیادی کردار ادا کیا اور وہاں ۱۴ سال تک اعزازی طور پر جمعہ کی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بلکہ جب سرگودھا تبادلہ ہو گیا تب بھی جمعہ کی خطابت کے لئے ہر ہفتے لاہور آنے کا معمول رہا۔

مولانا کا ایک بہت بڑا صدقہ جاریہ "مجلس صیانۃ المسلمین" ہے۔ یہ ایک کثیر المقاصد دعوتی انجمن ہے جس کا خاکہ اغراض ومقاصد طریق کار سب کچھ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا تجویز فرمودہ ہے۔ نام بھی حضرتؒ نے ہدیٰ تجویز فرمایا تھا لیکن حضرتؒ کی حیات میں یہ جماعت قائم نہ ہو سکی تھی۔ لاہور میں اس مجلس کا کام ابتداء میں تو حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی قدس سرہ نے شروع فرمایا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا نجم الحسن صاحبؒ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا اور ان کی صدارت کے زمانے میں مجلس کا کام کافی آگے بڑھا۔ پنجاب کے مختلف شہروں سندھ اور کراچی وغیرہ میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں اور مجلس ایک تخیل سے نکل کر عملی دنیا میں نظر آنے لگی۔ مجلس کے کام کو ترقی دینے میں جہاں جناب مولانا وکیل احمد شیروانی اور جناب مولانا مشرف علی تھانوی صاحب کے نشاط کار کو دخل ہے وہاں حضرت مولانا نجم الحسن صاحب قدس سرہ کی بے لوث قیادت اور ان کی مخلصانہ مساعی نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی وفات سے "مجلس صیانۃ المسلمین" میں اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کا پر ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

راولپنڈی منتقل ہونے کے بعد بھی مولانا کی تبلیغی مساعی مسلسل جاری رہیں۔ یہاں مختلف مقامات پر آپ کے درس قرآن کا سلسلہ جاری تھا جس میں اہل ذوق بڑی دلچسپی سے شریک ہوتے تھے اور اس سے بڑا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ ایک جامع مسجد میں اعزازی طور پر جمعہ کے خطاب کا بھی معمول تھا اور اس طرح نام ونمود سے دور رہتے ہوئے دین کی خدمت وتبلیغ کے کام میں آپ آخر وقت تک مشغول رہے۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے حسن باطن کے ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا' وہ نہایت دلکش' وضع دار' شگفتہ مگر متین شخصیت کے مالک تھے۔ بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے معلوم ہوتے ادا ادا سے خوش اخلاقی اور تواضع مترشح ہوتی تھی۔ ان کے صاحبزادے فہیم الحسن صاحب کا بیان ہے کہ کبھی کسی بات پر فوراً غصہ نہیں کرتے تھے' غصے پر حیرت انگیز کنٹرول تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں غصے میں جو کچھ بھی کہتا ہوں' سوچ سمجھ کر کہتا ہوں اور آج تک مجھے کچھ کہہ کر پچھتانا نہیں پڑا۔ کہنے کو یہ ایک معمولی سی بات ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے مدتوں ریاضت کے بعد اپنے جذبات وخواہشات کو عقل وشریعت کے آگے رام کر لیا ہو۔ وہ خانقاہ تھانہ

بھون کا مجسم تذکرہ تھے اور اس لحاظ سے ان کی ہر محفل سے ہم جیسوں کو بزرگوں کی کوئی نہ کوئی نئی بات معلوم ہو جاتی تھی اور ان کی ہر ملاقات ہمارے لئے باعث فیض تھی۔

مولانا کے ایک بھائی ضیاء الحسن صاحب حیدر آباد میں مقیم تھے' وہاں ان کی ایک دکان تھی جس پر کچھ شقی القلب ڈاکو حملہ آور ہوئے اور وہ ان کی بربریت کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون. مولاناؒ کو اس المناک حادثے کی اطلاع ملی تو وہ حیدر آباد پہنچے اور اسی صدمے سے نڈھال کراچی تشریف لائے۔ رات کے کھانے کے بعد انہیں سینے پر کچھ گرانی محسوس ہوئی جو رات دو بجے تک شدت اختیار کر گئی۔ مولانا اپنے داماد مولانا تنویر الحق تھانوی (صاحبزادہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ) کے مکان پر مقیم تھے اور ان کے صاحبزادے فہیم الحسن صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ مولاناؒ کو قریبی ہسپتال میں لے گئے۔ ان کا سانس بے قابو تھا' اس لئے انہیں آکسیجن لگائی گئی۔ جس کے فوراً بعد وہ پرسکون ہو گئے۔ تیمارداروں نے ابتداء میں یہ سمجھا کہ تنفس میں سہولت حاصل ہونے سے انہیں آرام ملا ہے لیکن درحقیقت مولانا اس دنیا کے جھنجھٹوں سے نجات حاصل کر کے ابدی سکون پا چکے تھے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

(ماہنامہ البلاغ جلد ۲۵ شمارہ ۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ

(وفات۔۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۸ء)

جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث، ممتاز عالم دین بین الاقوامی شہرت کے حامل حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ بھی زندگی کی باسٹھ بہاریں دیکھ کر ۸ر ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق 21 اکتوبر 1988ء شب جمعہ کے آخری پہر صبح صادق سے کچھ دیر پہلے دعاؤں اور استغفار کی قبولیت کے مبارک وقت میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولانا 1925ء میں ضلع مظفر نگر (بھارت) کے ایک ایسے گاؤں میں پیدا ہوئے جو حقیقی معنوں میں علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ اس کی آغوش میں اکابر علماء اولیاء اور صلحاء امت نے پرورش پائی۔ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش، حضرت مولانا محمد یحییٰ، حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد ادریس، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ کا تعلق اس گاؤں سے تھا۔ یہ وہ حضرات قدسی صفات ہیں کہ جن کے فیوض و برکات چار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد مالک رحمہ اللہ چونکہ ایک علمی، مذہبی اور دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اس لیے بچپن ہی سے دینی تعلیم و تربیت کا رنگ غالب چلا آ رہا تھا۔ فطرۃً طبیعت دینی پائی تھی اس نسبت سے دینی علوم کے ساتھ غیر معمولی شفقت کا ہونا ظاہر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے صغر سنی میں ہی اپنے والد گرامی کے سایۂ عاطفت میں قرآن کریم حفظ فرما لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے والد گرامی حیدر آباد دکن میں مقیم تھے سن شعور کو پہنچتے ہی آپ کے والد گرامی رئیس المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے دینی تعلیم و تربیت کی خاطر

آپ کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں تھانہ بھون کے خانقاہی مدرسے میں داخل کروادیا۔ اس مدرسے سے جو علوم ظاہری و باطنی کا بہترین امتزاج تھا آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا تھا ان کو ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ لے کر حاضر ہوتے تھے۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کا آغاز ایک ایسی تربیت گاہ سے کیا۔ جس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا طریقہ بھی بتایا جاتا تھا یا پھر یوں کہیے کہ علم و عمل ایک ساتھ چلتے تھے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم یہاں ہی مکمل فرمائی۔ فارسی کی کتب پڑھیں اور کچھ عربی نحو و صرف کی۔ اس کے بعد آپ پھر اپنے آبائی قصبہ کاندھلہ تشریف لے گئے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی رحمہ اللہ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے بیعت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عالم باعمل عارف باللہ اور فقیہ تھے۔ راقم الحروف نے اپنے استاد شیخ اور مربی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سے درس بخاری کے دوران میں متعدد بار خود سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا تھا۔

اُنھوں نے کاندھلہ میں نصرت الاسلام کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جس کا انتظام و انصرام یہ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام تھا۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ نے متوسط تعلیم یہاں ہی حاصل کی۔ یہاں کے محنتی مشفق اور درجہ علیا کے اساتذہ سے استفادہ فرمایا۔، تین سال یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ درجوں کی تعلیم کے لیے آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ یہاں دورہ حدیث تک تعلیم مکمل فرمائی۔ مظاہر العلوم کے ناظم سمیت اکابر واساتذہ کی مولانا مالک جیسے ہونہار محنتی اور ذہین طالب علم پر نظر شفقت رہی۔ آپ نے اپنی محنت شاقہ خداداد ذہانت و فطانت سے مظاہر العلوم میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا تھا۔ ادھر آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ دار العلوم دیوبند میں شیخ التفسیر ہوچکے تھے۔ چنانچہ 1958ء میں آپ نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو دار العلوم دیوبند بلالیا اور وہاں اپنی نگرانی میں علم الکلام سمیت علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کروائی۔ مظاہر العلوم کی طرح دار العلوم دیوبند میں بھی اکابر اساتذہ کی نظر شفقت اُنھیں حاصل رہی۔

دار العلوم میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر

احمد عثمانی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔ حضرت مولانا اعزاز علی۔ حضرت مولانا عبدالسمیع۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع۔ حضرت مولانا نافع گل رحمہم اللہ اور ان کے والد عظیم محدث و مفسر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ قابل ذکر ہیں۔ جس زمانے میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ دارالعلوم دیوبند سے بعض اختلافات کی بنیاد پر ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ حضرت عثمانی سمیت کئی اساتذہ بھی چلے گئے، ان کے ساتھ دورہ حدیث کے جو چالیس طلباء گئے تھے ان میں مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی تھے۔ آپ نے ڈابھیل میں دورہ حدیث مکرر کیا اور وہاں مولانا بدر عالم مہاجر مدنی اور مولانا عبدالرحمٰن امروہی سے استفادہ فرمایا۔

مولانا محمد یوسف خان جامعہ اشرفیہ لاہور میں آمد کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''رجب 1394ھ اور بمطابق 28 جولائی 1974ء کو حضرت مولانا محمد مالک صاحب کے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے حقیقی سے جا ملے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد مدظلہ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا کے اصرار پر برصغیر کی ممتاز درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں آئے، جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہم اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ اور جامعہ کی مجلس شوریٰ نے یہ بات طے کی کہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کے جانشین ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث والتفسیر کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے بروز پیر 18 رشوال المکرم ۱۳۹۴ھ بمطابق 5 نومبر 1974ء کو صحیح بخاری شریف کا پہلا سبق جامعہ اشرفیہ میں پڑھایا، راقم الحروف بھی اس درس میں شریک تھا اور اس سال حضرت شیخ الحدیث کے زیر سایہ دورہ حدیث کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ میں تشریف لانے سے قبل اگرچہ علمی افق پر ایک محدث کی حیثیت سے چمک رہے تھے لیکن جامعہ اشرفیہ میں تشریف لانے کے بعد ایک بین الاقوامی شخصیت بن گئے اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صحیح معنوں میں علمی جانشین ثابت ہوئے۔

جامعہ اشرفیہ میں آخری دم تک درس بخاری دیتے رہے، جس رات کے آخری پہر

حضرت شیخ کا انتقال ہوا اس سے ایک دن قبل یعنی جمعرات کو آپ نے درس بخاری معمول کے مطابق دیا۔ جامعہ اشرفیہ کے لیے آپ کی رحلت بہت بڑا حادثہ ہے۔ جامعہ کو مولانا اور مولانا کو جامعہ سے جو تعلق تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ جو جلد بھول جائے۔ آپ نے ساری زندگی خدمت حدیث میں صرف فرمائی اور ہزاروں کی تعداد میں شاگرد چھوڑے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشیں۔ آمین

(بیس علماء حق)

مولانا محمد تقی عثمانی آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ برصغیر کے مایہ ناز عالم اور بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے اوران کے علم وفضل کے صحیح وارث۔

آپ کا صحیح بخاریؒ کا درس بڑا مقبول درس تھا۔ ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کی درس حدیث کی مسند کو سنبھالنا کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن حضرت مولاناؒ نے ٹھوس علمی مذاق اپنے والد ماجدؒ سے وراثت میں پایا تھا اور ذوق مطالعہ بھی خوب تھا۔ چنانچہ آپ نے درس حدیث کے اس معیار کو بڑی حد تک برقرار رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کے رجوع و اقبال میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تدریس کے علاوہ اپنے والد ماجدؒ کی طرح مولاناؒ کو تصنیف وتالیف کا بھی خاص ذوق تھا آپ کی بہت سی ٹھوس علمی کتابیں آپ کے صدقہ جاریہ کے طور پر باقی ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ اپنی حیات میں تفسیر معارف القرآن کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے مولاناؒ نے ماشاء اللہ اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور تفسیر میں اپنے والد ماجدؒ کے رنگ کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔

اس کے علاوہ مولانا کی کتابوں میں "مناحل القرآن" بڑے پائے کی کتاب ہے جس میں علوم قرآن کے موضوع پر بڑی گراں قدر مباحث اور معلومات جمع فرمائی ہیں اور شاید اردو میں علوم القرآن پر اتنی ضخیم کتاب کوئی اور نہیں ہے اس کے علاوہ "تاریخ حرمین" اور "اصول تفسیر" بھی آپ کی گراں قدر علمی یادگار ہیں جو اپنے اپنے موضوع پر وقیع تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تدریس وتصنیف کے ساتھ ملت کے اجتماعی مسائل کا درد اوران کے ساتھ

خاص شغف بھی عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ صدر ضیاء الحق صاحب شہید مرحوم کے دور میں مجلس شوریٰ اور پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی رکن رکین رہے۔ جامعہ اسلامیہ اسلام آباد اور متعدد تعلیمی اداروں کی ذمہ دار مجالس اور نصاب کمیٹیوں کے بھی رکن رہے اور ان تمام حیثیتوں میں دین کی دعوت واشاعت کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں لیا۔

آپ کے ذہن پر مدت سے اس بات کا تقاضا تھا کہ دینی مدارس کے فضلاء میں ایسے حضرات کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو دعوت وارشاد کی لگن رکھتی ہو اور اس مقدس فریضے کی انجام دہی کے لئے ان ہتھیاروں سے لیس ہو جو اس دور میں ایک داعی حق کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے شمالی ناظم آباد کراچی میں ایک مستقل ادارہ اپنی عمر کے آخری حصے میں قائم فرمایا۔ جس کا بنیادی مقصد فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وارشاد کی تربیت دینا اور اس سلسلے کی ضروری معلومات سے آراستہ کرنا تھا۔ افسوس ہے کہ ابھی یہ ادارہ اپنے ابتدائی مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ وہ مولانا کی سرپرستی اور نگرانی سے محروم ہو گیا۔

مولانا بڑے متواضع، ملنسار، ہنس مکھ اور شفیق بزرگ تھے۔ آپ کی باتوں میں اپنے والد ماجدؒ کا علمی رنگ جھلکتا تھا' سنجیدگی اور متانت کے ساتھ عالمانہ خوش طبعی آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ علمائے دیوبند کے مسلک اور مزاج پر سختی سے کاربند تھے لیکن فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر دین کے مشترکہ مقاصد میں وحدت امت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ چنانچہ دوسرے مسلک کے حضرات بھی آپ سے اختلاف رکھنے کے باوجود آپ کے علمی مقام اور دین کے لئے آپ کے خلوص کے قائل تھے۔ عبادات کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذوق عطا فرمایا تھا اور علمی واجتماعی مشاغل کے ساتھ عبادات کا اہتمام قابل رشک حد تک تھا۔

اس دور میں کوئی اجتماعی علمی یا دینی کام کرنا ہو تو اس کی انجام دہی کے لئے ملک کے جن چیدہ لوگوں کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں' مولانا انہی میں سے تھے اور اس نازک دور میں ایسی شخصیت کا اٹھ جانا یقیناً ملت کا بہت بڑا نقصان ہے۔ ایسا خلا آج کے دور میں مشکل ہی سے پُر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مکمل مغفرت فرما کر انہیں جوار رحمت میں مقامات عالیہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین!

(ملخص از البلاغ جلد ۲۳ شمارہ ۷)

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

(وفات: ۱۹۸۹ء)

مورخہ ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ کو استاد محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی، ہمیں داغ مفارقت دیکر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخلصانہ دینی جذبے، بے پناہ قوت عمل، دین کیلئے انتھک جدوجہد اور گوناگوں دینی و علمی خدمات کے لحاظ سے ان شخصیات میں سے تھے، جو کسی بھی قوم کیلئے باعث فخر ہوسکتی ہے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مشاہیر علماء دیوبند سے تعلیم حاصل کی، علوم مروجہ میں پختہ استعداد کے حامل تھے، لیکن ابتداء میں انہوں نے کسی دینی مدرسہ کو اپنا مرکز فیض قرار دینے کے بجائے السنہ شرقیہ کے سرکاری امتحانات کی تیاری کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جو "ادارہ شرقیہ" کے نام سے مدتوں خدمات انجام دیتا رہا اور غالباً یہ السنہ شرقیہ کی تدریس کا ممتاز ادارہ تھا، جس سے شاید ہزارہا لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور عربی، اردو، فارسی کی معیاری تعلیم حاصل کی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولانا کے جذبہ فیض رسانی کو یہ ذریعہ ناکافی معلوم ہوا، اور مولانا اس نتیجے پر پہنچے کہ دین کی ٹھوس خدمات کیلئے کسی دینی مدرسہ ہی میں رہ کر روایتی طریقے سے علوم اسلامیہ کی درس وتدریس ضروری ہے۔ چنانچہ مولانا نے بڑی جانی اور مالی قربانیوں کے ساتھ رفتہ رفتہ ادارہ شرقیہ کے کاموں کو سمیٹ کر ہمارے دارالعلوم میں تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کر دیئے۔

یہ وہ وقت تھا، جب ۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ء) میں دارالعلوم نانک واڑہ کی قدیم عمارت سے حالیہ جدید عمارت میں منتقل ہوا تھا، اس وقت دارالعلوم کے آس پاس نہ کورنگی کی آبادی تھی نہ اس کا

کوئی تصور دارالعلوم کی زمین جنگلی جھاڑیوں اور ریتیلے ٹیلوں کے درمیان دو پختہ اور ایک زیر تعمیر عمارت پر مشتمل تھی۔ قریب میں ایک قدیم شرافی گوٹھ کے سوا کوئی آبادی نہ تھی۔ نہ بجلی تھی، نہ پانی، نہ ٹیلیفون اور شہر سے رابطہ کیلئے بس بھی ایک میل کے فاصلے سے ملتی تھی اور یہ پورا فاصلہ لق ودق صحرا پر مشتمل تھا۔ مولانا کیلئے ادارہ شرقیہ کی ذمہ داریوں کو یک لخت چھوڑ نا ممکن نہیں تھا اور اس لئے وہ دارالعلوم میں مستقل قیام بھی نہیں فرما سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے دارالعلوم میں تدریس کیلئے روزانہ آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا۔ شہر سے روزانہ دو بسیں بدل کر لانڈھی پہنچنا اور وہاں سے ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ اس طرح پیدل طے کرنا کہ ساتھ کتابیں بھی ہوتیں، اور چونکہ مولانا چائے اور پان کے نہ صرف عادی، بلکہ بلانوش تھے، اس لئے ساتھ چائے کا تھرماس بھی ہوتا، اور پان کا سامان بھی اور پھر کئی گھنٹے جم کر درس دینا اور بعد میں اسی طرح شہر واپس جانا اور وہاں جا کر ادارہ شرقیہ کی ذمہ داریاں نبھانا روزمرہ کا معمول تھا، جسے دیکھ کر ہم نوجوانوں کو بھی پسینہ آتا تھا اور یہ معمول ایک دو دن یا چند ماہ نہیں، مسلسل چار سال تک جاری رہا اور اس ساری مشقت کے صلے میں مولانا نے کوئی مالی معاوضہ لینا گوارہ نہیں فرمایا۔

برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور احقر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسی زمانہ میں ہم نے دیوان حماسہ حضرت مولانا سے پڑھا۔ مولانا بڑے لطیف ادبی مذاق کے حامل تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے دیوان حماسہ کے درس کی حلاوت ۳۳ سال گزر جانے کے بعد بھی قلب و ذہن میں اسی طرح تازہ ہے، اور دیوان حماسہ کے اشعار ان کے مخصوص انداز و آہنگ اور آواز کی اسی گھن گرج کے ساتھ آج بھی کانوں میں گونجتے ہیں اور بہت سے اشعار کی تشریحات اور اس کے ذیل میں بتائے ہوئے افادات اس طرح یاد ہیں، جیسے کل ہی ان سے یہ درس لیا ہو۔ درس کی یہ تاثیر بہت کم اساتذہ کے حصے میں آتی ہے کہ طالب علم کو سالہا سال گزرنے پر بھی اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہی نہیں، استاد کا لب ولہجہ بھی مستحضر رہ جائے۔

مولاناؒ اپنے حماسہ کے درس میں الفاظ کی لغوی تحقیق اور نحوی ترکیب کے علاوہ شعر کے مختلف ممکن معانی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتے اور اس کے ذیل میں عربوں کی معاشرت ان کی تاریخ ان کے عادات ونفسیات اور بالخصوص جاہلی اور اسلامی عہد کے درمیان پیدا ہونے والے فرق کی ایسی وضاحت فرماتے کہ طلبہ کے سامنے عرب کی خانہ بدوش اور قبائلی زندگی کا نقشہ کھنچ

جاتا۔ جاہلیت کی شاعری میں مشاہدہ کی جو قوت اور ذہنوں کی نفسیاتی کیفیت کا جو بے ساختہ بیان پایا جاتا ہے' اس سے خود بھی لطف لیتے' اور پڑھنے والے کو اس لطف میں حصہ دار بناتے' چنانچہ اسی وقت سے حماسہ کے بیشتر اشعار جو مولانا سے پڑھے تھے' کسی کوشش کے بغیر ازبر یاد ہو گئے تھے اور آج بھی جب کبھی وہ اشعار پڑھتا ہوں تو مولانا کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

مولاناؒ بڑے بلند آواز بزرگ تھے' دارالعلوم کی درس گاہوں اور دارالاقامہ کے درمیان کافی وسیع وعریض میدان حائل ہے اور اس وقت اس میدان میں ٹیلوں اور جھاڑیوں کی بھی کثرت تھی' لیکن ہم دارالاقامہ میں بیٹھ کر درسگاہ سے مولانا کی آواز سنا کرتے تھے اور اس طرح مولانا کی تشریف آوری کی اطلاع ہو جاتی تھی۔

دارالعلوم کے اس دور افتادہ مقام کا اور اس بے سروسامانی کے دور میں روزانہ شہر سے آکر کئی گھنٹے پڑھانا یقیناً مولانا کیلئے ایک شدید مجاہدہ سے کم نہ تھا' لیکن مولانا نے یہ مجاہدہ کئی سال جاری رکھا۔ پھر بالآخر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں جواب جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کے نام سے معروف ہے، تدریس شروع فرمادی، وہاں پہنچ کر مولانا نے رفتہ رفتہ ''ادارہ شرقیہ'' کے مشغلہ کو بالکل ختم ہی کر دیا اور ہمہ تن مدرسہ کے ہو کر رہ گئے۔ تدریس کے علاوہ مولانا انتظامی امور میں بھی حضرت مولانا بنوری صاحب قدس اللہ سرہ کے دست و بازو بنے رہے اور جب حضرتمولانا نے مدرسہ سے ماہنامہ ''بینات'' جاری کیا تو اس کے مدیر اور طابع وناشر کی حیثیت سے مولانا ہی کو منتخب فرمایا۔

مولاناؒ کے دل میں یہ تڑپ عرصہ سے تھی کہ دینی مدارس جو درحقیقت برصغیر میں اسلام کے قلعوں کی حیثیت رکھتے ہیں' ان میں تعلیم کا نظم وضبط اور مستحکم اور معیاری ہونا چاہئے اور اس معاملہ میں مختلف مدارس کے درمیان جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کو کم کرنا چاہئے۔ چنانچہ جب اس غرض کیلئے وفاق المدارس العربیہ کا قیام عمل میں آیا تو اگرچہ اس تنظیم کے رسمی مناصب پر تو اس وقت کے مشاہیر علماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات فائز رہے' لیکن اس بات کا اعتراف ان سب حضرات نے بارہا کیا کہ عملی طور پر وفاق کے کرتا دھرتا درحقیقت حضرت مولانا ادریس صاحبؒ ہی تھے' ہر تنظیم کی طرح وفاق بھی اپنی ابتداء میں وسائل کی قلت کا

شکار تھا' اور مولانا محرری سے لیکر ڈاک کی ترسیل تک کے تمام کام تن تنہا انجام دیتے تھے اور راتوں کو جاگ جاگ کر یہ کام نمٹاتے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد باتفاق آپ ہی کو وفاق المدارس کا صدر منتخب کیا گیا' اور اس عہدہ پر آپ آخر وقت تک فائز رہے۔

آپ ہی نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں تخصص فی الحدیث کا سلسلہ شروع کیا اور طلبہ سے مقالے لکھوانے اور ان کے مطالعے وغیرہ کی نگرانی کے فرائض نہایت عرق ریزی سے انجام دیئے۔ اسی دوران جب مرحوم صدر پاکستان محمد ایوب خان کے دور میں ادارہ تحقیقات اسلامیہ' اسلام آباد اور اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی تجدید پسندانہ تحقیقات سامنے آئیں' جو درحقیقت تحریف دین کی سرحدوں کو چھو رہی تھیں تو مولانا نے ''بینات'' میں اس کے خلاف بڑے وقیع علمی مقالے تحریر فرمائے اور ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى '' کا ترجمہ فرمایا' جو ''سنت کا تشریعی مقام'' کے نام سے شائع ہوا اور اس میں حدیث کی تشریعی حیثیت کے بارے میں سینکڑوں افراد کے دلوں سے شبہات کے کانٹے نکالے۔

حضرت مولانا کو حرمین شریفین کی حاضری کا والہانہ ذوق بھی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قابل رشک توفیق بھی ملی' بیس پچیس سال سے ان کا یہ معمول قضا نہیں ہوا کہ وہ رمضان کا عشرہ اخیرہ حرمین شریفین میں گذارتے' اور پھر حج کیلئے دوبارہ تشریف لے جاتے اس طرح سال میں دو مرتبہ کی حاضری ان کا لازمہ زندگی بن گئی تھی۔

سالہا سال سے ذیابیطس کے مرض کے باوجود ان کی قوت وہمت غیر معمولی تھی' لیکن اب چند سال سے ضعف بے حد بڑھ گیا تھا' چند قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود پانچوں نمازوں میں صف اول کی حاضری آخر وقت تک جاری رہی اور درس کی پابندی بھی آخر دم تک اس طرح باقی رہی کہ ٹھیک وفات کے دن بھی تفسیر جلالین کا درس دیا اور آخری آیت جو طلبہ کو پڑھائی وہ تھی۔

ان الابرار لفى نعيم

''بیشک نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہونگے''

بس یہی وہ منزل تھی، جس کے حصول کیلئے عمر بھر کی تگ ودو جاری تھی۔ اور اسی پر پہنچ کر قدرت کی طرف سے ان کا کاروان حیات روک دیا گیا۔ بس اس کے چند ہی گھنٹوں بعد ان کی روح انشاء اللہ جنت کی نعمتوں کی طرف پرواز کر گئی۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے ذمہ دار حضرات نے بڑا مناسب فیصلہ کیا کہ مولانا کی تدفین دارالعلوم کورنگی کے قبرستان میں کی جائے۔ چنانچہ ۲۵ جمادی الثانیہ کی شب میں یعنی شب جمعہ میں مولاناؒ کی نعش مبارک دارالعلوم پہنچی اور اس خاک میں دفن ہوگئی جہاں سے انہوں نے اپنی دینی مدارس کی زندگی کے سفر کا آغاز کیا تھا۔

اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ، ابدلہ دارًا خیرًا من دارہ واھلا خیرًا من اھلہٖ ونقہٖ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس.

(ماہنامہ البلاغ جلد ۲۳ شمارہ ۷)

اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گلؒ

(وفات:۱۹۸۹ء)

مولانا عزیر گلؒ اسی قافلہ حریت کے فرد تھے جس نے برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش میں برٹش استعمار کے تسلط کے خلاف عسکری، تہذیبی، تعلیمی اور سیاسی جنگ لڑی اور بالآخر اسے شکست دے کر اس خطہ زمین کی آزادی کی راہ ہموار کی۔

مولانا عزیر گل ریشمی رومال کی تحریک اور ایک منصوبہ بندی میں شیخ الہندؒ کے معتمد رفیق تھے اور انہی کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا جزیرہ میں کم وبیش پونے چار سال تک نظر بند بھی رہے۔ مولانا عزیر گلؒ مالاکنڈ ایجنسی کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دینی تعلیم کی تکمیل کی اور پھر انہی کے لیے وقف ہو کر رہ گے۔

آزاد قبائل میں فرنگی فوجوں کے ساتھ مسلسل لڑنے والے حریت پسند قبائل کے ساتھ شیخ الہندؒ کے خصوصی روابط تھے اور اس علاقہ میں شیخ الہندؒ کے شاگردوں اور حریت پسند رفقاء کی ایک بڑی تعداد مصروف جہاد تھی۔ قبائل کے ساتھ خفیہ روابط کے لیے مولانا عزیر گلؒ کو شیخ الہندؒ کے معتمد ایلچی کی حیثیت حاصل تھی اور وہ باہمی رابطہ کا ایک اہم ذریعہ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا عزیر گلؒ پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی سی آئی ڈی کی رپورٹوں کے مطابق حجاز مقدس میں ترک حکام کے ساتھ شیخ الہندؒ کا جو خفیہ معاہدہ طے پانے والا تھا اسے ہندوستان کے معتمد رفقاء تک پہنچانے کی ذمہ داری مولانا عزیر گلؒ کے سپرد ہوئی تھی۔ مولانا عزیر گلؒ اپنے استاد اور قائد حضرت شیخ الہندؒ کے عاشق زار تھے۔ مالٹا کی تنہائیوں میں خدمت کی سعادت حاصل کی اور اپنے عظیم استاد کے عظیم مشن میں ان کی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ مولانا عزیر گلؒ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی تک ان کے ساتھ متحرک رہے مگر ان کی وفات کے بعد پھر کام میں

وہ مزہ نہ ملا اور قیام پاکستان کے بعد تو بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے۔ مالاکنڈ ایجنسی میں سخاکوٹ سے دو میل کے فاصلے پر "سیرے نامی گاؤں ان کا آبائی گاؤں ہے وہیں سکونت اختیار کر لی اور یہیں سے 1989ء میں ان کا جنازہ اُٹھا۔

حضرت مدنیؒ کے بقول مالٹا جیل میں مولوی عزیر گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) مرحوم میں مشغول رہتے تھے اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے۔ اُنھوں نے زبان ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بحمد اللہ اچھی خاصی ترکی بولنے لگے۔ اس کے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر سوء بخت یا خوش نصیبی نے اس میں دستگیری نہ کی۔ ان کو حسب خواہش کوئی استاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلالی طبع سد راہ ہوتا رہا۔ موصوف کو اس کا شوق بہت ہے۔ یاد بھی جلد کر لیتے ہیں۔ مگر بھول بھی جاتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔

حضرت مدنیؒ کے فرزند مولانا سید اسعد مدنیؒ کا ایک مضمون ملاحظہ ہو:

"پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے بنام "تحریک ریشمی رومال اور مولانا حسین احمد" کتاب کے مصنف ہیں مولانا عبدالرحمٰن، اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لیے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ قرائن درج فرمائے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب) رحمہ اللہ نے خاص مجلسوں میں سر بستہ راز ظاہر فرمائے تھے عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلم بند فرما لیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبہ کے ساتھ خاص مجلسیں کریں وہ چشمہ فیض اور علم کے دریا تھے حلقہ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا۔ تشنگان علوم وہیں سیراب ہوتے تھے۔ طلبہ کو دعوت دے کر مجلس جمانا یہ ان کا طریقہ نہیں تھا۔

عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے بھی نہیں کہ سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ان کا نام بھی "رسوائے زمانہ" جیسے توہین آمیز خطاب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خودساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمی مجلس کا کام لیا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انہی ہفوات کو جمع کر کے جاذب توجہ نام رکھ دیا ہے "تحریک ریشمی رومال"۔ بہرحال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابل اعتنا ہے نہ وہ قرائن قابلِ التفات ہیں جن پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے مگر تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنھوں نے حضرت شیخ الہندؒ پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے اُنھوں نے تقریباً دو صفحے ان ہفوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے "محل غور" ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب و یابس جمع کر کے اپنی طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کے بجائے بار تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضہ غور و فکر اپنے بجائے ناظرین کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرآئن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب نے آخر میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں "کیا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مسلک کا فدائی انگریز سے رشتہ کر سکتا ہے۔ اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہو سکتا ہے؟

مولوی عبدالرحمٰن صاحب یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ اُنھوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیر گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحبہ کی خواہش پر ہوا تھا۔

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رڑکی پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحب مطالعہ تھیں بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کے بجائے دیوبند اور رڑکی کا قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی

پابند ہو گئیں، صوم وصلوٰۃ اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کریم ان کا مشغلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہِ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لیے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام لینا "لا تنابزو ا بالالقاب" کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے سامنے کوئی خیالی عزیر گل ہیں، جن کی زندگی بلند پایہ دولت مند کی سی رہی کیونکہ شیخ الہند رحمہ اللہ کے رفیق اسیر مالٹا عزیر گل جن کا تعلق والد صاحب رحمہ اللہ سے برادرانہ تھا اور بڑے بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر شفقت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ مولویانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔ نہایت سادہ بے تکلف حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا بے کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی۔ کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا اپنے لیے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خادم تھے واپس ہوئے تو زمانہ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند کے صدر رہے۔ کچھ معمولی سی تجارت بھی کرتے رہے۔ تنہا تھے کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ لکڑیوں کی ٹال بھی کر لی۔ اسی میں اپنا اثاثہ ختم کر دیا تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے رڑکی مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرا دیا۔ عرصہ تک اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی مجتسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کے لیے منتخب کر لیا۔ چند سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ 1940ء کے قریب کا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تحریک کا زمانہ جس میں جاسوسی ہو سکتی تھی اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی 15-1914ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو ہو گئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاء مجلس میں صرف مولانا عزیر گل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعے پہنچ سکتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ جن کاروائیوں میں مولانا عزیر گل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا ان کی خبر کس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا گل

صاحب سے کاوش ہے اسی لیے وہ تو ہمات کو قرائن قرار دے رہے ہیں اور اس میں خود اپنی نا تجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر رہے ہیں۔ خبر پہنچانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاء مجلس کے دوسرے لوگوں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اس کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔ مولانا عزیر گل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔ اس الزام کو مولانا عزیر گل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے اول تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں جو مولانا عزیر گل صاحب کو پہنچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بناء پر وہ ایک شخص کو عزیر گل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا۔ گویا پشتو بولنے والا عزیر گل .... بہرحال عبدالرحمٰن صاحب کوئی سنجیدہ اور قابل اعتناء شخص نہیں ہیں کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان ہفوات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے جس طرح مولانا عزیر گل صاحب کی توثیق کی ہے اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص 352 اور ص 402 پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی آئی ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت صاحبؒ نے نقش حیات میں تحریر فرمایا ہے۔ بقول مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عزیر گل صاحب جن کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے وہی لکھ رہے ہیں" جب سے وہ دیوبند میں تھا تب ہی سے مولانا محمود حسنؒ کا پکا مرید ہوگیا تھا بڑا اہم سازشی ہے"۔

بہرحال حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ کا دامن ان الزامات سے بری رہا۔ اور یہ مجاہد حریت، مجاہد فی سبیل اللہ ۱۹۸۹ء میں زندگی بھر اعلیٰ درجے کے تقویٰ و تدیّن کے ساتھ معروف عمل رہنے کے بعد حلاوت ایمان سے سرشاری کی حالت میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا امیر الزمان کشمیریؒ

(وفات: مئی ۱۹۸۹ء)

آزاد کشمیر کے علمی اور دینی حلقوں کیلئے تو مولاناؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی ' پاکستان کے بھی اکثر دینی مدارس میں مولاناؒ اچھی طرح متعارف تھے اور اپنے مخلصانہ دینی جذبے اور مجاہدانہ خیالات کے لئے مشہور و معروف۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور اسی جذبہ بیتاب کا نتیجہ تھا کہ وہ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء کے جہاد کشمیر میں بہ نفس نفیس شامل رہے۔ اور جب اس کے بعد حیدر آباد دکن میں انڈیا کی طرف سے پولیس ایکشن ہوا تو وہ ان ہزار ہا رضا کاروں میں شامل ہو گئے' جنہوں نے نہتے' اور بے سروسامان ہونے کے باوجود انڈیا کے ٹینکوں کی مزاحمت کی تھی۔ آزاد کشمیر کے ایک باشندے کا حیدر آباد دکن جا کر اس جدوجہد میں شریک ہونا جہاد کے گرم جوش جذبے کے سوا اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

سقوط حیدر آباد کے بعد مولاناؒ کراچی تشریف لے آئے تھے، فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ مولاناؒ سبق بھی بڑے دلنشین انداز میں پڑھاتے اور ساتھ ساتھ جہاد کشمیر اور حیدر آباد دکن کے واقعات بھی سناتے اور اسی کا اثر تھا کہ بچپن کے اس عالم میں جہاد کا شوق دل میں پیدا ہوتا چلا گیا۔ اپنی شامت اعمال سے کبھی کسی جہاد میں عملی حصہ لینے کی نوبت تو نہیں آئی، لیکن پانچ وقت کی نمازوں میں یہ دعا ضرور شامل ہو گئی کہ یا اللہ! جہاد کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرما۔

۱۹۵۳ء میں ملک بھر میں قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی' مولانا امیر الزمان کشمیری صاحبؒ کے مجاہدانہ جذبے نے اس موقع پر یہ رخ تلاش کر لیا اور مولاناؒ کراچی کی

سطح پر اس تحریک کے روح رواں بنے رہے۔ اس راہ میں چوٹیں کھائیں، زخمی ہوئے اور بالآخر جیل چلے گئے۔ اور اس کے بعد "فتنہ مرزائیت" کے نام سے ردقادیانیت پر مفصل کتاب بھی تحریر فرمائی۔

مولاناؒ اکابر علماء دیوبند کے عاشق تھے' تحریک پاکستان کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا' لیکن مولاناؒ اس اختلاف رائے سے بے نیاز اپنے تمام بزرگوں کے ساتھ یکساں عقیدت ومحبت رکھتے اور اگر کبھی کوئی شخص ان حضرات کے بارے میں کوئی ثقیل جملہ کہہ دیتا تو مولاناؒ کے جلال وعتاب سے ان کی اس بے لوث اندرونی محبت کا اظہار ہوتا تھا جو اکابر علماء دیوبند کیلئے ان کی رگ وپے میں سرایت کرگئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو صبر وشکر کی تصویر بنایا تھا، وہ اپنی مجاہدانہ زندگی کے دوران بہت سے سخت مصائب سے دوچار ہوئے' فقر وفاقہ برداشت کیا' مشقتیں جھیلیں' لیکن ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک پر طمانیت تبسم جلوہ ریز دیکھا۔ دینی جدوجہد کے علاوہ مولاناؒ کی گھریلو زندگی ایک آزمائش سے کم نہ تھی۔ ان کے ایک صاحبزادے کو دودھ پینے ہی کی عمر میں کوئی بیماری لاحق ہوئی اور غالباً غلط علاج کے نتیجے میں بچے کی ذہنی نشوونما بند ہوگئی' بچے کی جسمانی بڑھوتری بدستور جاری رہی' لیکن ذہنی طور پر دو سال ہی کا بچہ رہا' سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد بھی اس کی تمام حرکات وسکنات ایک شیرخوار بچے کی مانند تھیں۔ اپنے جگر گوشہ کی یہ ذہنی معذوری مولانا جیسے حساس باپ کے لئے ہر وقت سوہان روح تھی، لیکن انہوں نے جس صبر واستقامت کے ساتھ اس المیہ کا سامنا کیا وہ بذات خود ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

چند سال پہلے کچھ ظالموں نے فرقہ وارانہ منافرت کی آگ بھڑکا کر ایک مسجد میں مولاناؒ پر حملہ کیا' اور اس طوفان بدتمیزی میں ایک لکڑی مولاناؒ کی آنکھ میں اس طرح لگی کہ آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ کشمیر اور راولپنڈی سے لیکر کراچی تک ہر مشہور ہسپتال میں اس کا علاج ہوا' کئی بار آپریشن بھی ہوئے' اور کئی کئی مہینے متواتر مولاناؒ ہسپتال میں داخل رہے' لیکن آنکھ کی وہ تکلیف نہ جانی تھی' نہ گئی۔ بلکہ اس دوران اور متعدد پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں، ذیابیطس کی تکلیف پہلے سے تھی' بار بار کے آپریشنوں نے کمزور بھی بہت کردیا۔ یہاں تک کہ بالآخر دل کی تکلیف بھی شروع

ہوگئی۔ لیکن امراض و آلام کے اس ہجوم میں بھی انہیں کبھی شکایت کرتے تو کیا، گھبراتے بھی نہیں دیکھا۔ جب کبھی ملاقات ہوتی احقر کے جواب میں صحت کا مختصر ذکر کرنے کے بعد حسب معمول علمی، ذہنی اور اجتماعی موضوعات پر بات شروع کر دیتے' اور سننے والے کو یہ احساس بھی نہ ہونے دیتے کہ وہ کسی شدید تکلیف کا شکار ہیں۔

بالآخر مولانا جہاد زندگی میں سرخرو ہو کر اپنے مالک کے حضور پہنچ گئے اور

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

انا للہ و انا الیہ راجعون.

(البلاغ جلد ۲۴ شمارہ ۴)

حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندیؒ

(تاریخ وفات: ۱۹ ستمبر ۱۹۸۹ء)

بیرون ملک کے طویل سفر سے واپس آئے ابھی دو دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ آپ نے سلانوالی جانے کیلئے رخت سفر باندھا۔ ایک معروف دینی مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کیلئے آپ نے پروگرام طے کیا ہوا تھا۔ اہل خانہ نے مشورہ بھی دیا کہ طبعی نقاہت کے پیش نظر آپ معذرت کرلیں۔ آپ نے جواب میں یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود (اے ایمان والو اپنے وعدوں کو پورا کرو) اور ان العھد کان مسئولا (بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائیگا) کی آیات پڑھ کر کہا کہ یہ آیات کریمہ مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے رہیں۔ مزید برآں میں اس دنیا میں آرام کیلئے نہیں بلکہ کام کیلئے پیدا ہوا ہوں۔ آپ کی بات اتنی وزنی تھی کہ اہل خانہ کے لئے خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب کے ہمراہ آپ سلانوالی روانہ ہوئے، موسم گرما میں خشک پہاڑی علاقے کا سفر طبیعت پہ بار گراں ثابت ہوا جسے آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ راقم الحروف بھی جھنگ سے جماعت کے ہمراہ آپ کی زیارت کیلئے سلانوالی حاضر ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید جناب حضرت قاری عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے تلاوت قرآن پاک سے مجلس کا آغاز کیا، اس کے بعد آپ نے وصیت کے رنگ میں نصیحت فرمائی، آپکا بیان موت کے عنوان پر تھا۔ جبکہ سامعین میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ آپ کی سفری زندگی کا آخری بیان ہے۔ مجلس کے اختتام پر کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ اسی دن گھر واپس تشریف لے آئے۔ گھر پہنچتے ہی طبیعت ناساز ہوگئی چنانچہ اگلے دن نماز فجر

کے بعد آپ درس قرآن بھی نہ دے سکے۔

چنانچہ آپ کو ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کروایا گیا۔ آپ کے معالج خصوصی جناب بریگیڈیر ذوالفقار صاحب کو آپ سے بے پناہ محبت اور قلبی عقیدت تھی۔ آپ کو ائیر کنڈیشنڈ کمرہ الاٹ کیا گیا جناب بریگیڈیر صاحب نے ذاتی دلچسپی اور خصوصی توجہ سے مختلف ٹیسٹ کروائے اور چند دن کے غور وخوض کے بعد نتیجہ پر پہنچے کہ آپ کے بدن مبارک میں یا تو نیا خون بننا بند ہو گیا ہے اور اگر بنتا ہے تو اس سے زیادہ مقدار میں ضائع ہو رہا ہے۔ علاج معالجہ شروع ہوا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آپ کی علالت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیل گئی۔ ملک وبیرون ملک سے عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

ہسپتال کا عملہ بھی آپ کی خبر گیری میں حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کے جسم مبارک میں خون کی کمی کی رفتار میں اضافہ ہوتا گیا۔ بیماری کی صحیح تشخیص ہونے پر کم و بیش دو ماہ بعد ڈاکٹر حضرات نے آپ کو گھر منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ چکول واپس آنے پر آپ کی سہولت میں حاضر خواہ اضافہ ہوا۔ جب بھی خون کی بوتل لگائی جاتی آپ کی طبیعت چند دن کیلئے سنبھل جاتی پھر تدریجاً نقاہت ہو جاتی۔ کئی دن یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران پیش آنے والے چند حالات اور واقعات کا خلاصہ صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب زید مجدہ کے تعاون سے پیش خدمت ہے۔

ایک مرتبہ دار العلوم کے چند اساتذہ عیادت کیلئے حاضر خدمت ہوئے، آپ نے فرداً فرداً سب کی خیریت دریافت فرمائی۔ مدرسہ کے انتظامی امور اور طلباء کے تعلیمی وتربیتی پہلو کے متعلق استفسار فرمایا۔ پھر کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کو روزانہ حلوہ کھلاؤں لیکن انتظامی مشکلات سد راہ بنتی ہیں۔ پھر فرمایا کہ آپ لوگ مجھے آخرت کے بارے میں کچھ احادیث مبارکہ سنائیں۔ اس پر حضرات مولانا غلام رسول صاحب دامت برکاتہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات مبارکہ سنائے۔ سنتے ہی آپ کے چہرہ انور پر ایسی طمانیت ظاہر ہوئی جو دیدنی تھی شنیدنی نہیں۔ پھر فرمایا آپ لوگ تو میرا کنبہ ہیں۔ پھر دعائیں دیکر رخصت کیا۔

آپ کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا حکیم عبداللطیف صاحب دامت برکاتہم عیادت کیلئے حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا حکیم صاحب ایک بیماری ہوتی ہے ایک منتہائے عمر ہوتی ہے۔

میں اب اپنی عمر کی انتہا پر پہنچ چکا ہوں۔

ایک رات اڑھائی بجے آپ اچانک اٹھ کر بیٹھ گئے، پاؤں نیچے لٹکائے ہوئے تھے، دریں اثناء بڑی صاحبزادی صاحبہ کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے پوچھا ابا جان کیا آپ کو بھوک لگتی ہے یا پیاس؟ صاحبزادہ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب بھی اتنے میں بیدار ہو گئے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر اطہر سے تشریف لائے ہیں، میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن بوجہ کمزوری اٹھ کر بیٹھ نہ سکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سہارا دیکر بٹھا دیا۔ آپ لوگ دیکھ لیں کہ میں بیٹھا ہوا ہوں" خواب بیان فرما کر آپ نے صاحبزادہ مولانا عبدالرؤف صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ خوشخبری نہیں ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے عرض کیا، حضرت یقیناً خوشخبری ہے، پھر فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت بڑی چیز ہے"۔

ایک دفعہ آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ صاحبزادہ مولانا عبدالرؤف صاحب قریب لیٹے ہوئے تھے آپ کی آواز پر بیدار ہوئے۔ پوچھا حضرت آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ اوپر اشارہ کر کے کہا " اسطرف سے فیض آ رہا ہے تو کیوں نہیں لے لیتا۔ لے لو۔ لے لو"۔

چند سال قبل جبکہ اماں جی صاحبہ دام ظلہا بھی ہمراہ تھیں حرم شریف میں اشراق کے نوافل پڑھنے کے بعد آپ نے ایک خواب سنایا "میں فوت ہونے لگا ہوں اور میری روح عرش کی طرف پرواز کر رہی ہے اور میں اسے پرواز کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔، جمعرات کا دن ہے" چنانچہ منگل 19 ستمبر 1989ء کو آپ نے صاحبزادہ صاحب سے دریافت فرمایا "کیا آج جمعرات کا دن ہے" انہوں نے عرض کیا جی نہیں آج منگل کا دن ہے۔ آپ اس انداز سے سوچنے لگے جیسا کہ جمعرات کی آمد کے منتظر ہوں۔

جانشین کی نامزدگی

جب آپ کی بیماری رفتہ رفتہ مرض الموت کی صورت اختیار کر گئی تو ایک دن آپ نے سب اہل خانہ کو جمع فرمایا اور اپنے بیدار، ذی استعداد، علم وفضل میں کامل، ذہانت وذکاوت کے

حامل، جامعیت اور سلامت فہم میں اسلاف کی زندہ یادگار صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی صاحب کو اپنے باطنی کمالات کا حامل و امین بنا کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ پھر اپنے سر مبارک سے اپنی دستار اتار کر حضرت صاحبزادہ صاحب کے سر پر رکھ دی۔ کافی دیر حضرت صاحبزادہ صاحب پر گریہ طاری رہا۔ اہل خانہ بھی آبدیدہ ہوئے اور یوں ایک پہاڑوں برابر بوجھ ان کے کندھوں پر آن پڑا۔ فیضان نسبت شریفہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ایسا ورود ہوا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائی۔

والدہ صاحبہ کی استقامت

ستمبر 1989ء میں تقریباً اڑھائی ماہ گزرنے کے بعد آپ کی علالت پیچیدہ بیماریوں کا مجموعہ بن گئی۔ کبھی خون میں ہومیوگلوبن کم ہو جاتا۔ کبھی بلڈ یوریا زیادہ ہو جاتا۔ کبھی ایک بیماری غالب آتی کبھی دوسری بیماری زور کرتی۔ اسی آنکھ مچولی میں بدن کے کمزور ہونے کی شرح بہت زیادہ ہوگئی۔ پھر اچانک ایک دن آپ کو یرقان کی شکایت ہوگئی۔ جناب ڈاکٹر محمد مرسل صاحب اور جناب ڈاکٹر غلام محبوب صاحب نے ماہر ڈاکٹر حضرات کی تجویز کردہ دوائیں نہایت اہتمام اور پابندی کے ساتھ آپ کو دیں لیکن مشیت ایزدی کے سامنے ہر چیز بے سود ثابت ہوئی۔ ایسے حالات میں جبکہ مریض متعدد بیماریوں کی وجہ سے بے چینی محسوس کرے عموماً ڈاکٹر حضرات بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں اور مریض کو دم آخر کلمہ کی تلقین بھی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ اماں جی صاحبہ نے حفظ ماتقدم کے طور پر سب ڈاکٹروں کو منع فرما دیا کہ بے ہوشی کا ٹیکہ استعمال نہ کیا جائے۔

19 ستمبر 1989ء کو آپ پر بیماریوں کا شدید غلبہ ہوا۔ طبیعت میں بے چینی بہت زیادہ ہوگئی۔ اہل خانہ نے ساری رات جاگ کر گزاری۔ صبح جب نور کا تڑکا ہوا تو موت کے گھمبیر سائے آپ کے گرد منڈلاتے نظر آئے۔ صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قاسمی نے وقت کی نزاکت کا ادراک فرمالیا اور آپ کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "حضرت ہم سے زندگی میں جتنی بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ ہم معافی کے خواستگار ہیں آپ معاف فرما دیں۔ آپ نے سر مبارک کے اشارے سے ہاں کر دی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے پھر معافی مانگی آپ نے جواباً سر ہلا دیا۔ آپ کی وصیت کے مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کی درج ذیل مسدس پڑھی۔

تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گراں دوں تجھ سے فقط فریاد رہے

اب تو رہے بس تادم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ

مجھ کو سراپا ذکر بنا دے ذکر ترا اے میرے خدا
نکلے میرے ہر بن مو سے ذکر ترا اے میرے خدا
اب تو کبھی چھوڑے نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ

پہلو میں جب تک قلب رہے اور تن میں جب تک جان رہے
لب پہ تیرا ہی نام رہے اور دل میں ترا ہی دھیان رہے
جذب میں پراں ہوش رہے اور عقل میری حیران رہے
لیکن تجھ سے غافل ہرگز دل نہ مرا اک آن رہے

اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ

☆

مسدس سنتے وقت آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ چہرہ مبارک گواہی دے رہا تھا کہ آپ کو طمانیت قلب نصیب ہو رہی ہے۔ 20 ستمبر صبح نو بج چکے تھے۔ آپ کے نواسے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نے تلاوت قرآن پاک شروع کی۔ جب انہوں نے یاایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ پڑھا تو آپ نے آنکھیں کھول کران کی طرف دیکھا۔ (یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء کا آخری کلام نماز کی بابت ہوا ہے) اتنے میں انہوں نے پڑھا ان اللہ مع الصبرین یہ سن کر آپ مسکرائے اور بزبان حال اللھم انت الرفیق الاعلیٰ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

ترجمہ: میں تجھے مرد مومن کی نشانی بتاؤں کہ جب موت آئے تو اس کے لبوں پر تبسم ہو۔

وہ آفتاب حقیقت جس کی شعاؤں سے ایک عالم منور تھا دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہو گیا۔ آپ کا وصال مبارک 20 ستمبر 1989ء بروز جمعرات صبح 9 بج کر اٹھارہ منٹ پر ہوا۔ اور یوں آپ لاکھوں مریدین کو سوگوار چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خالق حقیقی کو جا طے۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

ترجمہ: اور قیس کی موت کسی ایک کی موت نہ تھی بلکہ وہ تو قوم کی دیوار تھی جو دیوار کہ گر گئی۔

موت العالم موت العالم کے مصداق آپ کی وفات سے صفا کیشوں کے حلقہ میں نہ پُر ہونے والا خلا پیدا ہو گیا۔ متعلقین و مریدین آپ کے فراق میں مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جان جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان جانی ہے

آپ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع دینے کے لئے حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن

قاسمی صاحب جیسے ہی مہمان خانہ میں وارد ہوئے راقم الحروف کو موجود پایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب یہ کہتے ہوئے سینہ سے لپٹ گئے کہ ''ذوالفقار صاحب ابا جی جنت میں چلے گئے''۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے والد بزرگوار محسن و مربی مشفق و مرشد کی جدائی میں اس طرح رو رہے تھے گویا کہ صبر کا پرندہ آشیانہ دل سے اڑ گیا ہو۔

حال من در ہجر حضرتؒ کم تر از یعقوبؑ نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

ترجمہ: میرا حال حضرتؒ کی جدائی میں یعقوبؑ کے حال سے کم نہیں۔ ان کا بیٹا جدا ہوا تھا اور میرے والد جدا ہوئے ہیں۔

لوگ دورونزدیک سے مورو ملخ کی طرح جنازہ میں شرکت کے لئے آنے لگے

انا لله وانا اليه راجعون. اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده اللهم اجرنا في مصيبتنا واخلف لنا خيرا منها وانا بفراقك يا شيخ لمحزونون

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

ترجمہ: جو کچھ مجھ سے گم ہوا ہے اگر سلیمانؑ سے گم ہوتا تو سلمانؑ بھی پریاں بھی اور جن بھی رو پڑتے۔

(ملخص از مضمون مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی)

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ

(وفات: ۱۴ رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۱ء)

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے مشہور عالم و عارف حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کیمبلپوری قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے، اور شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ کے داماد۔ اس طرح نسب اور مصاہرت دونوں میں جہتوں سے ان کو بڑی عظیم نسبتیں حاصل تھیں۔ ان کے والد ماجد (حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوریؒ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے اور حضرت کے خلفاء میں آپ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آپ کو بیعت سے پہلے ہی خلافت عطا فرما دی تھی۔

مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض سے نوازا اور اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہ سے تلمذ اور استفادے کی دولت عطا فرمائی۔ حضرت بنوری صاحب قدس سرہ کی مسلسل صحبت حاصل ہوئی، یہاں تک کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی کا عقد بھی ان کے ساتھ کر دیا۔

آپ نے حضرت بنوری قدس سرہ سے علم حدیث میں استفادے کے علاوہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہم العالی سے افتاء کی تربیت حاصل کی۔ حضرت مولانا بنوری صاحب قدس سرہ کی حیات طیبہ کے دوران انہوں نے عموماً کم آمیزی کی زندگی گذاری، لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب مدرسے کے انتظام و اہتمام کی تمام تر ذمہ داریاں ان کے کندھے پر آگئیں تو انہوں نے اپنی زندگی مدرسے اور اس کے متعلقہ امور کے علاوہ دین کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔

مدرسے کی خدمات کے علاوہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں

بھی گہری دلچسپی لیتے تھے اور ان کی فعال زندگی دین کے مختلف شعبوں میں گوناگوں خدمات کے لئے وقف ہوگئی تھی۔

آپ ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے نائب صدر بھی تھے اور ''سواد اعظم اہلسنت پاکستان'' کے ناظم اعلیٰ بھی' اور اب حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی قدس سرہ کی وفات کے بعد ''وفاق المدارس العربیہ'' کے ناظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں بھی انہی کے کندھوں پر آگئی تھیں۔ ان میں سے ہر کام ایسا ہے جو ہمہ وقتی توجہات اور مصروفیات کا طالب ہے' لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی متحرک شخصیت ان تمام ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ نبھا رہی تھی۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کو ملک اور بیرون ملک طویل سفر بھی پیش آئے' اور اس طرح ان کی خدمات کا دائرہ نہ صرف برصغیر بلکہ افریقہ اور یورپ کے علاقوں تک پھیل گیا۔

مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) ایک متواضع' سادہ اور شگفتہ شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے دل میں دین کا درد اور اس کے لئے غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی غیرت ایمانی کی بدولت انہوں نے اپنی ذات کے لئے بڑے بڑے خطرات مول لئے' لیکن جس موقف کو وہ درست سمجھتے تھے' اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اپنے غیرت دینی کے زیر اثر انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں' دشمنیاں بھی مول لیں' لیکن کوئی لالچ یا خوف انہیں اپنے راستے سے نہ ڈگمگا سکا۔

قحط الرجال کے اس دور میں' جب خدمت دین کے ہر شعبے میں مناسب رجال کار کا فقدان ایک خوفناک ملی مسئلہ بن چکا ہے' وہ ان لوگوں میں سے تھے' جنہوں نے بیک وقت بہت سے محاذ سنبھالنے ہوئے تھے۔ اور جب بھی ملت اسلامیہ کے مسائل میں کسی اجتماعی کام کی ضرورت پیش آتی' تو مولانا ان حضرات میں سے تھے جن کی طرف پر امید نگاہیں سب سے پہلے اٹھتی ہیں۔ ان کی عمر' صحت' قوی اور چاق و چوبند وجود میں خوردبین لگا کر بھی کسی ایسے اندیشے کا شائبہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ اتنی جلدی داغ مفارقت دے جائیں گے' لیکن قدرت کے فیصلے ہمارے قیاسات' تخمینوں اور خواہشات سے ماورا ہیں۔ اس دنیا میں ہر شخص اپنی زندگی کے گنے ہوئے سانس لے کر آیا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس میں کمی یا اضافہ نہیں کر سکتی۔

وفات کے دن بھی وہ اپنی معمول کی زندگی میں مصروف رہے' یہاں تک کہ رات کے وقت مدرسہ بنوریہ میں مشکوۃ شریف کے ختم کی تقریب میں شرکت فرمائی اور وہاں سے ساڑھے نو

بجے رات کو اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔ اس وقت بھی کسی کو دور دور اندازہ نہ تھا کہ اب یہ صرف چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔

لیکن رات کو بارہ بجے کے بعد سینے میں درد اور اس کے ساتھ کھانسی کا دورہ شروع ہوا جو ایک دو گھنٹے ہی کے اندر شدت اختیار کر گیا۔ رات کو تین بجے کے بعد انہیں ایمبولینس کے ذریعہ امراض قلب کے ہسپتال لے جایا گیا' لیکن!

علاج درد سے کچھ اور درد بڑھ ہی گیا۔

وہاں پہنچ کر درد و کرب کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا چلا گیا' معلوم ہوا کہ معالج حضرات نے اپنی فنی مہارت کے تمام راستے اختیار کر لئے اور اپنی طرف سے کسی تدبیر میں کوئی کمی نہیں کی' لیکن!

داعیا دواء الموت کل طبیب

مولاناؒ کی منزل قریب آ چکی تھی' مقدر کے سانسوں کی تعداد پوری ہو رہی تھی جس کے بعد کوئی ڈاکٹر' کوئی حکیم' کوئی سائنس اور کوئی ہنر کام نہیں دیتا۔ کچھ دیر موت وحیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد بالآخر وقت موعود آ پہنچا اور مولانا ایک ہی جست میں اپنے وطن اصلی تک پہنچ گئے۔

نماز فجر کے بعد مولانا کی وفات کی خبر شہر کے تمام علمی و دینی حلقوں میں پھیل گئی' دار العلوم اور دوسرے بہت سے مدارس میں اسباق بند کر کے علماء وطلبہ ایصال ثواب میں مصروف ہو گئے، وفات کے بعد مولانا کی نعش رکھی ہوئی تھی' چہرے پر واضح تبسم تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ایک طویل اور پر مشقت سفر کے بعد کوئی مسافر منزل پر پہنچ کر آسودہ ہو گیا ہو۔

شام کو عصر کے وقت نماز جنازہ ادا کی گئی، شرکت کے لئے دوبارہ حاضری ہوئی مسجد اور مدرسے کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں آدمی نہ ہوں۔ ہزار ہا افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی جناب مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب نے جو وفات کی خبر سن کر راولپنڈی سے یہاں پہنچے تھے' نماز جنازہ پڑھائی۔ اطراف ملک سے بعض دوسرے علماء بھی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے کراچی پہنچے تھے' وہ بھی نماز میں شریک ہوئے۔

اور اس طرح ایک متحرک اور فعال وجود' جو کل تک علمی اور دینی حلقوں کا ایک جزو لازم معلوم ہوتا تھا' دیکھتے دیکھتے قافلے سے الگ ہو گیا۔

خلیفۂ حکیم الامت

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ

(وفات: ۲؍اکتوبر ۱۹۹۱ء)

پاکستان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے آخری خلیفہ اور مجلس اشرفی کی آخری یادگار حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ العزیز ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا نفس وجود بہت سے فتنوں کے لئے آڑ بنا رہتا ہے اور اس پر آشوب زمانے میں جن کے تصور ہی سے قلب کو تسکین ہوا کرتی ہے۔

نام و نمود کی اس دنیا میں جہاں شخصیتوں کو پبلسٹی کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ کو جاننے اور پہچاننے والے بہت زیادہ تو نہیں تھے لیکن علم و دین اور اصلاح و ارشاد کے حلقوں میں آپ کی شخصیت اس وقت مرجع خلائق تھی اور اس بات کا زندہ ثبوت کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے' وہ اپنی ذات کو کتنا چھپانے کی کوشش کرے لیکن اس کی سیرت و کردار کی خوشبو دور دور تک پہنچ کر رہتی ہے۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۱ء میں آزاد قبائل کے علاقے مہمند ایجنسی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا خائستہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم باعمل بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد خان محمد خان صاحب نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے وقف کیا اور آپ ابتدائی تعلیم تحصیل چارسدہ میں حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس

سرہ کے مدرسے میں امرتسر تشریف لے گئے اور تقریباً دس سال تک حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، جو آپ پر نہایت شفقت فرماتے اور آپ کو بکثرت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے اور حضرت حکیم الامت کے عاشق صادق، چنانچہ جب آپ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں تھانہ بھون تشریف لے جاتے تو اکثر حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ شروع سے نہایت رقیق القلب تھے اور دین کی باتوں کے دوران آپ پر اکثر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہ سلسلہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے درس تفسیر و حدیث یا وعظ کے دوران بھی جاری رہتا اور حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں بھی۔ یہاں تک کہ حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق رکھنے والے حضرات میں آپ کا لقب "بکاء" (بہت رونے والے) مشہور ہو گیا تھا۔ یہ گریہ بے اختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی محبت یا خوف کی بناء پر ہوتا تھا اس میں اکثر آواز بھی بلند ہو جاتی تھی اور اس کا سننے والوں پر بھی اثر ہوتا تھا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس میں بناوٹی قسم کے حال وقال کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ کا یہ گریہ ان کی حقیقی باطنی کیفیت کا آئینہ دار تھا' اس لئے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس پر نہ صرف کوئی گرانی محسوس نہیں فرمائی بلکہ جب آپ خانقاہ میں حاضر ہو کر حضرت تھانوی قدس سرہ سے مصافحہ کرتے تو آپ فرماتے "رونق آگئی، رونق آگئی"۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ تنہا تھانہ بھون تشریف لے گئے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کو امرتسر چھوڑ آئے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے پوچھا "فقیر محمد کا کیا حال ہے؟" حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ "آجکل ان پر گریہ بہت طاری ہے اور اسی وجہ سے انہیں چھوڑ آیا ہوں کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو"۔

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا "ان کے گریہ سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی"

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی معرفت حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے

تعلق قائم ہوا' یہاں تک کہ حضرتؒ نے آپ کی بیعت کی درخواست نہ صرف قبول فرمائی بلکہ بعد میں آپ کو اپنا مجاز بیعت مقرر فرمایا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ اس تعلق کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے لئے آئینہ باطن تھے۔ ہر عیب اور خوبی مجھے ان کے ذریعے سے معلوم ہوتی تھی اور اس کی اصلاح بھی کرتے۔ ان کی مجلس سے مجھے جو کچھ ملا ہے میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ راز کی باتیں ہیں۔ حضرتؒ دین اور دنیا دونوں کے کفیل تھے ایک مرتبہ فرمایا'' جاؤ شادی کرو' شادی پر جو خرچ ہوگا میں دیدوں گا''۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات سے پہلے چھ ماہ تک متواتر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ کو اپنے شیخ کی خدمت کی توفیق ہوئی حضرتؒ کی علالت کے زمانے میں حضرتؒ کی مسلسل خدمت کا شرف جن بزرگوں کو حاصل ہوا ان میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ نے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا ''تم دونوں نے میری بہت خدمت کی ہے'' دونوں حضرات نے عرض کی کہ ''یہ تو آپ کی کرم نوازی ہے کہ آپ ہم پہاڑی لوگوں سے خدمت کرواتے ہیں ورنہ آپ کے تو ہزاروں خادم موجود ہیں'' حضرت قدس سرہ فرماتے تھے کہ ''یہ دونوں میری خدمت بھی کرتے ہیں اور احسان بھی مانتے ہیں''۔

ایک طرف جذبہ خدمت ومحبت کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف خود فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے مجھے تھانہ بھون کی ہر چیز پر گریہ طاری نظر آتا تھا۔ مسجد کے ستون' محراب' سہ دری' حضرتؒ کا گھر غرض ہر چیز روتی ہوئی معلوم ہوتی تھی' اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا وقت قریب آچکا ہے اور چونکہ مجھ میں اس صدمے کی تاب نہ تھی اس لئے وہاں سے چلا آیا اور ایک ہفتے بعد ہی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے استاذ ومربی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ سے تعلق قائم رکھا اور اس کے بعد دوسرے اکابر علماء نے آپ

سے اصلاحی تعلق فرمایا اور اصلاح وارشاد سے فیض یاب ہوئے۔

آپ نے پشاور کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ''لنڈی ارباب'' میں تعلیم قرآن کریم کا ایک مدرسہ قائم فرمایا ہوا تھا وہیں پر اقامت پذیر ہوئے تھے اور وہیں ''خانقاہ اشرفیہ'' کے نام سے ایک خانقاہ قائم فرمائی تھی۔ لیکن سالہا سال سے معمول یہ تھا کہ چھ ماہ حرمین شریفین میں قیام فرماتے اور چھ ماہ اپنے گھر پر گذارتے۔ ضعف اور علالت کے باوجود حرمین شریفین کی حاضری کا یہ معمول آخر دور تک جاری رہا اور اس طرح حضرتؒ کے فیوض پاکستان کے علاوہ حجاز کے مستفیدین تک بھی پھیل گئے۔

جنہوں نے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب قدس سرہ کی زیارت کی ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرتؒ کے چہرہ مبارک پر بلا کی معصومیت تھی، حضرتؒ معروف طریقے سے وعظ وتقریر نہیں فرماتے تھے لیکن اللہ والوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے لفظ وبیان کی حاجت نہیں ہوتی ان کا چہرہ مہرہ ان کا انداز واداء اور ان کی ایک ایک نقل وحرکت مجسم پیغام ہوتی ہے۔ ایسا پیغام جو براہ راست دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیتا ہے۔ بس یہی حضرتؒ کا انداز تربیت و اصلاح تھا جس سے سینکڑوں افراد سیراب ہوئے۔

چنانچہ حضرتؒ کے خلفاء مجازین میں ہمارے دور کے اکابر علماء شامل ہیں جن میں سے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی، حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانوی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

لنڈی ارباب کا مدرسہ تو حضرتؒ نے مدت سے قائم فرمایا ہوا تھا لیکن آخر دور میں اپنے پشاور کے مال روڈ پر جامعہ امداد العلوم کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسے کی بنیاد ڈالی جو بحمد اللہ درس نظامی کی معیاری تعلیم کا مرکز ہے اور حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے زیر اہتمام چل رہا ہے اور حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہم جیسے فاضل بزرگ اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

حضرتؒ کی علالت کا سلسلہ تو مدت سے چل رہا تھا لیکن وفات سے چند روز پہلے سے اہلیہ محترمہ اور اہل خانہ سے بار بار یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے۔ بظاہر

معروف بیماریوں میں سے کوئی بیماری نہ تھی لیکن تین دن قبل بے خوابی اور غنودگی کی سی کیفیت ہوئی۔ بعض حضرات نے ہسپتال لیجانے کا ارادہ کیا لیکن حضرتؒ ہسپتال لے جانے سے پہلے ہی منع فرما چکے تھے کہ اب میرے سفر کا وقت آچکا ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں ۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو رات کے آٹھ بجے انتہائی سہولت کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جو حضرات تجہیز و تکفین میں شریک تھے انہوں نے بتایا کہ غسل کے بعد ہر شخص چہرہ مبارک کی تروتازگی دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ ہزار ہا افراد کے ہجوم نے جنازے میں شرکت کی۔ حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت مولانا نیاز محمد ختنیؒ

(المتوفی ۳۰ ر جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ مطابق ۶ ر جنوری 1992ء)

حضرت مولانا نیاز محمد ختنی (شہریست درحدود چین۔ غیاث اللغات) وہی ختن جو ''مشک ختن'' کے حوالے سے شہرہ آفاق ہے۔(اب یہ شہر جمہوریہ چین کے صوبہ سینک یانگ میں واقع ہے) حضرت نسلاً ترک تھے اور ترک قوم کے سب سے بہادر جنگ جو اور غیور قبیلہ ''اڈی فور'' سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ والد محترم مولانا ثابت علی کا اچھا خاصا زمیندارہ تھا 130 مربع زمین تھی اور ختن میں ایک دینی مدرسہ کی اپنی جیب سے کفالت فرماتے تھے۔ حضرت مرحوم کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر میں ہوئی اور وہاں کے نامور اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ بعد ازاں اس علاقہ کے سب سے ممتاز اور جید عالم حضرت مولانا ثبوت اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ختن کے نواح میں ایک مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ازہر ایشیاء دار العلوم دیو بند کے فاضل اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید تھے اور اکثر دوران درس اپنے استاذ امام العصر کشمیریؒ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ انہی دنوں وہاں کمیونسٹ انقلاب آیا۔ استاذ محترم مولانا ثبوت اللہ نے کمیونسٹوں سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ نوشتہ تقدیر غالب آ چکا تھا' اس لئے اس اٹھارہ سالہ نوجوان نے ہجرت فی سبیل اللہ کا فیصلہ کر لیا اور استاذ الاستاذ حضرت کشمیریؒ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے دیو بند پہنچنے کا ارادہ فرما لیا۔ چنانچہ اپنے چند ہم عمر نوجوانوں کے ساتھ کوہ ہمالیہ کے دشوار گذار پر خطر اور برفانی راستوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے دو مہینے میں دیو بند پہنچے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ امام العصر انتقال فرما چکے ہیں آہ کہ:

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

نہایت شکستہ دل ہوئے اور وطن واپسی کا سوچنے لگے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ڈھارس بندھائی اور فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہم عصر اکابر اساتذہ موجود ہیں ان سے استفادہ کرو۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ گیارہ سال تک نہایت محنت و مجاہدہ کے ساتھ دارالعلوم میں طالب علمی کی اور تمام علوم عالیہ و آلیہ میں کمال پیدا کیا۔ آپ کے اساتذہ میں درج ذیل شخصیتیں نمایاں ہیں:

حضرت شیخ الاسلام المجاہد فی سبیل اللہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا محمد اعزاز علی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی، حضرت مولانا محمد طیب قاسمی، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک وغیرہم رحمہم اللہ۔

طالب علمی کے دوران بیعت کے ارادہ سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی بارگاہ میں تھانہ بھون میں حاضر ہوئے لیکن حضرت نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بیعت ہونا لیکن افسوس کہ فراغت سے ایک سال قبل حضرت کا وصال ہو گیا۔ اس لئے مسلسل استخارے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیعؒ سے بیعت ہوئے۔ چونکہ حضرت مفتی صاحب سے قلبی تعلق بہت بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ فراغت کے بعد چار سال تک ان کی مسجد میں امام رہے اور یہ تعلق مفتی صاحب سے ہمیشہ رہا۔

1364ھ میں حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے بہاول نگر میں ایک مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھنا چاہی تو دارالعلوم دیوبند سے اپنے عزیز شاگرد حضرت مولانا مفتی نیاز محمدؒ کو اپنی رفاقت کے لئے طلب فرمایا۔ چنانچہ آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حکم سے بہاول نگر تشریف لے آئے اور ذوالحجہ 1364ھ میں جامع العلوم عیدگاہ بہاول نگر کی بنیاد رکھی گئی۔ سال بعد حضرت مولانا بدر عالمؒ پر دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیہ وجذبہ غالب آیا اور وہ اس امانت (جامع العلوم بہاول نگر) کو اپنے شاگرد مولانا مفتی نیاز محمدؒ کے حوالے کر کے عازم مدینہ ہوئے۔ اس وقت سے آخری لمحات زندگی تک حضرت اس امانت کو سینے سے لگائے رہے۔ اس گلشن کی باغبانی کے لئے تمام صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اپنا وطن نہیں تھا، خویش قبیلہ نہیں تھا۔ غریب الوطن اور اجنبی تھے یہاں کی زبان پر بھی پورا عبور نہیں تھا۔ ان مشکلات کا آج اندازہ

کون کرسکتا ہے جو اس درویش خدامست کو اس راستہ میں پیش آئی ہوں گی' بارہا فاقوں کی نوبت آئی' درختوں کے پتے چبا کر تن وروح کا رشتہ قائم رکھنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ اس ریگستانی علاقے کے لوگوں نے ان کو زندگی میں بہت کم پہچانا' لیکن اس مہاجر فی سبیل اللہ کے سر پر رحمت وعنایت خداوندی سایہ فگن تھی' قدم قدم پر حق تعالیٰ شانہ کی نصرت نے دستگیری فرمائی اور وہ مدرسہ جو حضرت الاستاذ مولانا بدر عالم میرٹھی دو چھپر نما کچے کمروں کی شکل میں چھوڑ کر گئے تھے حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک وسیع وعریض دار العلوم بن گیا۔ جس میں ۲۵/۳۰ تک دورہ حدیث کے طلبہ ہوتے ہیں۔ حضرت مرحوم ایک قوی الاستعداد پختہ عالم تھے۔ ہمارے استاذ حضرت علامہ محمد شریف کشمیریؒ جو اپنی بلند علمی استعداد کی بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ پنجاب میں صرف اڑھائی مدرس ہیں ایک (شیخی وسندی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ دوسرے مولانا عبدالخالق (بانی دار العلوم کبیر والا) اور مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ آدھا مدرس میں ہوں۔ (حضرت کشمیریؒ کا یہ ارشاد راقم الحروف نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے) یہی علامہ کشمیریؒ طلبہ سے فرمایا کرتے تھے کہ جن کو فنون پڑھنے کا شوق ہو وہ بہاول نگر مولانا نیاز محمد صاحب کے پاس جائیں۔ اس سے حضرت مرحوم کی بلند علمی استعداد کا اندازہ ہوسکتا ہے اس علم وفضل کے ساتھ انابت وخشیت اور نسبت مع اللہ میں بھی بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے۔ اخلاق وللہیت' بہادری وجوانمردی' عجز وانکساری اور حسن معاملہ میں اپنی مثال آپ تھے' مرض الوفات میں اپنے متعلقین کو بہت سی قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔ وفات سے ایک دن پہلے اتوار کو اس ناکارہ کی موجودگی میں اپنے صاحبزادگان کو اتفاق واتحاد کی وصیت فرمارہے تھے۔ اسی میں فرمایا کہ شیخ سعدی کا قول ہے:

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دوحرف است

بادوستاں مروت بادشمناں مدارا

''دوجہاں کی راحت وآسائش ان دوحرفوں کی تفسیر ہے۔ دوستوں سے مروت کا اور دشمنوں سے مدارات کا برتاؤ کرو۔''

پھر فرمایا کہ میں نے ساری زندگی ''بادوستاں مروت بادشمناں مدارا'' کے اصول پر گزاری ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت سے ایسا شغف تھا کہ ضعف واضمحلال اور پیرانہ سالی کے باوصف روزانہ دس پارے کی تلاوت اور تین دن میں قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا۔ چلتے

پھرتے دعاؤں کا خاص اہتمام تھا اور علمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ مرض الوفات شروع ہونے سے پہلے چار چار گھنٹے روزانہ مطالعہ فرماتے تھے اور درس گاہ تک جانے کی ہمت ہوتی تو وہاں پہنچ جاتے ورنہ طلبہ کو گھر پر بلا لیتے۔ الغرض کچھ نہ کچھ تعلیم وافادہ بھی اپنے ذمہ رکھتے۔

سن مبارک اَسّی نوے کے درمیان تھا۔ ادھر کچھ عرصہ سے پیرانہ سالی کے عوارض لاحق تھے۔ مرض الوفات کا آغاز ایک معمولی بات سے شروع ہوا۔ ضیق النفس کی تکلیف شروع ہوئی اور اس پر مد وجزر کی کیفیت رہی۔ طبیعت کی زیادہ ناسازی کا سن کر یہ ناکارہ ہفتہ چار جنوری کی شام کو کراچی سے بہاولنگر پہنچا۔ اتوار صبح کو ہسپتال حاضر ہوا۔ تکلیف کی شدت کے باوجود صاحبزادگان کو بہت قیمتی وصیتیں فرماتے رہے اس ناکارہ سے فرمایا کہ آپ بھی ان کی طرف توجہ رکھیں اور اپنی تکلیف کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اب تم جاؤ۔ میں نے ہسپتال سے گھر واپس آتے ہوئے عزیز مولوی منیر احمد سلمہ سے کہا کہ حضرت کی طبیعت سنبھلی ہوئی ہے۔ اگر طبیعت اسی طرح رو بصحت رہی تو میں ان شاء اللہ کل ملتان چلا جاؤں گا ایک دو دن وہاں لگیں گے، اس دوران فون پر صحت کا پتہ کرتا رہوں گا اور دو دن بعد کراچی چلا جاؤں گا۔ انہوں نے حضرت کو ہسپتال میں میرے ارادے سے آگاہ کیا تو فرمایا کہ ''نہیں! بلکہ جنازہ پڑھ کر جایئے گا''۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ مجھے حضرت کے مرض الوفات کا صرف آخری دن دیکھنا نصیب ہوا اور اس میں چند امور کا عینی مشاہدہ ہوا جن پر اس ناکارہ کو واقعہ یہ ہے کہ بڑا ہی رشک آیا۔ مثلاً ایک یہ کہ تکلیف کی شدت کے باوجود کسی قسم کی گھبراہٹ اور کرب و بے چینی کا اظہار نہیں تھا۔ ایک مرتبہ بھی ان کے منہ سے ہائے سننے میں نہیں آئی۔ ان کے نرم و نازک بدن پر مسلسل انجکشن لگ رہے تھے لیکن سوئی چبھونے پر انہوں نے ایک بار بھی سی نہیں کیا بلکہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس ناکارہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ گو بدن کو تکلیف ہے مگر قلب مطمئن ہے۔ آخری وقت میں قلبی اطمینان کی یہ دولت خاص مقبولانِ الٰہی کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ دولت نصیب فرمائیں۔

من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاءہٗ.

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات چاہتا ہو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات چاہتے ہیں''۔

تو ہمیشہ پڑھتے پڑھاتے رہے مگر اس کی مشاہداتی تفسیر حضرتؒ کے یہاں دیکھنے میں آئی ایک عرصہ سے، دوشنبہ داخل ہونے میں کتنی دیر ہے؟ جب اتوار کی شام کو بار بار دریافت

فرماتے تھے کہ دوشنبہ داخل ہونے میں کتنی دیر ہے؟ جب اتوار کا آفتاب غروب ہوا اور آپ کو بتایا گیا کہ دوشنبہ داخل ہو گیا ہے تو فرمایا میری چارپائی قبلہ رخ کر دو' حکم کی تعمیل کر دی گئی تو قبلہ رخ ہو کر فرشتہ موت کو دیکھنے کے لئے چشمہ لگا کر بیٹھ گئے اور (اپنے مخصوص لہجے میں) دریافت فرمانے لگے کہ فرشتہ کدھر سے آئے گا اوپر کی جانب سے...... یا دروازے کی طرف سے؟ یہ ناکارہ مغرب کے بعد حاضر ہوا اور عشاء تک بیٹھا رہا۔ عشاء کے وقت مجھ سے فرمایا کہ میری ایک عرصہ سے آرزو تھی کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وفات نصیب ہو۔ پھر ذرا سے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ اگر یہ دوشنبہ نہیں تو اور بہت سے دوشنبہ آئیں گے۔ اب آپ جائیں' آرام کریں۔ یہ ناکارہ تو حسب الحکم اٹھ کر آ گیا لیکن حضرت کی ساری رات اسی بے تابی میں کٹی کہ قاصد' کوچ کا پیغام کب لاتا ہے؟ دریں اثناء کچھ غنودگی طاری ہوئی تو افاقہ کے بعد فرمایا کہ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے میرے کان میں کہا ہو "ھی حتّٰی مطلع الفجر "معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ طلوع فجر کے وقت ہوگا اس لئے بار بار دریافت فرماتے کہ طلوع فجر میں کتنی دیر ہے۔ جب رات گزر گئی اور دن طلوع ہوا تو خیال ہوا کہ شاید یہ دوشنبہ گزر جائے گا۔ صاحبزادہ مولانا جلیل احمد نے عرض کیا کہ اب تو سورج نکل آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ اس دوشنبہ کو نہیں یہ سن کر حضرت کو جیسے صدمہ ہوا ہو، اس لئے گھبرا کر فرمایا فکر نہ کرو غروب نہیں ہونے دوں گا۔ اور اسی وقت سے حالت متغیر ہونا شروع ہوئی بالآخر بوقت چاشت ۲۵:۱۱ پر جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

الغرض لقائے محبوب کا اشتیاق ایسا غالب تھا کہ انتظار میں بے تاب بیٹھے ہیں۔

حضرتؒ کی خواہش و وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین سے تدفین تک کے مراحل بڑی عجلت سے طے ہوئے۔ چنانچہ دوپہر میں جنازہ ہسپتال سے گھر لایا گیا۔ ظہر کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی اور عصر کے بعد عیدگاہ کے میدان میں نماز جنازہ ہوئی۔ نماز جنازہ کے لئے نہ کسی کا انتظار کیا گیا اور نہ لوگوں کو جمع ہونے کیلئے زیادہ وقت دیا گیا۔ اس کے باوجود نمازِ جنازہ میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ بہاول نگر کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ شاید کبھی نہیں ہوا' جس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ جنازہ کی چارپائی سے لمبے لمبے بانس باندھ دیے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کندھا دینے کی سعادت حاصل ہو سکے۔ باایں ہمہ بہت سے لوگوں کو مجمع کی وجہ سے جنازہ تک پہنچنا

نصیب نہ ہوسکا۔

حضرت کی یہ وصیت تھی کہ مجھے مدرسہ کے احاطہ میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ یہ جگہ قبر کے لئے وقف نہیں ہے بلکہ بہاول نگر سے ملحقہ بستی دین پور شریف میں جہاں قطب العالم حضرت اقدس مولانا اللہ بخش بہاول نگری نور اللہ مرقدہ مدفون ہیں متولیان سے اجازت لے کر مجھے وہاں دفن کیا جائے۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ نے عرض کی کہ بچے اتنی دور کیسے جایا کریں گے؟ تو فرمایا قبر پر جانا ضروری نہیں یہیں سے ایصالِ ثواب کرتے رہیں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ تدفین کی اجازت اور قبر کی جگہ کی تعیین کے لیے راقم الحروف بڑے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا حافظ سراج احمد صاحب زیدمجدہ کی معیت میں خود وہاں گیا۔ اور مولانا محمد الیاس صاحب زیدمجدہم (نبیرہ حضرت قطب العالم مولانا اللہ بخش بہاول نگری) سے عرض کیا کہ آپ کے قبرستان میں ایک نیا مہمان لا رہے ہیں ان کے لیے قبر کی جگہ چاہئے، فرمانے لگے میں تو دیر سے تمہارے انتظار میں کھڑا ہوں۔

اور رات کے ایک خواب کی بناء پر واقعتاً ہمارے جانے سے پہلے انتظار میں کھڑے تھے چنانچہ وہ ہمیں قبرستان میں لے گئے اور قبروں کی پہلی لائن جس میں حضرت مولانا اللہ بخش بہاول نگری کی قبر مبارک ہے اسی میں حضرت کے لئے جگہ کی تعیین کر دی۔ سب سے پہلی قبر ہے قبر کی ایسی بہترین جگہ دیکھ کر واقعی رشک آتا ہے۔ بہرحال مغرب کی نماز کے بعد تدفین ہوئی۔

یہاں چند لائق رشک مبشرات و واقعات اور بھی پیش آئے جنہیں قلم انداز کرتا ہوں، البتہ ایک چیز ذکر کیے بغیر نہیں رہا جاتا۔ وہ یہ کہ تین بجے کے قریب حضرتؒ کو غسل دینے کے لیے تختہ پر لایا گیا تو بدن مبارک ایسا نرم وگداز تھا کہ بلا تکلف بدن کے کپڑے صحیح سالم اتار لئے گئے حتیٰ کہ نیچے کی بنیان تک بغیر کسی دشواری کے اتار لی گئی، اور صاحبزادہ جمیل احمد صاحب نے بطور تبرک اپنے پاس رکھ لی۔ بعض مقبولانِ الٰہی کے ابدان مرنے کے بعد بھی تر و تازہ رہتے ہیں، شاید حضرتؒ کا شمار بھی انہی حضرات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں اور مقبولوں کے صدقہ یہ دولت اس قطرۂ ناپاک کو بھی نصیب فرما دیں تو اس کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے۔

حق تعالیٰ شانہ ان بزرگوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں، ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائیں، ان کو اپنی عنایاتِ خاصہ والطافِ کریمانہ کا مورد بنائیں، ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ

(وفات: ۱۷/مارچ ۱۹۹۲ء)

ہفت روزہ تعمیر حیات لکھنؤ میں جناب مولانا محمود الازہار ندوی نے حضرت مرحوم پر ایک مختصر سا مضمون رقم فرمایا ہے، جس میں مختصراً ان کی حیات طیبہ اور ان کے علمی مآثر کے بارے میں اچھی معلومات جمع کردی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہ مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔

"ممتاز عالم دین اور محدث کبیر مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کا ۱۱/رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

مولانا حبیب الرحمان اعظمی علم حدیث اور فن اسماء الرجال کے ممتاز عالم تھے۔ درس وتدریس اور فن حدیث سے آپ کا انہاک مستقل رہا ہے اور آپ کی تحریریں اور مراجعات سے بڑی اہمیت کے مالک ہیں اور اہل علم بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا کا شمار فن حدیث اور اسماء الرجال کے چوٹی کے علماء میں ہوتا تھا جس کی گواہی آپ کی علمی کاوشیں دیتی ہیں۔

مولانا کی ولادت ۱۳۱۹ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام مولانا محمد صابر تھا اور آپ نے دارالعلوم دیوبند میں کچھ وقت گزارا۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمان دیوبندی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا کریم بخش سنبھلی اور مولانا عبدالغفار مئوی قابل ذکر ہیں۔

آپ نے ۱۳۲۹ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور اسی سال سے دارالعلوم مئو میں تعلیمی خدمات انجام دینا شروع کردیں۔ دو تین سال کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس چلے گئے اور وہاں علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم دی اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم از سر نو قائم کیا اور اس سے پوری طرح وابستہ ہوگئے آپ نے تدریسی خدمات ہی کے تحت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آکر بخاری شریف کا درس دیا۔

مولانا حدیث میں امام طحاویؒ کی تصنیفات سے سب سے زیادہ متاثر تھے...... اور حافظ

حجر عسقلانیؒ کا بھی اثر تھا اور فقہ میں ابن ہمامؒ اور شامیؒ کی تدقیقات کے قائل تھے۔

آپ نے حج وزیارت کے ساتھ علمی تلاش وجستجو کے سلسلہ میں کویت، بیروت دمشق اور بحرین کا بھی سفر کیا اور ان اسفار میں ان کے ہمراہ مولانا ضیاء الحسن ندوی مرحوم تھے۔ جن کا اشتغال بھی حدیث سے بہت بڑھا ہوا تھا اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔

مولانا کا شمار ان محققین وعلماء میں تھا جن کے علم وفضل کا سکہ پوری دنیا میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی شہرت وعظمت کی بنیاد فن حدیث کی وہ اہم ونادر کتابیں ہیں جن کے مخطوطات کو آپ نے تحقیق وترتیب کے موجودہ علمی اصول کے مطابق ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ ان میں سند حمیدی (دو جلد) کتاب الزہد الرقاق جو گیارہ اجزاء 1672 حدیثوں پر مشتمل ہے، سنن سعید بن منصور دو جلدیں، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی۔

مصنف عبد الرزاق مسند احمد کے علاوہ آپ نے زوائد مسند بزار لیثمی علامہ محمد طاہر گجراتی صاحب مجمع البحار کا فن رجال سے متعلق رسالہ التوسل تعلیقات کتاب الثقات لابن شاہین الاتحافات السنیہ لذکر محدثی الحنفیہ اور الحاوی لرجال الطحاوی وغیرہ کی بھی تحقیق ومراجعت کی۔ مولانا نے علمی وتحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے جو معارف اعظم گڑھ، برہان دہلی، دار العلوم دیوبند، العدل گوجرانوالہ، الفرقان بریلی اور لکھنؤ البلاغ بمبئی اور النجم لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ آپ عربی زبان وادب میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور عربی مقالات منجملہ دیگر رسائل وکتب کے البعث الاسلامی میں بھی شائع ہوئے۔

مولانا نے منکرینِ حدیث کے رد میں نصرۃ الحدیث، شیعوں کے رد میں رفع المجادلۃ اور رضا خانیت کے رد میں شارح حقیق (النذر لاولیاء اللہ) بھی لکھے۔ اس کے علاوہ مولانا نے متعدد رسالے تحریر فرمائے جو ان کے علمی اشتغال پر دال ہیں۔

مولانا نے ایک طویل عمر پائی مگر اس کو علمی وتحقیقی کاموں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ دار العلوم مئو مظہر العلوم بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اپنے رفیق کار مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی مرحوم اور مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی مرحوم کے ساتھ مل کر مفتاح میں بڑا وقت گزارا اور عرصہ دراز تک تدریسی خدمات اعزازی طور پر انجام دیتے رہے مولانا 1952ء میں اتر پردیش کونسل (ودھان پریشد) کے پانچ سال ممبر رہے اور آپ کی علمی اور تحقیقی خدمات کی

وجہ سے حکومت ہند نے آپ کو صدارتی انعام سے نوازا۔

مولانا نے اپنی عمر کے آخری ایام میں مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے حدیث وفقہ میں اختصاص کے لیے المعہد العالی قائم کیا اور ثانویہ ومتوسطہ کے طلبہ کے لیے مرقاۃ العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ مولانا کے پسماندگان میں دولڑکے اور چار بیٹیاں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے غمگساروں میں شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ دعا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ آمین

اور تعمیر حیات ہی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے تاثرات ان الفاظ میں نقل کیے ہیں:

"حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کی وفات (۱۱ر رمضان المبارک مطابق ۱۷ر مارچ ۱۹۹۲ء) سے علوم دینیہ بالخصوص فنِ حدیث کے سلسلہ میں جو عظیم علمی خسارہ ہوا ہے اور خلا پیدا ہوا ہے اس کا احساس بہت سے لوگوں سے زیادہ اس عاجز کو ہے جس کی برصغیر ہند و پاک ہی نہیں ممالک عربیہ اور مرکز اسلام پر بھی نظر ہے اور وہاں کے علماء اساتذہ مصنفین و محققین سے بہت سے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ واقفیت ہے۔ علم حدیث خاص طور پر عالمی وعلمی پیمانہ پر جس انحطاط اور تنزل کا شکار ہے اور اس فن شریف کی واقفیت میں جو سطحیت اور اسمیت پیدا ہوگئی ہے اور خاص طور پر حدیث وروایات صحیحہ اور فقہ حنفی کے درمیان تطبیق اور اس علمی حقیقت کے ثابت کرنے میں کہ مذہب حنفی حدیث کے خلاف نہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور خلفائے کبار محض قیاس و ذہانت پر اعتماد نہیں کرتے تھے، ان کا ماخذ استنباط احکام میں آیات واحادیث ہی ہوتی تھیں۔ اس موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا کے ارتحال سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ اور بھی قابل افسوس وتشویشناک ہے۔

اس علمی تفرد وامتیاز کے علاوہ مولانا کے اخلاص، فہم وفراست، ملت کے مسائل ومفادات سے واقفیت وفکر مزید برآں ہے۔ اس لیے نہ صرف علمی حلقہ میں ایک عظیم خلا پیدا ہوا ہے بلکہ ملت کی صفِ قیادت میں بھی ایک بڑی جگہ خالی ہوگئی ہے جس کا پر ہونا بظاہر اسباب بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ درجات بلند کرے اور اہل علم ودرس کو ان کی تصنیفات و تحقیقات سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے اور فن حدیث سے اشتغال وانہماک کا سلسلہ جاری رہے۔

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ

(وفات: ۱۴ر مئی ۱۹۹۷ء)

6ر محرم الحرام 1418ھ مطابق 14 مئی 1997ء کو ہمارے معمر بزرگ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ وصال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ اس روحانی اور علمی خاندان میں 6ربیع الاول 1336ھ مطابق یکم فروری 1913ء بروز ہفتہ پیدا ہوئے قرآن پاک اور ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی اور اسی کے ساتھ ساتھ 1928ء میں شمس آباد سے مڈل کیا۔ 1928ء میں آپ میتہ المصلی اور ہدایۃ النحو وغیرہ ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا لیکن یہ داغ یتیمی آپ کے ذوق علم پر اثر انداز نہ ہوا بلکہ آپ بدستور تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اس وقت علاقہ چھچھ علماء ربانیین کا مرکز تھا۔ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبد الرحمٰن حمیدی اور حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی کے فیض یافتہ اور مولانا عبد اللہ جان موضع جلالیہ جیسے باکمال اکابر سے اکتساب فیض کیا۔ 1930ء میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے وہاں مولانا سراج احمد رشیدی مفتی جمیل احمد تھانوی مولانا مفتی ظہور الحق مولانا ظریف احمد اور مولانا عبد اللہ ہزاروی جسے جید اساتذہ سے استفادہ کیا۔ وہاں سے محدث العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سے استفادہ کے لیے ڈابھیل تشریف لے گئے وہاں شاہ صاحبؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ علاوہ ازیں مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا ادریس سکھروی وغیرہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ 1353ھ مطابق 1932ء میں دار العلوم دیوبند میں دورہ حدیث کے لیے داخلہ لیا اس وقت دار العلوم کی مسندِ صدارت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

جلوہ افروز تھے۔ آپ نے بخاری اور ترمذی حضرت مدنیؒ سے پڑھیں اور حضرت مدنی کی اردو تقریر کو دوران سبق ہی عربی میں قلم بند فرماتے رہے۔

قیام سہارنپور کے زمانہ میں حضرت مدنیؒ سے عقیدت ہوگئی تھی جو بالآخر حضرت کے دامن فیض سے وابستگی کا سبب بنی۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں "ڈھونڈ ان کو چراغ زیبا لے کر" کی مصداق ہیں۔

1۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے لے کر آخری لمحات حیات تک آپ تعلیم وتلقین اور تعلیم و تعلم میں مشغول رہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کم خوش نصیبوں کو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے طفیل ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

2۔ قرآن کریم اور حدیث نبویؐ سے آپ کو شغف ہی نہیں بلکہ والہانہ عشق تھا چنانچہ شمس آباد ڈاںوال، ایبٹ آباد، کوہاٹ، تربیلا نوشہرہ بخوال پشاور لارنس پور، واہ کینٹ اور اٹک وغیرہ جہاں بھی آپ کا قیام رہا درس قرآن طبع ہو چکا ہے اور 28 جلدوں میں درس حدیث بھی طبع ہو چکا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء......

3۔ آپ کی محنت کا اصل میدان تو اصلاح قلوب اور دلوں میں قرآن وسنت کے آثار خیر کو کاشت کرنا تھا جس سے آپ مدت العمر کبھی غافل نہیں ہوئے تاہم مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی ضرورت سے بھی کبھی غافل نہیں تاہم مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی ضروریات سے بھی کبھی غفلت نہیں ہوئی۔ 1923ء میں جب فارغ ہو کر گھر آئے اپنے علاقے کے علماء کو "مجلس تقیح فتویٰ" کے نام سے جمع کیا اور "جمعیت علماء اٹک کی بنیاد رکھی۔

1947ء میں پہلی اسلامی کانفرنس میں حصہ لیا۔ پاکستان کے پہلے آئین کی تدوین میں حصہ لیا۔ 1949ء میں نیشنل اسلامک اقتصادی کانفرنس میں حصہ لیا۔ پاکستان میں حقوق اہلسنت کے تحفظ کے لیے بنائی جانے والی جماعت "تنظیم اہلسنت کے ناظم اعلیٰ رہے۔

4۔ 1947ء میں لکھنؤ سے ایک ہفت روزہ "اذان" جاری کیا جو 1954ء تک جاری رہا۔ 1971ء میں ماہنامہ "الارشاد جاری کیا جو 1981ء تک خدمت انجام دیتا رہا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے کثیر اشغال درس وتدریس ذکر وشغل اصلاح نفوس اور موعظت وتذکرہ

کے ساتھ ساتھ اُنھیں ان پرچوں کے جاری رکھنے کی کس طرح صورت بنتی ہوگی؟ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث بھی رہے اور ترمذی اور بخاری کے اسباق پڑھاتے رہے اور ساتھ ساتھ ان پرچوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔ سبحان اللہ!

5۔ اللہ تعالیٰ نے قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم میں بہت بڑی برکت رکھی تھی وہ بہت صاف سادہ اور شستہ لکھتے تھے اس لیے قریباً اہم علوم پر ان کے قلم سے ایک سو کے قریب کتابیں نکلیں۔

6۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جس طرح اپنے اکابر مشائخ سے والہانہ تعلق تھا اس سے کہیں بڑھ کر آنحضرت ﷺ کی ذات عالی سے تعلق تھا اور اُنھوں نے آنحضرت ﷺ کے ذکر خیر اور آپ ﷺ کے مقام رفیع کو اجاگر کرنے کے لیے متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں ''رحمت کائنات'' اور ''باخدا با وقار'' بہترین کتابیں ہیں جن کو پڑھ کر دماغ کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔ سیرت ''چراغ محمد'' عجیب وغریب خوب انداز سے لکھی ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی تصانیف حقہ کا اصل موضوع عقائد صحیحہ کا اجاگر کرنا تھا۔

آپ کی وفات حسرت آیات کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے۔ آپ کے خلیفہ مجاز جناب مولانا حافظ نثار احمد الحسینی کے الفاظ میں اس کی نقل کرتا ہوں:

وفات حسرت آیات

''۱۵/اگست 1989ء کو آپ کو دل کا شدید دورہ پڑا۔ آٹھ دن اسلام آباد میں زیر علاج رہے۔ سینہ میں پھر دوبارہ تکلیف ہوئی تو ڈاکٹروں نے کام سے منع کر دیا مگر آپ باجود انتہائی نقاہت کے مسلسل کام کرتے رہے بیماری کے دوران ''چراغ محمد'' وسوانح حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھی درس قرآن مجید اور درس حدیث بنام ''انوار الحدیث کا کام کیا علاوہ ازیں اور بھی کئی عنوانات پر لکھا۔ خطوط کے جوابات روزانہ اپنے قلم سے لکھتے رہے درس نظامی کی انتہائی کتب کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مختلف جگہوں پر درس قرآن مجید اور مجالس ذکر کے لیے بھی تشریف لے جاتے رہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کے معمالات میں بھی کسی چیز کا ناغہ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرمایا۔ چنانچہ حیات مستعار کے آخری روز بھی صلوٰۃ خمسہ، تہجد چاشت،

اشراق الزوال، اوابین کے علاوہ شمار نوافل پڑھے ذکر واشغال، تسبیحات، مراقبات تمام ادا فرمائے، ترجمہ القرآن، بخاری شریف، پندنامہ کا سبق پڑھایا، تصنیف کا کام کیا، ڈاک لکھی، بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ عشاء کی نماز باجماعت ادا فرما کر مسجد سے گھر تشریف لے گئے۔ رات بارہ بجے اچانک دل کی تکلیف ہوئی تو سی ایم ایچ اٹک لے جایا گیا۔ خود پیدل چل کر گاڑی میں بیٹھے اور وہاں سے ہسپتال تک بھی خود چل کر گئے۔ ڈاکٹر آکسیجن کی تیاری کر رہے تھے کہ دو بج کر گیارہ منٹ پر تہجد کے وقت جو آپ کے لیے تمام عمر وصال محبوب کا وقت تھا۔ تین مرتبہ اللہ، اللہ، اللہ فرمایا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے

حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ

(وفات: ۱۹۹۷ء)

دارالعلوم دیو بند کے نامور فرزند امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے امین اوران کے فرزند نسبتی کامیاب مصنف، مایہ ناز محقق، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے رفیق اور ''انوار الباری شرح بخاری کے مؤلف حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری قدس سرہ ۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ کو رحلت فرما گئے۔

انالله وانا الیه راجعون. ان لله ما اخذ وله ما اعطیٰ وکلُّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

مولانا مرحوم کا شمار ہندو پاک کے بالغ نظر اور محقق علما میں ہوتا تھا۔ طبیعت میں بے انتہا سادگی تھی علوم عقلیہ ونقلیہ میں رسوخ کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں پر آپ کی گہری نظر تھی، بلا کے ذہین اور نادر الوقوع قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ریا، دکھلاوا اور نام ونمود سے نفور اور طبیعت میں اخفاء اور خمول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً اپنی طبیعت باطنی زندگی اور اپنے مقام کو ہمیشہ اخفا میں رکھا۔ مولانا مرحوم کی وفات سے اہل علم ایک عظیم علمی سرمایہ سے محروم ہو گئے۔ آپ علوم انوری کے ان ماہرین میں سے تھے جن کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مولانا موصوف اس قحط الرجال میں علوم عقلیہ ونقلیہ خصوصاً علوم حدیث میں ایک سند کا درجہ رکھتے تھے۔ زندگی بھر مختلف میدانوں میں کام کیا دارالعلوم الاسلامیہ ڈابھیل میں مختلف درجات کے استاد رہے۔

مجلس علمی ڈابھیل کے صدر نگران اور دارالعلوم دیو بند کے شعبہ نشر واشاعت کی نگرانی

خصوصاً حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل وتبویب پر مامور رہے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں موصوف نے علوم انوری کو امت تک پہنچانے کا عزم کرلیا تھا جو ان کے پاس حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی امالی کی شکل میں محفوظ چلے آرہے تھے۔

چنانچہ مولانا مرحوم اپنے ان مقاصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوگئے اور ''انوار الباری شرح اردو بخاری'' کے نام سے اُنھوں نے ایک بہترین شرح بخاری اپنے لیے صدقہ جاریہ چھوڑا ہے۔

حضرت مولانا عبدالکریم قریشی رحمہ اللہ

(وفات: ۴ رجنوری ۱۹۹۹ء)

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق 4 رجنوری 1999ء تقریباً سات بجے شام خانقاہ بیر شریف کے سجادہ نشین، حضرت اقدس مولانا حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سرپرست، مدرسہ عربیہ سراج العلوم بیر شریف کے بانی و مہتمم، تحریک ختم نبوت کے روح رواں، پاکستان کی ممتاز روحانی شخصیت، پیر طریقت سراج العلماء حضرت مولانا عبدالکریم قریشی ایمان کی سرشاری کی کیفیت میں رحلت فرماگئے۔

انااللّٰہ و انا الیہ راجعون. ان للّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی و کلُّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

حضرت مولانا عبدالکریم قریشیؒ کی شخصیت طبقہ اہل علم میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شماران اکابر اہل اللہ میں ہوتا ہے جن پر شرافت و دیانت ناز کرتی ہے۔ جن کے دم قدم سے زندگی نقش پا ڈھونڈتی ہے اور جن کے وجود سے علم وعرفان کی مجالس رونق پاتی ہیں اور جن کے زہد و تکشف پر ملائکہ رشک کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ بلاشبہ اپنے دور کے ایک بلند پایہ بزرگ اور عالم ربانی تھے۔ آپ کو عوام وخواص میں یکساں محبوبیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کی ثقاہت علم اور تقویٰ وطہارت کی دنیا معترف تھی۔ اس وقت سندھ بھر میں آپ کو جس مرجعیت کا مقام حاصل تھا شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو۔

مریدین و متعلقین کے لیے آپ کا ہر قول و فعل سند کا درجہ رکھتا تھا آپ کا حلقہ ارادت ہزاروں سے متجاوز تھا، آپؒ کے مسترشدین پر بھی آپ کا خصوصی رنگ تھا۔ اتباع سنت آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ سادگی و بے تکلفی میں آپ ممتاز و منفرد تھے۔ اتباع شریعت میں کسی رورعایت کے قائل نہ تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر "لا یخاف لومة لائم" کی سچی تصویر تھے۔

ستمبر ۱۹۲۳ء میں آپ قمبر ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اندرون سندھ کے اکابر علماء وصلحاء سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد مظہر العلوم کھڈا کراچی اور سندھ کے دوسرے اہم مدارس میں علوم عربیہ کی اہم کتب کی تدریس فرمائی۔ آخر میں اپنے مرشد ومربی شیخ المشائخ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہ کے حکم پر اپنے آبائی گاؤں بیر شریف کو مرکزِ رشد وہدایت بنالیا۔ چنانچہ آپ نے بیر شریف میں مدرسہ عربیہ سراج العلوم کی بنیاد رکھ کر تشنگانِ علوم کی سیرابی اور سالکانِ راہِ طریقت کی اصلاح وتربیت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا اور تادمِ آخرین آپ کے اس معمول میں تخلف نہیں آیا۔ آپ دورہ حدیث شریف کی تمام کتابیں خود پڑھاتے اور باقی اوقات اپنے مریدین ومتعلقین کی اصلاح وتربیت میں صرف فرماتے۔ آپ بلند پایہ عالم، خدا رسیدہ بزرگ اور طبیب حاذق بھی تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اصحاب ضرورت کا آپ کے پاس ہجوم ہوتا، کسی کو تعویذ دیتے کسی کو نسخہ لکھ کر دیتے اور کسی کی نقد مدد فرماتے۔ گرمی ہو یا سردی آپ کے اس معمول میں کبھی تعطل نہ ہوتا۔

آپ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اس سلسلہ کی ہر تحریک اور کوشش میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا اسی کے ساتھ ملک میں فتنہ قادیانیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے لیے نہایت فکر مند اور بے تاب تھے۔ عوام میں فتنہ قادیانیت کی سنگینی کو اجاگر کرنے کے لیے آپ نے متعدد بار سندھ بھر کا دورہ کیا۔ قریہ قریہ اور شہر شہر پھر کر آپ نے ناموسِ رسالت کے تحفظ کی اہمیت وعظمت کو اُجاگر کیا اور عوام وخواص کو اس سلسلہ میں بیدار کیا۔ یوں تو آپ کو تمام منکرات سے حد درجہ کا نفور تھا مگر ایک ایسا منکر جس کے بارے میں آج کل کچھ زیادہ ہی سہل پسندی سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ...... فوٹو مصوری اور مووی وغیرہ کو آپ اشد الکبائر سمجھتے۔ حتیٰ کہ آپ نے تصویر سازی سے اسی نفرت کے باعث زندگی بھر شناختی کارڈ نہیں بنایا۔ ایسے اولوالعزم اکابر علماء کا اُٹھ جانا یقیناً امت کے لیے بڑی محرومی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا گیا ہے "موت العالِم موت العَالَم" (ایک عالم دین کی موت پورے جہان کی موت کے مترادف ہے)۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو مغفرت فرما کر جنت کے درجات عالیہ پر فائز فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اور پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ بینات کراچی۔ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ)

حضرت الحاج محمد احمد صاحبؒ

(وفات: ۲۸ر مارچ ۱۹۹۹ء)

بروز اتوار ۹ر ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق 28ر مارچ 1999ء کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مسترشد وفیض یافتہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ارشد، عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ کے مجاز بیعت اور مشہور ومقبول عام تفسیر "درس قرآن" کے مولف جناب الحاج محمد احمد صاحبؒ رحلت فرما گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

آپؒ جناب شیخ ضمیر احمد صاحبؒ کے گھر میں یکم جولائی 1908 کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ 1927ء میں میٹرک اور 1929ء میں انٹر کے امتحانات پاس کیے۔ 1929ء ہی میں کچھ خانگی حالات کے تحت سروے آف انڈیا دہرہ دون میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اکتوبر 1947ء میں پاکستان آکر سروے آف پاکستان کے محکمہ میں پہلے راولپنڈی پھر کراچی میں کام کیا۔ 1968ء میں گریڈ آفیسر کی حیثیت سے ایڈمنسٹر آفیسر کی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اگرچہ اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر اکابر اہل علم اور صلحاء امت کی صحبت کیمیا کے اثر نے ان کو کندن بنا دیا تھا۔

اکابر کی توجہات کا اثر تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے دل میں مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کی اصلاح وتحفظ کا بے پناہ جذبہ تھا اور وہ ہر وقت اس سوچ وفکر میں رہتے کہ مسلمانوں کو جدید

قدیم فتنوں کی یلغار سے کس طرح بچایا جائے؟ وہ یہ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم ہی ایک ایسا اکسیر شفا ہے، جس کے ذریعہ امت مسلمہ کے دین وایمان کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ اس لیے اُنھوں نے مسلمانوں کا دین وایمان بچانے اور دور حاضر کے ملاحدہ کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے "درس قرآن" کو ذریعہ بنایا اور پھر پوری زندگی اس پر لگا دی۔

جناب الحاج محمد احمد صاحبؒ بنیادی طور پر انگریزی تعلیم یافتہ تھے ایڈمنسٹریٹر آفیسر، سرویئر جنرل آفس، سروے آف پاکستان کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے مگر قرآن وسنت کی تعلیم وترویج اور درس قرآن کی ترتیب واشاعت کے لیے اُنھوں نے اس عہدہ کو خیر باد کہہ دیا اور وہ کل وقتی اس دینی خدمت کے لیے فارغ ہوگئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ ان کی ایک ایک ادا قابل تقلید اور لائق رشک تھی۔ ان پر فنائیت کا غلبہ تھا۔ سادگی اور خدا خوفی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ ان کے لباس، پوشاک اور رہن سہن کو دیکھ کر کسی کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اتنے بڑے آدمی ہیں۔ ان کی فنائیت کا یہ عالم تھا کہ کئی اکابر سے مجازِ بیعت ہونے کے باوجود اُنھوں نے زندگی بھر کسی کو باقاعدہ بیعت نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی کو اجازت وخلافت دی۔ وہ فرماتے: بھائی ابھی تک تو ہماری اصلاح نہیں ہوئی ہم دوسروں کو کیسے بیعت کریں؟

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ: "ہمیشہ اپنے نفس سے بدگمان رہنا چاہیے اور اس سے اصلاح کا کوڑا نہیں ہٹانا چاہیے بلکہ کسی نہ کسی کو اپنا مصلح رکھنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور ہمیشہ کسی نہ کسی متبع سنت شیخ سے اپنے آپ کو جوڑے رکھا۔

چنانچہ یکم رمضان ۱۳۵۸ھ کو آپ نے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت کے وصال کے بعد آپ نے حضرت تھانوی قدس سرہ کے خواہر زادہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے اور ان کے بعد ولی کامل حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری نور اللہ مرقدہ سے تجدید بیعت فرمائی۔ حضرت مولانا کامل پوری رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا، حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ نے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ سے تجدید بیعت فرمائی تو حضرت عارفی رحمہ اللہ نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ان اکابر اہل

اللہ کی صحبت کا فیض تھا کہ ایک انگریزی خواندہ سرکاری افسر، سراپا مولوی، سکہ بند صوفی اور شیخ کامل بن گیا اور اس کی پوری زندگی خدمت دین میں گزری اور اشاعت دین اور علوم قرآن اس کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔

آپ کے صاحبزادے اور خادم جناب امیر احمد صاحب نے بتایا کہ 9 ذی الحجہ یعنی عرفہ کے دن والد صاحبؒ کی طبیعت زیادہ مضمحل ہوئی تو ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا آپ نے ڈاکٹر سے فرمایا: ڈاکٹر صاحب! بس میری خواہش ہے کچھ ایسا ہو جائے کہ میں مدینہ منورہ چلا جاؤں میری دوسری کوئی خواہش نہیں ہے۔ اسی اثناء میں بچوں کو گواہ بنایا اور بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ان کے معالج ڈاکٹر سمیع اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے مگر ایسی اچھی کیفیت کسی مرنے والے کی نہیں دیکھی کہ جان کنی کے وقت بھی زبان پر کلمہ شریف کا ورد جاری تھا۔

اسی دن عصر کی نماز کے بعد آپؒ کے محلّہ کی مسجد میں آپ کے صاحبزادے جناب حافظ ظفر احمد صاحب نے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور سخی حسن کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر ان کو اپنی رضا اور رضوان کا مورد بنائے۔ آمین

(ماہنامہ بینات کراچی محرم 1420ھ)

حضرت مولانا عبدالمجید سکھرویؒ

حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ عجیب وغریب صفات کے بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مختلف النوع کام لیے۔ مدرسہ اشرفیہ سکھر کا قیام بھی ان کی مساعی و پاکیزہ فکر کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ آپؒ فرمایا کرتے کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ جب سکھر آئے تو اُنھوں نے کپڑے کا کام شروع کیا میں نے عرض کیا! آپ بڑے عالم دین ہیں اور سکھر میں کوئی دینی مدرسہ نہیں ہے لہٰذا آپ سکھر میں دینی مدرسہ قائم کریں۔ اُنھوں نے فرمایا اس شرط پر کہ آپ بھی میرے ساتھ تعاون کریں چنانچہ میں نے اس پر حامی بھرلی۔ یوں ان ہر دو حضرات کی فکر اور اجتماعت سے یہ مدرسہ قائم ہوا اس لیے آپ زندگی بھر اس کی شوریٰ کے رکن رہے۔

اسی طرح ملک بھر کے دینی مدارس کے ذمہ دار جب سکھر آتے تو اہل ثروت کے پاس خود چل کر جاتے اور اُنھیں دینی مدارس سے تعاون کی طرف متوجہ کرتے۔ ماشاء اللہ اُنھوں نے بہت کام کیا مگر ہمیشہ دینی اور علمی وقار کو ملحوظ رکھا۔ اُنھوں نے علم اور علماء کی شان و وقار پر حرف نہیں آنے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد عطا فرمائی تو سب ہی کو مقدور بھر عالم و حافظ بنانے کی کوشش فرمائی اور ماشاء اللہ سب ہی دین دار ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ ان کے پوتے اور نواسے نواسیاں بھی حافظ ہیں جو ان کی حسنات میں روز افزوں اضافہ کا ذریعہ ہیں۔

حضرت مولانا بہترین حافظ اور ذی استعداد عالم دین تھے علم و علماء کے ساتھ تعلق تھا، بہت ہی اچھے انشاء پرداز تھے مسلمانوں کی فکری انحطاط پر کڑھتے تھے۔ پکے اور متصلب دیو بندی تھے۔ دیو بندیت کے نام پر دیو بندیوں کو بدنام کرنے والوں کے سخت خلاف تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے خاص محبت کا تعلق تھا۔ حضرت کی شہادت پر خوب مضمون لکھا

حضرت کے بعد اس راقم کو خوب خوب شفقتوں سے نوازا۔ کراچی تشریف لائیں اور مجھے شرفِ ملاقات نہ بخشیں ایسا ناممکن تھا۔ دعا اور عبادت کا خاص سلیقہ اللہ نے عطا فرمایا تھا۔ حج وعمرہ سے خاص ذوق تھا۔ متعدد بار ختم نبوت کانفرنس انگلینڈ کے سفر میں ان کی معیت نصیب ہوئی سفر میں خدمت لینے کے عادی نہ تھے اسی طرح حج وعمرہ کے مسائل کا خوب استحضار تھا۔ حج وعمرہ پر رسائل مرتب فرمائے شائع کیے اور حجاج ومعتمرین کو مفت مہیا فرمائے، عرفات کی دعاؤں میں ان کا یہ جملہ کبھی نہیں بھولتا: ''اے اللہ ہم دور دراز سے آئے ہیں اور تیری مغفرت کے طالب بن کر آئے ہیں یا اللہ! ہماری مغفرت فرما دے یا اللہ! تو نے ہماری مغفرت فرما دی تو تیرا شیطان رسوا ہوگا اور تیرا محبوب حضرت محمد ﷺ خوش ہو جائے گا اور تیرے اس ضعیف اور گناہ گار بندے کا کام بن جائے گا''۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ حضرت مفتی محمودؒ مولانا غلام غوث ہزارویؒ مولانا حماد اللہ ہالیجویؒ مولانا عبدالکریمؒ اور پاکستان بھر کے اکابر کے ساتھ ان کا محبت وعقیدت کا تعلق تھا۔ ان کو اکابر بزرگان کی سیرت وسوانح بیان کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ بلا کا حافظہ تھا۔ جب وہ ماضی کے بزرگوں کے حالات وواقعات سناتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ہم ان بزرگوں کی خدمت میں بیٹھ کر ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اُنھوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا بنایا اور نہ سمجھا۔

ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ ایک کاپی میں سال بہ سال دنیا سے اُٹھ جانے والے اکابر علماء کی فہرست بنا کر لائے اور فرمایا: ''دیکھو ہمارے اکابر کس تیزی سے اُٹھ رہے ہیں اور ہم گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گرتے جا رہے ہیں'' مگر کسے معلوم تھا کہ وہ خود بھی بہت جلد اس فہرست میں شامل ہونے والے ہیں اس سال جب ان کے اعزہ واقرباء حج پر تشریف لے جا رہے تھے تو وہاں بطور خاص برادرم مولانا مفتی خالد محمود صاحب نے راقم الحروف سے ملاقات کرائی کیا معلوم تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے۔

برادرم مفتی خالد محمود صاحب کا بیان ہے کہ اُنھوں نے سفر آخرت کی تیاری بھی بہت جلدی اور نہایت خاموشی سے فرمائی اور کسی کو معلوم نہیں ہونے دیا کہ وہ جانے والے ہیں، چنانچہ دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہوئے مغرب وعشاء حسب معمول باجماعت ادا فرمائی گھر تشریف

لائے معمول کا کھانا نوش کیا گھر والوں سے میل ملاقات ہوئی، حسب معمول آرام کے کمرے میں تشریف لے گئے، نیند کے لیے لیٹے۔ آنکھ لگ گئی اچانک رات کے گیارہ بجے سانس پھولنے لگا، بیدار ہو گئے انجائنا والی گولی زبان کے نیچے رکھی کچھ دیر بیٹھے رہے افاقہ نہیں ہوا تو دوسری گولی رکھی جب اس نے بھی کچھ اثر نہیں دکھایا تو سامنے سے پوتی نظر آئی اسے کہا: اپنے ابا کو بلالاؤ، وہ اُنھیں بلالائی اُنھوں نے بلڈ پریشر چیک کیا تو وہ بڑھا ہوا تھا۔ دوائی دی گئی مگر افاقہ نہیں ہوا بلکہ دوائی حلق سے نیچے ہی نہیں اُتری۔ گھر والے پریشان ہو گئے ڈاکٹر کو بلانے اور ہسپتال لے جانے کا کہا تو فرمایا: معلوم ہوتا ہے وقت پورا ہوگیا ہے اس لیے ضرورت نہیں، مگر جلدی سے ڈاکٹر کو بلا لیا گیا۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آیا تھا کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے اپنے رب کے ہاں پہنچ گئے۔

اگلے دن صبح ہی مولانا مفتی خالد محمود کوئٹہ سے پہنچ گئے۔ جنازہ پڑھا کر زندگی بھر کے اس تھکے ہارے مسافر کو اس کی منزل تک پہنچا دیا گیا۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ. آمین

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی زندگی بھر کی کوتاہیوں کو مبدل بہ حسنات فرمائے اور اُنھیں رضا ورضوان سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

محقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

(وفات: ۱۲؍اگست ۱۹۹۹ء)

محدث العصر حضرت بنوری قدس سرہ کے محب و رفیق کار جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے مشرف واستاذ ماہنامہ بینات کے سابق مدیر و مرتب حضرت علامہ حیدر حسن خان ٹونکیؒ کے ممتاز ترین شاگرد حضرت اقدس مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے محب و محبوب اور مجاز بیعت جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے شعبہ اسلامیات کے صدر نشین، مجلس دعوت و تحقیق جامعہ علوم اسلامیہ کے رکن رکین، مشہور علمی تحقیقی اداروں معجم المصنفین حیدرآباد دکن، ندوۃ المصنفین دہلی کے نامور محقق برصغیر پاک و ہند کی نامور شخصیت، فنِ حدیث کے امام، محقق العصر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جمعرات 29 ؍ربیع الثانی 1420ھ مطابق 12 ؍اگست 1999ء صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر رحلت فرما گے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، ان للّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی و کلُّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں کمالات و خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ کی شخصیت سراپا علم وادب سے عبارت تھی آپ خالص علمی اور محققانہ مزاج کے حامل تھے۔ آپ جہاں اور جس مجلس میں تشریف لے جاتے میر مجلس ہوتے۔ آپ لحات زندگی کو ضائع کرنے کے ہرگز روادار نہ تھے۔ آپ جس طرح خود کام کرنے کے عادی تھے اپنے طلبہ سے بھی اسی انداز سے کام لینا جانتے تھے۔

آپؒ کی دینی خدمات پون صدی پر محیط ہیں۔ جن میں تصنیف و تالیف بحث و تحقیق درس و تدریس اور سلوک و احسان غرض ہر میدان میں آپؒ نے نمایاں مقام اور امتیازی شان حاصل کی۔ آپؒ کا کمال یہ تھا کہ آپ نیکی کے کسی کام میں سستی کے قائل نہیں تھے خصوصاً سلام میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔ آپ ہمیشہ سلام میں پہل کرتے چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کو سلام

کرتے اور نہایت تپاک سے خیریت دریافت فرماتے۔ آپؒ کی مقبولیت عند اللہ کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آغاز شباب سے پیرانہ سالی بلکہ آخری لمحاتِ زندگی تک آپ درس وتدریس، پڑھنے پڑھانے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے۔

فنِ رجال اور حدیث پاک سے آپ کو خصوصی شغف اور مہارت تھی بلا مبالغہ اس وقت آپ کے پائے کا کوئی محدث اور اسمائے رجال کا ماہر شاید ہی کوئی ہو۔

حضرات صحابہ کرامؓ، خلفا اربعہؓ اور سادات اہل بیتؓ سے محبت والفت ان کا اختصاص تھا۔ فن حدیث کے علاوہ فقہ حنفی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ان کی والہانہ محبت وعقیدت اور عشق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ آپؒ حضرت امام الائمہؒ کے عاشق صادق اور ان کے مسلک کے داعی و منادتھے۔ حضرت امامؒ پر ان کے معاصرین اور اصاغر کی طرف سے ناروا زیادتیوں پر شکایت فرماتے اور بعض اوقات یہ شکایت تلخی کا رنگ اختیار کر لیتی مگر بایں ہمہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ آپ عمر بھر موفق اللخیر رہے۔ قرآن وسنت کی تعلیم وتدریس کے ساتھ احقاقِ حق اور تردید باطل آپؒ کا شعار ومزاج رہا۔

آپؒ کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے جو عربی کے علاوہ اردو میں بھی ہیں آپؒ کے برادرِ خورد جناب مظفر لطیف صاحب ''مقالات نعمانی'' کے نام سے ان کو شائع کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضرت مرحوم کے وہ مقالات ومضامین جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ان کو بھی شائع کیا جائے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کی یہ کرامت دیکھنے میں آئی کہ آپؒ کا چہرہ نہایت خوبصورت اور سرخ وسفید اور بے حد منور ہو گیا۔ ہزاروں لوگوں نے آپ کا خوبصورت نورانی چہرہ دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ بلاشبہ یہ ان کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے۔ قرآن و سنت، حضرات سادات اہل بیتؓ اور فقہاءِ امت سے والہانہ عقیدت ومحبت کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کو ان کے حسن باطنی اور اس کی رعنائی کی ایک جھلک دکھادی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے ساتھ اپنی رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے آمین۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاخریٰ۔۱۴۲۰ھ)

حضرت مولانا محمد قاسمؒ ڈیرہ غازیخان

حضرت مولانا محمد قاسم نے علمی خاندان میں آنکھ کھولی لیکن اپنے متبحر عالم دین والد سے زیادہ عرصہ فیض یاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ یہ ابھی سن رشد کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے والد گرامی حضرت مولانا حفیظ اللہ چوٹی زیریں کے مقام پر انتقال کر گئے۔ تین بھائیوں تین بہنوں اور بیوہ ماں کا بوجھ ان کے ناتواں کندھوں پر آن پڑا۔ رہائش کے لیے مکان نہیں اور گزر اوقات کے لیے کوئی ذریعہ نہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات کے باوجود انھوں نے کنبے کو بھی احسن طریقے سے سنبھالا اور علمی سفر جاری رکھا۔

درسِ نظامی کی ابتدائی تعلیم کے لیے کبھی چوٹی زیریں کا سفر کرتے اور کبھی گدائی میں معروف عالم دین مولانا احمد بخش مرحوم کے پاس پہنچ جاتے علم دین کے حصول میں ہر قسم کی رکاوٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ علمی منازل طے کرتے ہوئے جامعہ قاسم العلوم ملتان میں موقوف علیہ کے بعد دورہ حدیث کے لیے جامعہ خیر المدارس میں علامہ محمد شریف کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ سند فراغت کے بعد بلاک نمبر 7 ڈیرہ غازیخان میں مدرسہ رحیمیہ عابدیہ کے نام سے دینی مدرسے کی بنیاد رکھی اپنے علمی و روحانی فیض سے ڈیرہ غازیخان کے خواص و عام کو فیضیاب کرنا شروع کیا۔ جامع مسجد اخونداں میں امامت وخطابت کرتے رہے۔ زندگی کے آخری حصے میں بلاک نمبر 18 نزد گورچانی منزل میں مدرسہ رحیمیہ کا از سر نو اجراء کیا اور یوں فرید آباد کالونی مستقل قیام پذیر ہو گئے۔ مولانا مرحوم تقویٰ وطہارت اور اپنی سادگی میں اسلاف کا نمونہ تھے دور سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایک دیہاتی سادہ لوح شخص ہے مگر جب کوئی ان کے قریب جاتا تو ان کی علمی اور شستہ گفتگو آدمی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی۔

مسلک حقہ دیو بند پر سختی سے کار بند رہنے کی وجہ سے بعض روشن خیال مولوی اُنھیں سخت مزاجی، دقیانوسیت کا طعنہ بھی دیتے۔ مگر وہ لومتہ لائم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اپنے لواحقین اور دوست احباب کو ہمیشہ دینی علوم پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دیتے، اپنی اولاد میں سے کسی کو بھی سکول و کالج نہ جانے دیا اور سب کو قرآن پاک کا حافظ قاری اور عالم بنایا۔ بچپن میں خود قرآن پاک حفظ نہ کر سکے شادی کے بعد جوانی میں قرآن پاک حفظ کیا، تراویح خود پڑھانے میں بڑی خوشی محسوس کرتے ان کی انتھک کوششوں ذاتی خواہش کی وجہ سے ان کی اولاد بیٹے بیٹیوں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں میں پچاس سے زائد حفاظ علماء دین موجود ہیں۔

حج کے ایام جونہی قریب ہوتے ان کی حالت دیدنی ہوتی اور ہر سال حج کی ہر ممکن کوشش کرتے کہ کسی طرح حج پر پہنچ جائیں۔ پہلا حج انھوں نے بحری جہاز کے ذریعے 1200 روپے میں کیا۔ بس پھر تو زندگی میں بے شمار حج اور عمرے کیے۔ ایک دفعہ گھر کا چھوٹا موٹا سامان بیچ کر بھی حج کیا۔

ایک دفعہ عمرہ پر تشریف لے گئے تو جدہ ایئرپورٹ پر چیکنگ کے دوران مولانا صاحب کی مستورات کو کہا گیا کہ وہ مرد افسر کے سامنے چہرہ دکھائیں۔ مولانا صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ: ہم عمرہ لیے جا رہے ہیں میں مستورات کی بے پردگی نہیں ہونے دوں گا۔ ڈیوٹی پر مامور آدمی نے کہا: اس طرح تو آپ کو واپس پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ: میں واپس تو جا سکتا ہوں مگر بے پردگی نہیں کرا سکتا چنانچہ کافی تکرار کے بعد مولانا کو احرام کے ساتھ ہی واپس پاکستان بھیج دیا عمرہ پر لاگت کا اتنا بڑا مالی خسارہ برداشت کیا مگر پردہ جیسے اسلامی شعار پر آنچ نہ آنے دی۔

زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ شاہ جمال اپنے رشتہ داروں کے ہاں تشریف لے گئے ایک نے چٹائی ہدیۃً پیش کی تو فوراً پوچھا کہ حلال مال سے بنی ہوئی ہے یا حرام سے؟ کیونکہ دیہات کی عورتوں کی عادت ہوتی ہے وہ غیروں کی کھجوروں سے چھڑیاں کاٹ کر چٹائیاں بنا لیتی ہیں اور احتیاط نہیں کرتیں، بتایا گیا کہ یہ ہماری ذاتی کھجوروں کی چھڑیوں سے بنی ہوئی ہے تو پھر وہ چٹائی قبول کی۔

ان کا روحانی تعلق یوں تو حضرت تھانویؒ کے سلسلے سے تھا لیکن شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اپنی بیعت کا واقعہ یوں سنایا کرتے تھے کہ:

"طالب علمی کے دور میں حضرت مدنیؒ مظفر گڑھ تشریف لائے تو میں بھی اپنے والد

مرحوم کے ساتھ جلسے میں پہنچا حضرت مدنیؒ نے بیان کے بعد لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا تو میں بھی ان کی بیعت سے سرفراز ہوا۔ ڈاکٹر عبدالمجیدؒ کے خلیفہ مجاز تھے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ہم نے بار بار تجربہ کیا کہ جو بھی ان کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرتا وہ حج ضرور کرتا ان کے متعلقین لواحقین دوست احباب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے حج کی سعادت حاصل نہ کی ہو۔

مولانا مرحوم صوفی مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ حق گوئی اور بیباکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وفات سے سات آٹھ ماہ قبل اُنھوں نے بے دینوں کے خلاف ایک پمفلٹ شائع کیا جس پر حکومت نے ان پر دہشت گردی ایکٹ: ایکٹ اے کے تحت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ پریس مالک، کمپوزنگ مین اور تقسیم کنندہ کو گرفتار کرلیا گیا۔ مولانا کے خلاف گرفتاری کے لیے چھاپے شروع ہوئے مگر گرفتاری کے موضوع پر جب ان سے بات ہوتی تو ایسا لگتا جیسے وہ اس پیرانہ سالی میں پھر سے جوان ہو گئے ہوں، اُنھیں گرفتاری کا ذرہ برابر خوف نہیں تھا پولیس کوشش کے باوجود ان کی گرفتاری میں ناکام رہی اور یوں بالآخر مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

مولانا مرحوم کو دینی مدارس قائم کرنے کا بے حد شوق تھا رحیمیہ عابدیہ، جامعہ قاسمیہ، حفیظ العلوم کے علاوہ بنین وبنات کے بیسیوں مدارس ان کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ جن سے لاتعداد علماء وحفاظ فیضیاب ہو کر ملک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

جس طرح ان کی زندگی قابل رشک تھی اسی طرح ان کی وفات بھی قابل رشک تھی کیونکہ رمضان المبارک جیسے مہینے میں ساتویں روزے کو دن تین بجے وفات ہوئی اور افضل الایام جمعۃ المبارک دس بجے دن تدفین ہوئی، نماز جنازہ صبح آٹھ بجے ہائی سکول نمبرا کے وسیع وعریض میدان میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ جامعہ خیر المدارس درجہ قرآن کے مدرس استاذ القراء قاری عبدالرحیم صاحب نے پڑھائی۔ جنازہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ مبصرین کی رائے کے مطابق 25000 ہزار افراد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

امام احمد رحمہ اللہ نے سچ کہا تھا کہ ہمارے مقابل کی سچائی کا فیصلہ ہمارے جنازے کریں گے۔

❁❁❁❁

حضرت اقدس مولانا عبدالحئی بہلویؒ

۲۰ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۸ رجنوری ۲۰۰۰ء بروز جمعۃ المبارک سوا گیارہ بجے میرے مرشد ابنِ مرشد حضرت اقدس مولانا عبدالحئی صاحب بہلوی نور اللہ مرقدہٗ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. ان للہ تعالٰی ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی و کلّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

بے شک یہ دنیا فانی ہے، اس جہاں میں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا مگر بعض لوگوں کی زندگی ہزاروں کے لئے حیاتِ جاودانی کا سبب ہوتی ہے۔ ان کے دامنِ عاطفت کو خلقِ کثیر اپنے لئے رحمت اور برکت سمجھتی ہے۔ ایسے لوگ جب رخصت ہوتے ہیں تو ایک عالَم ویران ہو جاتا ہے۔ حضرتِ اقدس مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

آپ ۱۹۳۲ء میں اپنے آبائی گاؤں ''بہلی شریف'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدِ گرامی قطب الارشاد سیدی حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رحمہ اللہ کے دامن میں ہوئی۔ پھر قریب ہی دوسری بستی ''پوٹھ'' میں بڑی کتابوں کے لئے استاذ الکل حضرت اقدس مولانا غلام رسول صاحب پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت پونٹوی مرحوم نے بھی خاص شفقت فرمائی۔ کچھ کتابیں حضرت اقدس مولانا محمد امیر صاحب رحمہ اللہ سے ''جھوک دینس'' میں پڑھیں۔ اسی طرح نوحال نزد کبیر والہ میں حضرت اقدس مولانا علی محمد صاحب مرحوم سے بھی پڑھا۔ دورۂ حدیث کی تمام کتب مخزن العلوم خان پور میں حافظ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھیں۔

جب آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو والدِ گرامی نے مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد میں آپ کو مدرس مقرر کیا۔ آپ نے ماشاء اللہ پوری مستعدی کے ساتھ چھوٹی بڑی کتابوں کی تدریس شروع فرما دی۔ اسی دوران حدیث پاک بھی پڑھاتے رہے۔ تصوف و سلوک کی لائن تو

والد مرحوم کی ہدایات کے مطابق پہلے سے گامزن تھے، اب مزید اس سلسلہ میں مجاہدات و ریاضتوں کا دور شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ اپنے والد گرامی کے پاس آنے والے سالکین کی خدمت کا شرف بھی حاصل کرتے رہے۔ اس طرح اللہ پاک نے اپنے فضل سے شریعت وطریقت کی جامعیت کے چشمہ صافی سے آپ کو خوب خوب سیراب کیا۔ چنانچہ والد مرحوم نے خلافت اور اجازت سے بھی آپ کو سرفراز فرمایا۔ اسی طرح اللہ پاک نے آپ کو پانچ بار حج اور چار بار عمرہ کے لئے حرمین شریفین کے سفر کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔

مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ شعبان و رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھاتے تھے۔ آپ کے یہ ہونہار فرزند ذوق وشوق کے ساتھ اس میں حاضر رہتے۔ والد گرامی نے رفتہ رفتہ سارا دورہ تفسیر آپ کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ آپ نے والد مرحوم کی زندگی میں دو بار مکمل دورۂ تفسیر پڑھایا۔

۱۳۹۸ھ میں مرشد بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ اس قافلۂ حق کے ''حدی خواں'' بن گئے جو آپ کے والد ماجد کی محنتوں سے وجود میں آیا تھا۔ اپنے والد مرحوم کے مشن کو جاری رکھنے کے لئے آپ مسلسل کوشاں رہے۔ اس سلسلہ میں کچھ رسائل بھی تالیف فرمائے۔ لاہور کے جناب قاری محمد عارف علوی صاحب نے حضرت قدس سرہٗ کے متعدد رسائل آپ کے ایماء پر شائع کرائے۔ احقر نے حضرت مرشد بہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے مکتوبات کی اشاعت کی تو متعدد بار مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ ۱۴۰۶ھ میں آپ نے جامعہ بہلویہ کی بنیاد بھی رکھی جو ماشاء اللہ جاری وساری ہے۔

اپنے والد مرحوم کی وفات کے بعد مدینہ منورہ کے سفر میں آپ پر قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت بہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت سے خصوصی شفقت فرمائی، دعا وتوجہ سے نوازا اور خلافت واجازت بخشی، جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے والد گرامی کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی بڑے اونچے الفاظ میں فرماتے۔

حسب معمول شعبان و رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر کے سلسلہ کو عوارضِ جسمانی کے باوجود قائم رکھا۔ پہلے اشرف العلوم شجاع آباد میں، پھر احباب کے اصرار پر ڈیرہ اسماعیل خان، جھنگ، جامعہ قاسم العلوم ملتان اور جامعہ بہلویہ شجاع آباد میں یہ خدمت آپ نے سرانجام دی،

جس سے سینکڑوں لوگ مستفید ہوئے۔ اسی طرح اہلِ علاقہ بھی فیض یاب ہوتے۔ وفات سے ۳ سال قبل جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا تو مجبوراً یہ سلسلہ چھوڑنا پڑا، جس کا آپ کو بے حد قلق تھا۔

تصوف وسلوک کی لائن میں آپ کے پاس طالبین کا ایک سلسلہ جاری رہتا۔ جس میں عوام کے علاوہ علماء، طلباء کی بھی ایک اچھی تعداد ہوتی۔ مہینہ میں پہلے دس یوم اور پھر پندرہ یوم اس سلسلہ میں آپ بیرونی سفر فرماتے۔ جس سے خلقِ کثیر میں اپنی اصلاح کا شوق بیدار ہوا، سینکڑوں لوگ ذاکر اللہ بن گئے۔ آپ نے تقریباً پچاس حضرات کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا، جن میں ایک تعداد علماء کرام کی بھی ہے۔

اللہ پاک نے حضرت اقدس مولانا عبدالحئی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو بہت سی اعلیٰ صفات سے نوازا ہوا تھا۔ جن میں عقیدۂ توحید میں پختگی، احترامِ شریعت، اتباعِ سنت کی ترغیب، تواضع و سادگی، شفقت علی الخلق، صبر وتحمل، علماء وطلباء کا اکرام واحترام، احباب کرام کی دلجوئی، اپنے اکابر علماء دیوبند سے اُنس، شریعت وطریقت کی جامعیت، تصوف وسلوک کی اہمیت، مدارس عربیہ کی قدردانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زائرین ان صفات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔

اپنے والدین کریمین کی خدمت وادب جس انداز میں آپ نے کی اس کی نظیر مشکل ہی ملے گی۔ راقم الحروف کو خوب یاد ہے کہ آپ نے اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے دن فرمایا الحمد للہ ساری زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میری والدہ محترمہ نے مجھے کوئی بات فرمائی ہو اور میں نے انکار کیا ہو۔ اسی طرح اپنے والد مرحوم کی خدمت بھی اخیر حیات تک پوری مستعدی کے ساتھ کرتے رہے۔

علالت ورحلت

آپ کو طویل عرصہ سے شوگر کا عارضہ تھا۔ اسی کے ساتھ ۳ سال قبل آپ پر بائیں جانب فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے بیرونی اسفار کا سلسلہ آپ جاری نہ رکھ سکے۔ اگرچہ کبھی سفر ہو بھی جاتا تھا بہرحال کچھ عرصہ علاج سے قدرے افاقہ ہوا مگر پھر دوسری جانب فالج کا حملہ ہو گیا۔ علاج مسلسل جاری رہا، کبھی طبیعت سنبھل جاتی، کبھی ضعف ونقاہت بڑھ جاتا، آپ اکثر گھر سے متصل اپنے قائم کردہ ادارہ جامعہ بہلویہ میں دن کو تشریف لاتے اور احباب کرام فیض یاب ہوتے۔ اسی دوران حسبِ معمول سالانہ اجتماع صوفیاء بھی ہوتا رہا۔ آپ نے جامعہ بہلویہ کی ذمہ داری صاحبزادہ مولانا قاری حبیب اللہ ارشد صاحب پر اور خانقاہ کی خدمت جناب صاحبزادہ مولانا محمد

عبیداللہ ازہر صاحب کے سپرد کی جس کا باضابطہ اعلان آپ نے خود فرمایا۔ اللہ پاک جزائے خیر نصیب فرماویں آپ کے خادم خاص جناب فضیل خان صاحب کو کہ جنہوں نے بڑی مستعدی سے طویل عرصہ سے اخیر حیات تک مسلسل آپ کی خدمت کی، ماشاء اللہ آپ کے تینوں صاحبزادے جناب مولانا محمد عبیداللہ ازہر صاحب، جناب مولانا قاری محمد حبیب اللہ ارشد صاحب، جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب بھی آپ کی خدمت کرتے رہے۔

۱۴۲۰ھ کے رمضان المبارک کے کچھ روزے بھی آپ نے رکھے مگر عید کے چوتھے دن طبیعت زیادہ علیل ہوگئی۔ مجبوراً نشتر ہسپتال ملتان وارڈ نمبرے میں داخل کرایا گیا۔ ڈاکٹر حضرات پوری توجہ سے علاج میں مصروف رہے۔ دوسرے اہلِ تعلق ڈاکٹر بھی آتے رہے، مگر اللہ کی شان کہ طبیعت نہ سنبھل سکی، لیکن اس حالت میں بھی تیمم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ اسی دوران اخبارات میں آپ کی علالت کی خبر شائع ہوئی۔ اہلِ تعلق نے خاص طور پر مساجد و مدارس میں دعاؤں کا اہتمام شروع کر دیا۔ اکثر اہلِ تعلق خصوصاً علماء کرام عیادت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ اس معذوری کی حالت میں بھی آپ اپنے خدام کو آنے والے علماء کرام کا اکرام کرنے کا ارشاد فرماتے رہے۔ اللہ اکبر

۱۶ رشوال المکرم کو دورہ ہوا مگر پھر طبیعت قدرے سنبھل گئی جس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے مولانا محمد عبیداللہ ازہر صاحب کو متعدد وصیتیں فرمائیں۔ نیز احقر کو فرمایا ''خلوت کا اہتمام کیا کرو''۔ ۱۹ کی شام کو طبیعت خاصی بے چین تھی۔ صاحبزادگان مولانا محمد عبیداللہ ازہر صاحب و مولانا محمد حبیب اللہ ارشد صاحب کو لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بڑی تاکید کے ساتھ بار بار فرمایا ''شریعت کے خلاف کوئی کام نہ ہو''۔ صاحبزادہ مولانا محمد حبیب اللہ صاحب رونے لگے۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہ ان شاء اللہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔ جس پر آپ نے اطمینان کا اظہار فرمایا۔ یہ آپ کی زندگی کی آخری وصیت تھی۔ اس کے بعد وقفے سے طبیعت پھر ناساز ہوگئی۔ اگلی رات صاحبزادگان نے خصوصاً جاگ کر گزاری۔ دوسرے یوم صبح کو طبیعت زیادہ علیل تھی، اسی دوران ڈاکٹروں نے آکسیجن بھی لگا دی۔ پونے گیارہ بجے صاحبزادہ مولانا محمد عبیداللہ ازہر صاحب نے احقر کو کمرہ کے اندر بلایا۔ حضرت قدس سرہٗ کی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ احقر نے پہلے سورۃ کہف اور پھر سورۃ یٰسٓ شریف پڑھی۔ جب سورۃ یٰسٓ پڑھ رہا تھا تو آپ مہمان معلوم ہو رہے تھے۔ ابھی سورۃ یٰسٓ پوری ہوئی ہی تھی کہ آپ نے جان ''جان آفرین'' کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

فوراً آپ کو شجاع آباد لایا گیا۔ عشاء کے بعد آپ کو غسل دیا گیا۔ راقم الحروف کے ساتھ جناب سلیم جاوید صاحب کے علاوہ جناب فضیل خان صاحب اور آپ کے نواسے حافظ امداداللہ صاحب اور داماد مولانا محمد عارف صاحب بھی شریک رہے۔ جناب مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب اور حضرات صاحبزادگان اور آپ کے چھوٹے بھائی جناب مولانا حاجی عزیز احمد صاحب راہنمائی کرتے رہے۔ صبح آٹھ بجے پُرنم آنکھوں کے ساتھ جنازہ باہر لایا گیا۔ لوگوں نے دیدار شروع کیا۔ ملک بھر سے علماء، صلحاء اور اہلِ تعلق اور قرب و جوار کے مدارس کے طلبہ و اساتذہ مسلسل قافلوں کی شکل میں آتے رہے۔ تقریباً دس بجے جنازہ اسی میدان میں لایا گیا جہاں آج سے ۲۳ برس قبل آپ کے والد ماجد قطب الارشاد حضرت اقدس بہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ پڑھا گیا تھا۔ جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق جامعہ خیر المدارس کے مفتی حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ نے پڑھایا۔

جنازہ پڑھنے والے محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار ہوں گے جن میں علماء و مشائخ کی ایک بڑی تعداد تھی۔ حضرت قدس سرہٗ کے متعلقین و خلفاء کے علاوہ بڑے حضرت جی رحمہ اللہ کے خلفاء و متوسلین بھی موجود تھے۔ حضرات مشاہیر میں سے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب، حضرت مولانا محمد اکبر صاحب، حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری، حضرت مولانا عزیز احمد صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف شاد صاحب، حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب اور حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد آہوں اور سسکیوں کے ساتھ تقریباً گیارہ بجے آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ آپ کی قبر مبارک جامعہ بہلویہ میں ہے، **نوّر اللّٰہ مرقدہٗ وبرّد اللہ مضجعہٗ، اللھم اغفر لہٗ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہٗ ووسّع مدخلہٗ وادخلہ الجنۃ۔**

خلفاء کرام کے علاوہ ہزاروں مرید، تلامذہ اور جامعہ بہلویہ آپ کے لئے انشاء اللہ صدقہ جاریہ ہوں گے۔ آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ، تین لڑکے، چھ لڑکیاں، چار ہمشیرگان اور ایک بھائی ہیں۔ اللہ پاک سب کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔ آمین

(از مولانا محمد عابد صاحب۔ استاذ خیر المدارس ملتان وخلیفہ مجاز حضرت قدس سرہٗ)

حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ سکھرویؒ

خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر کلیم اللہ رقم طراز ہیں:

"حضرت والد صاحب کی عمر چاند کے لحاظ سے ۸۴ سال ایک ماہ پچیس دن ہوئی، ۱۶رمضان المبارک (۱۹۱۸ء) پیدائش اور وصال ۱۳رذی قعدہ کو مدینہ منورہ (پاکستان میں ۱۱رذی قعدہ) ۱۹رفروری ۲۰۰۰ء" وصال سے دس روز قبل ہی مبشرات بے حد ملنا شروع ہوگئی تھیں۔ برادر محترم مکی صاحب کو بار بار فرما کر اپنا سامان بندھوایا کہ یہ تم پاکستان لے جانا اور وصال کے دوسرے دن ہی چلے جانا تاکہ تین روز کے اندر اندر ترکہ تقسیم ہوجائے۔ (اصل ترکہ تو پہلے سال ہی تقسیم فرما چکے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ تدفین میں بہت جلدی کرنا کسی کا انتظار نہ کرنا اور پاکستان بھی تدفین ہونے کے بعد اطلاع کرنا۔ تو الحمدللہ ان کی خواہشات کے مطابق بہت ہی جلدی انتظام اللہ پاک نے فرمادیا کہ سہ پہر ۴ بجے عصر کی جماعت کے ساتھ ہی جنازہ اور تدفین ہوگئی جبکہ مدینہ منورہ میں عام طور پر ایک ڈیڑھ دن ضرور لگتا ہے۔

وصال مدینہ منورہ کے وقت کے مطابق صبح سوا دس بجے ہوا تھا، جنازہ عصر کی جماعت سے متصل مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہاں کے بڑے امام چیف جسٹس عبدالباری صاحب نے پڑھایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قدموں کی جانب کچھ فاصلہ پر تدفین ہوئی۔

ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سب سے بڑے ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب مجاز حضرت عارفی (گنگا رام ہسپتال شعبہ چشم لاہور) دوسرے جناب حبیب اللہ صاحب مجاز حضرت مسیح الامتؒ (پوسٹ بکس ۲۳۔ گجرات) تیسرے جناب ڈاکٹر کریم اللہ مکی صاحب مجاز حضرت نصرت

صاحب ؒ (سول ہسپتال میڈیسن کراچی)، چوتھا یہ احقر ہے۔

بڑی ہمشیرہ وزیر آباد ہیں اور بہنوئی کا پتہ (منیر کلاتھ ہاؤس مین بازار وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ) دوسری ہمشیرہ لاہور ان کے شوہر ڈاکٹر حفیظ الحق صاحب مجاز حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب ؒ اور حضرت والا صاحب ؒ۔ وصال سے چند روز قبل بھائی صاحب کو بلا کر کلمہ کو گواہ بنایا بہت سی نصائح فرمائیں۔ البتہ بالکل آخری لمحات میں اس طرح ہوا کہ چاشت کے وقت آرام سے بیدار ہو کر اٹھ کر خود ہی بیٹھے اور خود ہی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور وضو وغیرہ کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ مکی صاحب بائیں جانب ساتھ ساتھ تھے، تین قدم ہی چلے کہ دائیں جانب ایک دم گر گئے، یہ دل کا تیسرا دورہ تھا۔ اسی کے ساتھ بے ہوش ہو گئے۔ زبان پر ورد تھا مگر بھائی صاحب کو بالکل بھی کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ حج کی تعداد تو یاد نہیں اندازہ ہے کہ پچیس کئے ہوں گے۔ اور اس دفعہ بھی حج کا ارادہ تھا اور انتظام بھی فرمالیا تھا۔

غسل اور تجہیز و تدفین وہاں سرکاری ہوا کرتی ہے۔ البتہ بھائی صاحب کو انہوں نے ساتھ رکھا اور وہ خود سرکاری بندے سب لوگ ماشاء اللہ باشرع تھے اور سنت کے مطابق تمام کام انجام دیئے۔

قبر مبارک میں مکی صاحب اور ان کے ہم زلف ظفر صاحب اُترے، ایصالِ ثواب کیلئے مجموعی طور پر کچھ بھی نہ کیا، خود جو کچھ لوگ کرتے رہے ہوں گے۔

البتہ مکی صاحب کو حضرت والا صاحب ؒ نے فرمایا تھا کہ اللہم اغفرلہم وارحمہم ۳ بار پڑھنے سے قبر میں اُحد پہاڑ کے برابر ثواب داخل کیا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ درخواست ہے کہ تم لوگ روزانہ سورۃ یٰس، سورۃ فاتحہ اور ۳ بار قل ھو اللہ احد پڑھ دیا کرنا۔

(ماہنامہ محاسن اسلام ملتان کے خصوصی نمبر سے ماخوذ)

حضرت مولانا عبدالرحیم نعمانیؒ

(وفات: ۱۲/اپریل ۲۰۰۰ء)

برصغیر کے نامور عالم دین، زکوٰۃ وعشر کمیٹی ضلع وہاڑی کے سابق چیئرمین اور پنجاب کی معروف دینی درسگاہ جامعہ عربیہ اسلامیہ بورے والا کے مہتمم حضرت مولانا حافظ عبدالرحیم نعمانی ۱۲/اپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار ملتان کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی نماز جنازہ گورنمنٹ ڈگری کالج بورے والا کے گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں عالمی تبلیغی جماعت پاکستان کے مرکزی امیر حاجی عبدالوہاب، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی رہنما مولانا سید محمد کفیل شاہ بخاری، جامعہ خیر المدارس ملتان کے صدر مفتی مولانا عبدالستار، شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، تحریک ختم نبوت کے ممتاز رہنما مولانا محمد شریف احرار، مولانا عبدالرؤف نعمانی اور ملک بھر سے علماء کرام کے علاوہ سپاہِ صحابہ، جمعیت علماء اسلام، مجلس احرار، جیش محمد کے رہنماؤں اور کارکنوں سمیت نامور سیاست دانوں صحافیوں اور ہزاروں افراد نے شرکت کی اور انہیں مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ مولانا عبدالرحیم نعمانی گردوں کے عارضہ میں مبتلا تھے، ان کی عمر ۸۵ برس تھی اور وہ بھارت کے ضلع کرنال کے گاؤں کپورتھلہ راؤ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں برصغیر کے نامور مجاہد و عالم دین حضرت مولانا شیخ احمد شہید کی شہادت کے بعد جامع عربیہ اسلامیہ کے مہتمم بنے اور ۴۲ سال تک مدرسہ کے مہتمم رہے۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۳ء میں مولانا مفتی محمود مرحوم کے حکم پر جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ملک بھر میں ۲۵ سے

زائد دینی مدارس تعمیر کروائے۔ مسلسل پندرہ سال تک زکوٰۃ وعشر کمیٹی ضلع وہاڑی کے چیئرمین رہے لیکن بعدازاں خرابی صحت کی بنا پر انہوں نے خود ہی اس عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور تحریک ختم نبوت میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

دریں اثناء سپاہِ صحابہ پاکستان کے مرکزی صدر مولانا محمد اعظم طارق، چیئرمین سپریم کونسل مولانا محمد ضیاء القاسمی، مرکزی سیکرٹری ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں، شعبہ تبلیغ کے امیر مولانا عطاء الرحمٰن شہباز فاروقی اور پنجاب کے صدر مولانا محمد احمد لدھیانوی نے اپنے الگ الگ تعزیتی بیانات میں مولانا عبدالرحیم نعمانی کی دینی، تحریکی اور علمی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اسے عالمِ اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا اور کہا کہ ان کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی اور مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی۔

حضرت مولانا غلام محمودؒ

(وفات: ۱۸/اپریل ۲۰۰۰ء)

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو بے شمار ہستیوں اور اولوالعزم پہاڑ جیسی استقامت رکھنے والی شخصیات سے مزین کیا۔ اس دنیاء فانی میں آنکھ کھولنے والے کسی بھی بچے کے بارے میں یہ قیاس آرائی نہیں کی جاسکتی کہ کل جب یہ دنیا سے جائے گا تو اپنے پیچھے لاکھوں سوگوار چھوڑ کے جائے گا۔ بے شمار ہستیاں آج ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکی ہیں مگر جانے والے اپنے پیچھے یادیں، باتیں، نصیحتیں اور دینِ حقہ پر پختگی کی وہ مثالیں رقم کر کے گئے ہیں کہ دنیا ان کی بہادری کو دادِ شجاعت دیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ موت کی اس مڈبھیڑ میں گذشتہ ماہ و سال میں جہاں ہم بے شمار قابلِ ذکر لوگوں سے محروم ہو گئے وہاں گذشتہ دنوں یادگارِ اسلاف، سپاہِ صحابہ اسلام آباد کے روحِ رواں حضرت مولانا غلام محمود صاحب بھی انتقال فرما کر ہم سب کو سوگوار کر کے منوں مٹی کے نیچے جنت کے بالاخانوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

۸/اپریل ہفتہ سہ پہر اُمتِ محمدیہ کا یہ عظیم سپوت، شہادت کی تمنا کو دل میں چھپائے، دو ہفتے موت وحیات کی کشمکش میں زندگی کی بازی ہار کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی موت کی خبر سپاہِ صحابہ کے لئے عموماً اور پنڈی اسلام آباد کے صاحبِ درد حضرات کے لئے خصوصاً کسی بڑے حادثے سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

مشنِ جھنگوی وہ راہِ پُر خار ہے جس پر چلتے ہوئے سینکڑوں رفقاء زخموں کے موتی سجا کر وفاؤں کے ترانے گاتے رہے، بعض اس کانٹوں بھری راہ پر چلتے ہوئے حوصلے ہار گئے اور تمام وسائل کے باوجود طاقت، ہمت، صحت کے باوجود غموں کی سوغات اور گولیوں کی برسات سے خوف کھا کر گھروں میں بیٹھ گئے مگر غلام محمود وہ مردِ قلندر تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے ہمت دی گلی

کوچوں میں، چوکوں بازاروں میں، درشن اور درباروں میں مشنِ جھنگوی کا پرچار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ امتحان کے مولانا کو ٹانگوں کی نعمت سے محروم کر دیا اور آپ کی ٹانگیں ٹریفک حادثے کی نذر ہو گئیں تو چند عاقبت نااندیشوں نے قیاس آرائیاں شروع کر دیں کہ اب مولانا سپاہِ صحابہ سے، مشنِ جھنگوی سے وفاداریاں ختم کرتے ہوئے گھر میں گوشہ نشین ہو جائیں گے مگر زمانے نے دیکھا کہ ٹانگوں سے معذور جھنگوی شہید کا یہ رفیقِ سفر پہلے سے زیادہ عزم و جرأت لے کر میدانِ کارزار میں کود پڑا، دنیا اس درویش کی دلیری کی مثال دینے پر مجبور ہو گئی۔

حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، زمانہ کروٹیں بدلتا رہا۔ دنیا شباب سے عذاب تک محوِ سفر رہی مگر مولانا مرحوم کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ آ سکی۔ جھنگ کے منبر و محراب سے لے کر اسلام آباد کے ایوانوں تک اس مردِ فقیر نے مصائب میں اُلجھ کر مشکلات کی تیز و تند ہواؤں میں مشنِ جھنگوی کی جنگ لڑی۔

بالآخر جب اس دنیا سے جانے لگے تو اپنی رفیقۂ حیات سے کہنے لگے کہ آج میں یہ جہان چھوڑ کر جا رہا ہوں، میرے جانے کے بعد سپاہِ صحابہ اور مشنِ جھنگوی سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے تادمِ مرگ اس مشنِ مقدس سے وابستگی قائم رکھنا۔

واہ مولانا! آپ اپنی زندگی تو سدھار گئے، آپ مشنِ جھنگوی سے وفا کر گئے مگر اپنے کارکنوں کو کھلے آسمان تلے تنہا کر گئے، اپنی روحانی اولاد کو یتیم کر گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر کروٹ کروٹ رحمت نازل فرمائے۔ آمین

(از۔ ماہنامہ خلافت راشدہ مئی ۲۰۰۰ء)

حضرت صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی ؒ

(وفات: ۱۴؍ جولائی ۲۰۰۰ء)

وطن

حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا وطن ہوشیار پور تھا۔ یہ جالندھر شہر سے شمال مشرق میں ۲۵ میل کے فاصلے پر کوہستان شوالک کے دامن میں واقع ہے۔ جو جالندھر ڈویژن میں شامل تھا۔ اس کے جنوب میں دریائے ستلج اور شمال مغرب میں دریائے بیاس بہتے تھے۔ یہ ایک معمولی قصبہ تھا۔ بعد میں گورنران نے اپنے دفاتر اور رہائش گاہیں تعمیر کیں تو اس قصبہ کی اہمیت اور آبادی میں بتدریج اضافہ ہوا تو اس جگہ کا نام ہوشیار پور پکارا جانے لگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس جگہ کے لوگ قانون دان، سمجھ دار اور ہوشیار واقع ہوئے تھے لہٰذا اس بناء پر اس جگہ کو ہوشیار پور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

خاندان

اس قصبہ ہوشیار پور کے وسط میں محلہ بازار وکیلاں میں حضرت صوفی صاحب کا خاندان آباد تھا۔ آپ کے دادا شیخ میر بخش جو ایک شریف الطبع انسان تھے اور اُن کی حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے ہاں آمد و رفت رہتی تھی اُن کے ایک ہی فرزند ارجمند شیخ خلیل الرحمٰن ہوئے جو انتہائی بااخلاق، ذی وجاہت وعزت، بارعب انسان تھے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صلاحیتوں اور اوصافِ حسنہ سے نوازا تھا، حتیٰ کہ ہندو بھی آپ کی بلندیٔ اخلاق اور حسنِ سیرت کے قائل تھے اور شیخ خلیل الرحمٰن اپنے شہر کے بڑے ماہر

ڈینٹل سرجن تھے۔ آپ جوان ہوئے تو آپ کے والد شیخ میر بخش نے آپ کا نکاح ہوشیار پور کے ایک معزز شیخ محمد جمیل کی صاحبزادی ہاجرہ بی بی سے کر دیا جن سے شیخ خلیل الرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے دیے۔ ان میں سے ایک حضرت صوفی صاحب ہیں۔ حضرت صوفی صاحب ۱۹۲۶ء میں ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت قاری ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کے پاس قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ نے میٹرک تک عصری تعلیم کے بعد خود کو مستقل طور پر دین کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ دینی تعلیم کے حصول کے لئے تبلیغی مرکز نظام الدین روانہ ہو گئے اور آپ کی تشکیل ایک جماعت کے ساتھ میوات کے لئے کر دی گئی، زمانہ علمی میں ہی آپ باطنی تربیت کے لئے حضرت مولانا شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، بعد ازاں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے وابستہ ہو گئے۔ بعد ازاں لکھنؤ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ ابتدائی کتابیں، ترجمہ قرآن پاک اور ریاض الصالحین پڑھی اور باقی کتابیں مولانا عمران خان صاحب سے پڑھیں۔ اور پھر دارالعلوم دیوبند میں مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا معراج الدین رحمہ اللہ، مولانا سید افضل صاحب رحمہ اللہ سے بعض کتابیں پڑھیں۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں آپ نے مولانا اسد اللہ رحمہ اللہ سے شرح وقایہ پڑھنی شروع کی مگر حضرت صوفی صاحب کی صحت نے اس تعلیمی دور میں ساتھ نہ دیا۔

حضرت صوفی صاحبؒ حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی وصیت وتمنا کے مطابق بھرپور طریقے سے تبلیغ کے کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ بہی خواہوں سے ملاقاتیں کیں، احباب کے پاس خود چل کر گئے اور مزید رسائل لکھے۔ یہاں تک کہ کام جمانے اور بڑھانے کی جو مناسب شکل سامنے آئی اس پر عمل کیا۔

آپ نے حضرت شیخ کی وفات کے بعد تیرہ سال پاکستان کے مختلف شہروں میں رمضان المبارک خانقاہی چلہ کے طور پر ذکر وفکر کے ایک خاص ماحول میں حضرت شیخ کی طرز پر گزارا۔ الحمدللہ آپ کی مساعی جمیلہ کے بہت مبارک اثرات مرتب ہوئے۔ بے شمار لوگ اپنے حضرات اکابر کے ذوق وفکر سے آگاہ ہوئے اور دورِ حاضر کی کج فہمی سے نجات حاصل کی۔ اسی طرح مجالس ذکر کا ایک مبارک سلسلہ شروع ہوا۔ کئی ایک مراکز علم میں بھی محافل ذکر قائم ہوئیں۔

بیسیوں مقام پر محافل درود شریف قائم ہو چکی ہیں۔ اور مزید بھی مجالس ذکر و درود شریف قائم ہو رہی ہیں۔ خانقاہوں کے قیام یہ ابتدائی درجہ پورے آداب و برکات کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ ان محافل میں تصحیح اخلاق کے سلسلے میں اپنے اکابر کا کوئی مفید رسالہ پڑھا جاتا ہے یا زبانی گفتگو کی جاتی ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں سینکڑوں لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو ان میں سے بیسیوں نے اپنی زندگی کا رخ تبدیل کر لیا۔ آپ کے متوسلین نے راولپنڈی، لاہور، کبیر والا، ٹیکسلا، ملتان، سکھر اور کراچی میں رمضان المبارک اصلاح چلے کے طور پر گزارنے کا اہتمام شروع کر دیا۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک......

حق جل شانہٗ نے حضرت صوفی صاحبؒ کو بہت سی اعلیٰ صفات سے نوازا تھا۔ جن میں سے حمیت و محبت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ دین متین کی تعبیر و تشریح میں ہلکی سی تحریف پر نکیر کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کو جو لگاؤ تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس ذیل میں آپ نے درقدر رسائل تصنیف فرمائے مثلاً درود و سلام کا مقبول وظیفہ، حقوق خاتم النبیین، آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، العطور المجموعہ وغیرہم۔

آپؒ کا سفر آخرت

وصال سے ایک سال قبل حضرت صوفی صاحبؒ نے ۱۴۲۰ھ میں اپنے احباب کی خواہش پر استخارہ کے بعد سفر حج کا ارادہ فرمایا اور اسی استخارہ کے ذریعے آپ کو اپنی وفات سے ایک سال قبل ہی سفر حج کی خوشی کے ساتھ ساتھ اپنے آخری سفر ہونے کا بھی یقین ہو گیا۔ آپ جس بیماری میں چار سال سے علیل تھے، اس سے ضعف بڑھتا جا رہا تھا مگر اکثر اوقات چہرے پر بشاشت کے آثار محسوس ہوتے۔ انہی دنوں آپ نے حضرت سید ابوالحسن علی ندویؒ کے متعلق اپنی آخری تالیف "یہ ملاحت کدھر سے آئی" لکھوائی اور اسی دوران حرم شریف بھی حاضری ہوتی رہی۔

جب سے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی (سوائے ایام علالت یا سفر کے) ہر اتوار کو باقاعدہ حضرت صوفی صاحبؒ کے پاس تشریف لاتے تھے۔ اگر مکہ یا پاکستان سفر کا ارادہ ہوتا تو پندرہ بیس دن قبل ہی حضرت صوفی صاحبؒ کو اپنا پروگرام بتا دیتے۔ ملاقات کے وقت کئی باتوں میں مشورہ کرتے۔ بیماری کے فضائل بھی بیان فرماتے اور حضرت صوفی

صاحبؒ سے کہتے کہ ”آپ کے نمبر بڑھ رہے ہیں“ نیز یہ بھی فرماتے کہ ”آپ کی ملاقات کے لئے اتوار کا انتظار رہتا ہے“۔ حضرت صوفی صاحب کو حضرت ڈاکٹر صاحب سے قدیم زمانہ سے غائبانہ تعارف اور محبت تھی، ملاقات پر اس میں بہت اضافہ ہوا۔ حضرت صوفی صاحب آپ کے لئے پکوڑے، کباب وغیرہ بنواتے۔ کبھی باقاعدہ دعوت کا اہتمام ہوتا۔ آپ کی صحت ذرا بھی اجازت دیتی تو ڈاکٹر صاحب کے استقبال کے لئے باہر تشریف لاتے۔

انہی ایام میں ڈاکٹر اسماعیل صاحب مولانا مدنی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب، حضرت مولانا اشتیاق صاحب، حضرت مولانا طلحہ صاحب، مولانا زبیر الحسن صاحب، حضرت مولانا شاہد صاحب، حضرت حاجی فضل عظیم صاحب وغیرہ بھی تشریف لائے۔ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب چونکہ رمضان المبارک سے علیل تھے اس لئے کئی روز بعد شدتِ علالت کی وجہ سے ضعف بھی تھا۔ مگر اسی ضعف کی حالت میں ذیقعدہ بروز اتوار تشریف لائے، تھوڑی دیر کے بعد تشریف لے گئے۔

حضرت صوفی صاحب کو وسط ذیقعد کے بعد بخار کا سلسلہ شروع ہوگیا تو یہاں کے بڑے ہسپتال میں داخل کرایا گیا اور تقریباً تیرہ دن ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر واپس آگئے۔ بخار کا سلسلہ تو کم ہوگیا مگر مرض کی دیگر خطرناک علامات ظاہر ہونا شروع ہوگئیں۔ انہی ایام میں اکثر اوقات آپ مراقب رہتے۔ حج کے بعد آنے والے مہمانوں سے شدتِ ضعف کی بناء پر کچھ کلام نہ فرماتے۔ یہ مہمان حضرات، حضرت والا کے دیدار اور خاموش مجلس پرانوار ہی سے محظوظ و مستفید ہوتے۔ وسطِ محرم میں دوبارہ طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی، دوبارہ پندرہ بیس روز ہسپتال میں داخل رہ کر گھر تشریف لے آئے۔

صفر المظفر کے اخیر میں ضعف بہت بڑھ گیا مگر اس شدتِ علالت میں بھی ایک ہی سوال ہوتا تھا کہ ”نماز میں کتنی دیر باقی ہے“۔ حضرت صوفی صاحبؒ ہمہ وقت موت کی یاد اور فکر آخرت میں رہتے تھے۔ جو لوگ چالیس سال سے قبل حضرت کو جانتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ ہم بتاتے ہیں کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ موت کا غیر معمولی انتظار کرنے والا پایا اور کئی مرتبہ حضرت صوفی صاحب کی زبان مبارک سے یہ شعر سنا:

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے، کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے

ہماری بھی شب کیسی شب ہے الٰہی نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

وصال سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل حضرت صوفی صاحب کو خواب میں یہ مژدہ سنایا گیا جوان کے دل کی تمنا تھی۔ دیکھا کہ سید محمود صاحب مدنی (برادر حضرت شیخ الاسلام مدنی) تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں ''صوفی جی، اب تیاری کرو'' اس خواب سے ظاہر ہے کہ عاقبت محمود عاجلہ کا واضح اشارہ تھا۔ آپ کو آخری ایام میں دارالبقاء کی طرف کوچ کے وقت کا بھی خوب ادراک تھا۔ چنانچہ وصال سے کچھ روز قبل آپ نے غسل فرمانے کی خواہش ظاہر کی، حضرت حکیم مسعود الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت طبیعت اس کی متحمل نہیں ہے، سخت بخار کا اندیشہ ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا ''غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو'' غالباً پہلا مصرعہ اسی تواضع کی بناء پر نہیں پڑھا۔ جس کا اثر آپ کی ہر ادا اور ہر قول و فعل میں غالب رہتا تھا۔

موت ہی سے کچھ علاجِ دردِ فرحت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

چند سال قبل ایامِ حج میں پاکستان سے مختلف خانقاہوں سے حضرت کے قریبی احباب و مجازین آئے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ: ''میرے انتقال کے وقت بھی یہ سب موجود ہوں تو بہت اچھا ہے''۔

حضرت مولانا حکیم وجود الرحمٰن صاحب وفات سے تقریباً تین ماہ قبل ہی سے دن رات حضرت جی کی خدمت میں تھے۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بھی ۱۷ روز قبل تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا عبدالغفار صاحب، حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب، حضرت مولانا قاری اہل اللہ صاحب، حضرت پروفیسر سید اشرف صاحب بھی تین روز قبل تشریف لے آئے۔

حضرت ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب جدہ سے اتوار کی شب پہنچ گئے تھے اور وصال سے ایک گھنٹہ قبل مدینہ پاک میں مقیم قریبی احباب و متوسلین پہنچ گئے تھے۔

(حضرت کے قریبی رشتہ دار بھائی آفتاب صاحب اور بھائی زبیر صاحب پہلے ہی موجود تھے) اسی طرح خصوصی خدام بھائی احمد حسن اور بھائی عرفان بھی پہلے ہی موجود تھے اور حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب اور صوفی اسلم صاحب دامت برکاتہم بھی موجود تھے، ان کے علاوہ باقی خدام بھی موجود تھے۔

وصال سے ۲۴ گھنٹے پہلے ہی سے بروز ہفتہ عصر کے بعد آپ کا کھانا پینا بند ہو چکا تھا اور ایک ایک قطرہ زمزم شریف کا حلق سے اترتا تھا۔ اسی وقت سے مسلسل وصال تک اسمِ ذات اللہ اللہ کا ورد آخری ساعت میں ذرا زور سے جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے ساری زندگی اسی نام پاک کے لئے کھپا دی ہو اور اپنے انوارِ قلبیہ سے سینکڑوں افراد کو واصل باللہ بنایا ہو، ساری زندگی ذکر اللہ اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دھوم مچائی ہو، اس کی زبان مبارک سے اس وقت یہ ہی نام جاری ہوتا تھا۔ وصال سے تھوڑی دیر قبل سب حضرات نے یٰسٓ شریف پڑھی اور بعد نمازِ مغرب شب دوشنبہ بتاریخ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱۴ جولائی ۲۰۰۰ء حضرت صوفی صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وصال فرما گئے۔ (رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ)

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد
جان ہی دے دی جگر نے آج کوئے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت صوفی صاحب کے وصال کی خبر سب جگہ بہت تیزی سے پھیل گئی۔ ریاض، جدہ اور مکہ مکرمہ سے حضرت کے متعلقین نیز حضرت شیخ کے متعلقین ومجازین اور بہت سے تبلیغ سے تعلق رکھنے والے حضرات اہتمام سے جنازے میں شرکت کے لئے تشریف لے آئے۔ بروز پیر بعد نمازِ ظہر مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وتسلیمات میں ایک جم غفیر نے نماز جنازہ ادا کی اور جنت البقیع میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قدموں میں تدفین ہوئی۔ نوّر اللہ مرقدہٗ واعلیٰ اللہ مراتبہٗ

شہنشاہِ خطابت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ

(وفات: ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۰ء)

جگر کے خون سے رخ بے کساں نکھار گئے
عجب شان سے وہ زندگی گزر گئے

چھریرا بدن، تیکھے نقوش، بوٹا سا قد، عمدہ لباس، پشاوری طرز سے ملتی جلتی قراقلی ٹوپی، پاؤں میں ملتانی کھسہ، دونوں شانوں پر پھیلایا ہوا تکونی ریشمی رومال، خوشبو سے معطر یہ تھے مولانا محمد ضیاء القاسمی۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ غلام محمد آباد کی دہلیز پر واقع مدنی مسجد میں خطیب تھے۔ قبل ازیں انہوں نے مائی دی جھگی میں کسی مسجد میں مشق سخن کا آغاز کیا تھا۔ مولانا مرحوم موجودہ گول مسجد تب چٹیل میدان تھا میں نمودار ہوئے تو ان کی ہنگامہ خیز زندگی کا آغاز ہوا۔ ایک دوسرے فرقہ کی مخاصمت اور مزاحمت نے انہیں طاقت اور خطابت کے جوہر دکھانے کا موقع دیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خطابت میں جرأت و شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک خطیب یا مقرر خود جری اور بہادر نہ ہو۔ مولانا ضیاء القاسمی بلاشبہ بہادر انسان تھے۔ تندی باد مخالف سے گھبرانے کی بجائے انہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انہوں نے مخصوص حالات کے پیش نظر مسلک دیوبند میں سر بلند کیا، نتیجتاً مولانا مرحوم کو پذیرائی ملی، اس طرح دن بدن ان کے سننے والوں کے ساتھ ساتھ چاہنے والوں کا حلقہ ان کا اسیر ہوتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز کا حسن، زبان کی چاشنی اور بیان کا جادو عطا کیا تھا۔ دوران تقریر قرآن پڑھتے تو مولانا قاری لطف اللہ کی یاد تازہ کر دیتے جن کے وہ خوشہ چیں تھے۔ ان کے ہاں جمعہ کی حاضری سینکڑوں سے ہزاروں تک جا پہنچی۔ مولانا ضیاء القاسمیؒ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ان کے زبان و بیان کے شیدائی جمعہ سے پہلے گول میدان

میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ مولانا کے سامعین ان کے گرویدہ تھے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا امتیازی وصف ان کا مخصوص انداز خطابت تھا۔ اگر چہ وہ عوامی مقرر تھے تاہم انہیں خواص میں بولنے کا یکساں ملکہ حاصل تھا۔ مولانا مرحوم دینی، سیاسی، علمی، ادبی ہر طرح کی مجلس میں بولنے کا فن جانتے تھے۔ وہ بلاشبہ نباض خطیب تھے۔ سننے والوں کے دل کی بات کہتے اور یہی چیز ان کی خطابت کی مقبولیت اور محبوبیت کا باعث تھی۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مولانا ضیاء القاسمی کا وقت رخصت

بت کدوں میں لا الہ الا اللہ کا نعرہ بلند کرنے والا ...... بدعت کے بازاروں میں جا کر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے پھول تقسیم کرنے والا ...... زندیقوں پر عقائد باطلہ اور ملحدوں پر افکار ضالہ کی ضلالت و گمراہی واضح کرنے والا اور گنہگاروں کو اپنے رب سے معافیاں مانگنے کی شب و روز تلقین کرنیوالا مبلغ حق و صداقت داعی توحید و سنت آج صبح سے آہستہ آہستہ دھیمی آواز میں عربی میں اپنے رب کے حضور میں دعائیں مانگ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھتا ہوا نظر آتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ جیسے کوئی اپنے مالک سے کہہ رہا ہو کہ اے پروردگار عالم دنیا کے اندر جو خطائیں تیرے اس کمزور بندے سے سرزد ہوئیں معاف فرمادے اور جب اس کا مالک معافی کا اعلان کرتا ہے تو وہ اپنی نگاہیں نیچے کر کے اپنے مالک کا شکر ادا کر رہا ہو۔ وقت گزرتا گیا وقت ایک ایسی چیز ہے جو کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ اب وقت رخصت قریب آ گیا۔ گھر والوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ بیٹے موجود ہیں، بیٹیاں موجود ہیں، ڈاکٹر موجود ہے، جانے والا مہمان اپنی زبان سے باہوش وحواس کہہ رہا ہے کہ "اے میرے اللہ میں نے ساری زندگی تیری توحید اور تیرے محبوب ﷺ کی سنت کا پھریرا لہرایا ہے۔ اس کی تبلیغ کی ہے۔ میرے ساتھ سختی نہ کرنا"۔ اپنے بندے کی عاجزانہ دعا کو رب ذوالجلال والاکرام نے اپنی جلالت شان اور کرم بے کنار کے ساتھ سنا اور شرف قبولیت عطا فرمایا اور اس پر رحمت کا مینہ برسا دیا۔ مرنے سے پہلے اس کے گناہوں سے خط تنسیخ کھینچ دیا۔ ہم کون اور ہماری کیا طاقت اس دعویٰ غیب کی ـــــ امام الانبیاء، محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس زبان پر آخری کلام لا الہ الا اللہ جاری ہو گیا پس وہ

جنت میں داخل ہو گیا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قال آخر الکلام کلمة لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنة. وقت کے ساتھ ساتھ اب طبیعت خراب ہوتی جارہی ہے، (اضطراب بڑھتا ہوا دیکھ کر) ڈاکٹر نے دوائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ فدائے توحید عاشق رسول ﷺ کی جانکنی پر ہے اور کہہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب وقت گزر چکا ہے اب دوا اثر نہیں کرے گی۔ فرماتے ہیں ڈاکٹر بشیر صاحب تم بھی گواہ رہنا میں نے ساری زندگی توحید وسنت کا ڈنکا بجایا ہے اور کلمہ توحید وشہادت زبان سے بلند آواز کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ **اشھدان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ** بلند آواز سے دومرتبہ پڑھا۔ **وحدہ لا شریک لہ، وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان محمدًا عبدہ و رسولہ.** غشی طاری ہوگئی اور اسی روز 29 دسمبر 2000ء کوشام چار بجے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ کون اٹھا محفل ہستی سے عزیزو
خورشید جہانتاب بھی خونبانہ ہے
تیرے بعد اس محفل میں اندھیرا رہے گا
ہزاروں چراغ جلائیں گے روشنی کیلئے

رات 9 بجے ٹیلی ویژن اور زی ٹی وی اور بی بی سی نے بھی وفات کا اعلان کیا، مولانا ضیاء القاسمیؒ کا جنازہ آپ کے گھر کے سامنے قاسمی پارک میں دوسرے روز بارہ بج کر پندرہ منٹ پر سلطان العارفین قدوۃ السالکین سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی جس میں ہزاروں غمزدہ محبت واحترام کرنے والے شریک ہوئے۔ لوگوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ قاسمی پارک لوگوں سے بھرا ہوا تھا اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ آپ کے عقیدت مند پورے ملک سے تشریف لائے تھے اور لوگوں نے پارک کے باہر سڑکوں پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی کے بعد یہ پہلا اتنا بڑا جنازہ تھا جس میں علماء کرام مشائخ عظام، طلباء، انجینئرز، تاجر، پولیس افسران، ایم این اے اور ایم پی اے، مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث نے شرکت کی۔

بچھڑا کچھ اس انداز سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

حضرت مولانا غلام کبریاؒ

(وفات: ۴؍ جولائی ۲۰۰۳ء)

اس چند روزہ زندگی میں انسان کی تاریخ اپنے اندر نشیب و فراز لئے ہوئے ہے، زندگی کا ہر لمحہ ایک متضاد رُخ کا عکس ہے۔ انسانی خصائص کے حامل انسانوں میں ایک ایسا بھی زمرد یاقوت کی مانند جھلملاتا ہوا انسان نظر آتا ہے جو انسانیت کیلئے کلاہِ افتخار، صاحبانِ دانش کے لئے تمغۂ امتیاز ہوا کرتا ہے، پھر چند روزہ حیات کے سایوں اور چلملاتی دھوپوں اور اس کے ساتھ ٹھٹھرتی سردیوں، بادِ بہاراں کی پُر کیف اور روحوں میں اُتر جانے والی ٹھنڈی ہواؤں، خزاں کے جھاڑتے جھکڑوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد بادِ قضا کی نذر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دارِ فانی کو الوداع کہتا ہے، قبر کی گود میں جا سوتا ہے، اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے قبر میں رہنے کے باوجود دنیا میں رکھتا ہے، وہ دلوں کی زمینوں میں فضاء کے جھونکے کی مانند مسکراتا رہتا ہے بلکہ موت کی وادی اسے مزید دوام بخشتی ہے۔ وہ مر کر بھی زندۂ جاوید ہو جاتا ہے اس کی زندگی جو حقائق کے لفافوں میں لپٹی ہوتی ہے تاجِ دوامیت حاصل کر کے سنہری مسہریوں پہ موجزن ہو جاتی ہے، اس کے اخلاق، محاسن اور کمالات حمیدہ اس قدر امر کر دیتے ہیں کہ اس کی کھلکھلاتی ہنسی سے لے کر آہ و فغاں تک بچپن کی معصومیت سے لے کر عنفوانِ شباب تک پھر جوانی سے لے کر دہلیز بڑھاپا تک ہر ہر کام تاریخ کا ہنستا بستا ایک مستقل عنوان بنجاتا ہے اور اس قدر انمٹ نقوش چھوڑتا جاتا ہے کہ جو مٹائے نہیں مٹتے۔ کیوں کہ وہ دلوں کی بستیوں میں مرقوم ہوتے ہیں انہی صفات حمیدہ اور اخلاقِ عظیم سے متصف لوگوں میں سے ایک ہستی مولانا غلام کبریا مرحوم کی تھی۔ جو چار جولائی ۲۰۰۳ء بروز جمعۃ المبارک بوقت شام ۶ بجے اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اہلیانِ رحیم یار خان آج یتیمی کی ردا اوڑھ لی ہے، وہ ہنستا مسکراتا دل لبھاتا علم عمل کا بحر بیکراں غموں کو بانٹنے والا آج اپنے حقیقی خالق کو جاملا ہے۔ پانچ سال کی طویل مدت تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا یہ صبر کا پہاڑ شخص آج فضا کو سوگوار بنا گیا ہے چشمِ فلک سے آنسوؤں کی تسبیحات پروئی جارہی ہیں، زمین کی حالت ایسی ہے کہ گویا ایک بادِ بہاری اسے چھوڑ کر بنجر کا روپ دے گئی ہے، اس قدر رحمت اور اخلاص وللٰہیت کے مہرِ منیر شخص کے لئے اب نرگس کو ہزاروں سال بارگاہِ ایزدی میں رونا پڑے گا۔ تب جا کر کہیں سالوں کی پگڈنڈیوں کو عبور کرنے کے بعد چمنستانِ دنیا ایسے خوشگوار اور رونق افروز پھول کو دیکھ سکے گی۔

حضرت مولانا غلام کبریا مغفور کی تمام زندگی دینِ حق کی پاسداری میں گزری اور دینِ حق پر چلتے ہوئے انہوں نے ایسی تابناک مثالیں قائم کیں جو آنے والی نسلوں کو سبقِ تقلید دیتی رہیں گی۔ ایسے افراد جن کی کشتی مصائب کے ہچکولوں اور طوفانِ بدتمیزی کے خطرناک تھپیڑوں سے اُلجھی ہو پھر بھی وہ درسِ صبر دیں اس دنیا میں تعداد بہت ہی کم ہے۔ اور میں چونکہ مولانا کا بھتیجا ہوں اس لئے میں نے ان کو قریب سے دیکھا ہے میں نے ان کو باپ کی شکل میں ایک مشفق انسان پایا ہے، چچا کے روپ میں محبت کا لگاؤ دیکھا ہے، عالم کے روپ میں ایک باعمل شخص دیکھا ہے، مجاہد کے روپ میں ایک باکردار شخصیت کا مالک پایا ہے۔ مولانا مرحوم کی تمام زندگی مصائب سہتے ہوئے اور تکلیفیں اٹھاتے ہوئے گزری ہے۔ لیکن کمالِ صبر ہے کہ زبان سے اُف نہ لائے۔ لیکن آہ آج وہ عالم موت کی لمبی چادر تان کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا ہے۔

مختصر طور پر یہاں ان کی زندگی کا خاکہ پیش خدمت ہے۔ بعض ایام تو قلم کا محور بن جاتے ہیں اور آنے والے ادوار میں لوگ ماضی کا آئینہ اٹھا کر ان کی تابناکیوں کو ملاحظہ کرتے ہیں کیونکہ دل ودماغ میں انکی یادیں جھلملا رہی ہوتی ہیں، وہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں کسی شخصیت کا روپ ہے جو اسے ممتاز بنائے ہوئے ہیں۔

مولانا ایسی ہی شخصیت تھے جن کو مستقبل کا انصاف پسند مؤرخ ماضی کے دریچوں میں ضرور دیکھے گا۔ مولانا غلام کبریا مرحوم عام حیثیت کے گھرانے کے فرد تھے بلکہ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ان دنوں جب پاکستان اپنی چوتھی سال گرہ منا رہا تھا، ضلع رحیم یار خان کے نواح میں بستی وارنی موضع شاہ گڑھ میں ۱۹۵۰ء میں اپنی ماں کی کوکھ سے ایک بچے نے جنم لیا جو مستقبل کا تاریخ کا نیا باب بننے والا تھا، کس کو پتہ تھا کہ یہ بچہ ایسے کارنامے دکھائے گا جو تاریخ کو

بھی زندہ جاوید کرنے کا سبب بنیں گے۔ مولانا غلام کبریا کے والد محترم حضرت مولانا حافظ ہدایت اللہ مرحوم ایک کاشتکار تھے، زندگی کی الائشوں میں رہتے ہوئے دینی فطرت کے مرقع تھے، یہ خاندان اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کی رگوں میں اس شخصیت کا خون دوڑ رہا ہے جس نے پچیس سال گھر سے دور دارالعلوم دیوبند کی درس گاہ میں رہ کر روکھی سوکھی پہ گزارہ کر کے علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی اس شخصیت کا نام مولانا تاج الدین مرحوم تھا۔ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہم درس تھے، یہ شخصیت اس خاندان کو عروج عطا کرنے کا حیلہ بنی اور اس خاندان کو وہ مقام عطا کیا جو آج تک اہلیانِ علاقہ کے لئے علم وعرفان کا مرکز ہے کچھ خاندانی اثر اور کچھ ذاتی شوق سے اس بچے نے تعلیمی میدان میں قدم رکھا اور ناظرہ قرآن کے بعد درسِ نظامی شروع کیا خوب محنت اور کاوش سے دور دور کے مدارس میں حصولِ تعلیم کے لئے سرگرداں رہے۔ نامور اساتذہ کرام کے سامنے زانوائے تلمذ طے کئے۔ آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا عبدالعزیز شجاع آبادی، مولانا منظور الحق، مولانا منظور احمد نعمانی، شیخ الحدیث جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑی مولانا عبدالغفور سجاول، مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا علی محمد مرحوم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے ہم درس لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ایک ذہین فطین طالب علم تھے۔ آپ کے ساتھ پڑھنے والوں میں مؤرخ اسلام مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید، مجاہد اسلام مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ قابلِ ذکر ہیں۔

دارالعلوم کبیر والا سے سندِ فراغت لے کر آبائی گاؤں میں مدرسہ تاج العلوم میں تدریس شروع کی لیکن فطرت کو کچھ اور منظور تھا، پانچ سال تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد نزدیکی شہر ترنڈہ سوائے خان میں مدرسہ کی بنیاد رکھی وہاں قرآن مجید کی تعلیم شروع کرائی اور ساتھ ساتھ جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ میں خطابت کے گوہر دکھانا شروع کئے کیونکہ ایک نامور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فصیح اللسان مبلغ بھی تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ اہتمام کا کام اپنے بھائی قاری کفایت اللہ مرحوم کے سپرد کر کے کوٹ سمابہ منتقل ہو گئے، انہی دنوں آپ نے سپاہِ صحابہ میں شمولیت اختیار کی اور مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کے دست وبازو بنے۔ چند سال کوٹ سمابہ گزارنے کے بعد آپ پھر ترنڈہ سوائے خان تشریف لے آئے، اسی عرصہ میں جماعتی کام جاری وساری رکھا، جیلیں بھی دیکھیں، ہتھکڑیاں پہنیں، جولان بھی پہنے، سزائیں بھی کاٹیں، جبر وتشدد بھی برداشت کیا، لیکن اپنے مشن سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ پھر سپاہِ صحابہ پنجاب کے سرپرست مقرر ہوئے او ۱۹۹۵ء میں ضلعی صدارت کا منصب سنبھالا، پھر ۱۹۹۶ء میں آپ ایک حادثہ کا شکار ہو گئے جو کہ

بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔ رحیم یار خان، ملتان، بہاولپور وغیرہ میں بغرضِ علاج تشریف لے گئے لیکن افاقہ نہ ہوا، تین چار آپریشن بھی ہوئے لیکن لاحاصل۔

بالآخر موت کے گہرے پانیوں میں ڈوب گیا، اس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔ مجھے جب جامعہ عربیہ مخزن العلوم میں ہفتہ کی شب فون پر ان کے بیٹے عبداللہ نے ان کی حسرت ناک وفات کی اطلاع دی تو فون کا رسیور میرے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ اور میں تھکے ہارے مسافر کی مانند ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ جب ترنڈہ پہنچا تو ان کا چہرہ دیکھ کر ایمان کو تازگی ملی، میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا یہ وہی چہرہ ہے جو فالج، کینسر اور مختلف بیماریوں کی تصویر رہا ہے کیونکہ ان کے چہرے پر کوئی ایسی چیز نہ تھی جو یہ تاثر دیتی کہ یہی شخص ۵ سال طویل عرصہ بیمار رہا ہے۔ جنازے کا وقت صبح سات بجے رکھا گیا، نماز کے بعد سے ہی ہزاروں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق جنازہ گاہ کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے، ہر آنکھ اشکبار تھی، دل لہولہو تھا، جگر دولخت تھا، بالآخر جنازہ کا وقت ہوگیا۔ جنازہ مولانا منظور احمد نعمانی نے پڑھایا۔ جنازہ میں مذہبی سیاسی سماجی لوگوں کے علاوہ علمائے کرام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جن میں مولانا محمد یوسف مدظلہٗ جو کہ آپ کے چچازاد بھائی بھی تھے، مولانا رشید احمد لدھیانوی رکن مرکزی جمعیت علماء اسلام، میاں مظہر نثار رکن جمعیت علمائے اسلام، مولانا مسعود الرحمٰن عثمانی مرکزی معاون ملتِ اسلامیہ، مولانا حاجی مطیع الرحمٰن درخواستی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا علی شیر حیدری صاحب نے بھی نماز جنازہ پر پہنچنے کی کوشش کی لیکن صرف دس منٹ کے وقفہ کی وجہ سے جنازہ میں شرکت نہ کرسکے تاہم بعد میں مولانا کی میت سے دیر تک لپٹ کر روتے رہے۔ ان کی آنکھوں سے ایک سیلِ رواں جاری تھا۔ پھر قبرستان کی طرف مولانا پیدل گئے اور وہاں کافی دیر بیٹھے رہے۔ ۵/جولائی ۲۰۰۳ء بوقت دس بجے اخلاص وللّٰہیت کے پیکر مجسم کو سپردِ خاک کردیا گیا۔

(ماہنامہ خلافت راشدہ۔ ستمبر ۲۰۰۳ء ص ۳۳،۳۴)

فقیہ العصر، حضرت مولانا

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

(وفات: ۱۹؍فروری ۲۰۰۲ء)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار پاکستان کے جید ترین علماء وفقہاء میں ہوتا تھا۔ ان کے علم وعمل، زہد وتقویٰ، حق گوئی و بے باکی اور اوصاف و کمالات سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ آہ وہ بھی رخصت ہوئے۔ ابھی تو حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری ثم مدنیؒ کی مفارقت سے زخم تازہ ہی تھے کہ حضرت صاحبؒ بھی اس کاروان آخرت سے جا ملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

علماء واولیاء کا یہ قافلہ بڑی تیزی سے سفر کررہا ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔ آمین

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں ''صاحب الرؤیا'' کے لقب سے معروف تھے۔ آپ 3 صفر المظفر ۱۳۴۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور تعلیم ثانوی مختلف مدارس میں پڑھ کر ۱۳۶۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں تمام علوم وفنون اور دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ جامع المعقول حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبدالحق نافع جیسے مشاہیر علماء واساتذہ قابل ذکر ہیں۔ اسی سال دورہ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید حضرت قاری عزیز احمد

صاحبؒ اور حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ صدر قراء دارالعلوم دیوبند سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ 1362ھ میں مدرسہ مدینۃ العلوم حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا۔ 1364ھ میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کی تدریس بھی فرمائی۔ پھر 1366ھ سے دارالافتاء کا کام سنبھالا اور اس طرح آپ 1369ھ تک بیک وقت شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔ 1370ھ میں آپ بحیثیت شیخ الحدیث مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے اور 1376ھ میں سیدی و مرشدی حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے حکم پر بطور شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور شعبان 1383ھ تک آپ دارالعلوم کراچی ہی میں رہے۔ اس دوران بڑے بڑے علماء فضلاء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ ملک بھر میں، دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ درس حدیث کے ساتھ ساتھ آپ نے فتاویٰ نویسی شان تحقیق و تفقہ اور تعمق نظر میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ ملک و بیرون کے علماء فقہاء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کے مستند فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جو بے حد مقبول ہوئے ہیں۔ فتاویٰ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی طرح آپ کو بھی بلند مقام حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں تدریسی و فقہی خدمات کے علاوہ ایک سو سے زائد تصانیف مختلف موضوعات پر تالیف کیں۔

1383ھ میں آپ نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی خواہش کے مطابق مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد رکھی جو ناظم آباد کراچی میں واقع ہے۔ پھر اسی سے ملحقہ عوام و خواص کی اصلاح کے لیے خانقاہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں دارالافتاء والارشاد کے نام سے ایک عظیم ادارہ قائم فرمایا جہاں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کو تمرین افتاء کے لیے داخل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ فیض باطنی اور تقویٰ استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت سے بھی مالا مال کیا جاتا ہے اور اس کے نشست و برخاست کا مقصد مستقل شریعت محمدی پر چلانا ہے اور ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری قدس سرہ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ساری زندگی حضرت حکیم

الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب کے مطابق تبلیغ واصلاح میں مصروف رہے۔

روزنامہ اسلام، ہفت روزہ ضرب مومن اور اسی طرح بچوں کا اسلام وخواتین کا اسلام حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دعاؤں سے جاری ہوئے تھے، اور موجودہ دور میں تصاویر سے پاک بہترین صحافت کا بہترین نمونہ ہیں۔

آپ نے ہزاروں افراد کی اصلاح وتربیت کی۔ دور دراز سے لوگ آپ کے مواعظ حسنہ میں شریک ہوتے تھے اور آپ کے فیض علمی وروحانی سے استفادہ کرتے رہے۔ اور بالآخر یہ مرد حق ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ ۱۹ر فروری ۲۰۰۲ء بروز منگل کو دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرماگئے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے مشن مقدس کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے آمین۔

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ

(وفات: ۲۱ رمئی ۲۰۰۲ء)

پیکر علم وحیا، منبع دین وسیاست، صاحب عزم وعزیمت، داعی انقلاب اسلامیہ، بقیۃ السلف، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ اس صدی کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے کہ جب وہ شخصیت اُٹھ جائے تو پھر اس کی نظیر دوبارہ دنیا میں کم پائی جاتی اور جو خلاء اس کے جانے سے پیدا ہوتا ہے وہ بمشکل پُر ہوسکے۔ حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ اس دور کی وہ جامع شخصیت تھی جس میں دین وسیاست کی دونوں صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آپ قادر الکلام خطیب اور منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔

جمعیت علمأ اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاست کا آغاز کیا تو آخری سانس تک اسی پلیٹ فارم پر گرجتے اور برستے نظر آئے۔ جمعیت علمأ اسلام کے سابق امیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے ساتھ میدانِ سیاست میں قدم رکھا وقت کے طوفانوں اور آندھیوں کے باوجود پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ آپ کو خطابت میں کمال درجہ دسترس حاصل تھی آپ کا خطاب احادیث نبویؐ سے معمور قرآنی آیات سے مزین اور محبت بھرا پیغام ہوتا، دودو تین تین گھنٹے تک آپ بولتے رہتے اور عوام والہانہ انداز میں محو سماعت رہتے۔

حق وصداقت کا بیان کرنا تو آپ کا خاصہ تھا، یہ اکابر کا ورثہ تھا اس کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مقدمے بنے کبھی جیل اور کبھی تھانے کے مہمان بنتے رہے لیکن شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن، حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابر کے مشن کو پوری استقامت کے ساتھ جاری رکھا، دین

کی حفاظت اور سر بلندی کے لیے اُٹھنے والی ہر تحریک میں وہ نمایاں اور بالا نظر آتے۔ اُنھوں نے دینی تحریکات میں خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ خواہ اس کے لیے کتنے ہی بڑے امتحان اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑے۔

1953ء اور 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا نے قائدانہ کردار ادا کیا ان مقدس تحریکوں میں ہزاروں علمأ ومشائخ نے لاکھوں عوام کے شانہ بشانہ ہمہ قسم مصائب وآلام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بہترین کردار ادا کیا۔ حضرت مولانا بھی جرأت مندانہ کردار ادا کرتے ہوئے ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر رات دن مصروف عمل رہے۔

۱۹۵۶ء میں جب حکومتِ پاکستان نے ایک آئین تشکیل دیا اور اسے پراپیگنڈہ کے زور سے اسلامی بنانے کی کوشش کی تو علمأ اور دینی حلقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اس آئین میں ایسی خامیاں رہ گئی تھیں جو قرآن وسنت کی روح کے منافی تھیں اور جن کی وجہ سے ارتداد کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ تھا۔

جمعیت علمأ اسلام کی قیادت نے خطرے کو بھانپ لیا مفکرِ اسلام حصرت مولانا مفتی محمودؒ کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی۔ جس کا مقصد 1956ء کے آئین میں موجود خرابیوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں نشاندہی کرنا اور ان کے انسداد کی تجاویز پیش کرنا تھا اصل حقائق سے آگاہی کے لیے عوام تک آواز پہنچانے کا فیصلہ ہوا تو اس میدان میں حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ نمایاں نظر آئے۔

فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین منظور ہوئے جس کے خلاف علمأ کی صفیں درست ہوئیں قومی اسمبلی میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور دیگر اکابرین نے غیر اسلامی قوانین کو للکارا اور دلائل کی دنیا میں اُنھیں غیر اسلامی قرار دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے عوامی تحریک بنیاد ہوا کرتی ہے اور عوام کو منظم کرنے کے لیے جید علمأ اور نامور خطبأ کی ضرورت ہوا کرتی ہے ایسا ہی عائلی قوانین کے خلاف عوامی محاذ پر سرگرم نظر آنے والی شخصیات میں حضرت مولانا محمد اجمل خان نمایاں نظر آئے آپ نے اس موقع پر اربابِ اقتدار کو للکارتے ہوئے عوامی اجتماعات میں اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

”کلمہ اسلام، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کے نام پر بننے والے ملک میں اکبر طرز پر ایک نیا نظام لانے والو! یاد رکھو عوام ہر بات برداشت کر سکتے ہیں لیکن قرآن وسنت سے

متصادم کسی نظام کو برداشت نہیں کریں گے۔

ہر تحریک کی طرح ایوب خان کے دور میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر فضل الرحمٰن نے ملت اسلامیہ کے مسلمہ عقائد ونظریات کے برعکس اپنی طرف سے اسلام میں پیوند کاریاں لگائیں تو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف جمعیت علمأ اسلام کی قیادت نے تحریک کا اعلان کیا تو عوام اکابرین کے شانہ بشانہ تھی۔ ہر طرف غیر اسلامی اقدامات کے خلاف عوام اُٹھ کھڑی ہوئی جمعیت علمأ اسلام کی قیادت جو حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ حضرت مولانا مفتی محمودؒ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ اور دیگر اکابرین نے دلائل کی دنیا میں عوام کو منظم کرلیا بالآخر حکومت کو جھکنا پڑا۔

1953ء میں چلنے والی تحریک آہستہ آہستہ رواں دواں رہی 1974ء میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں منظم اور شاندار تحریک چلی۔ اس تحریک میں بھی حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ نے بے مثل اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ کراچی سے خیبر تک ہونے والے عوامی جلسوں کانفرنسوں اور جلوسوں میں عوام نے حضرت مولانا کو کفر کے خلاف گرجتے اور برستے دیکھا ناموسِ رسالت کے لیے دن کا چین اور رات کا آرام قربان کر دیا تھا جب دورانِ خطابت ''خطیب اسلام زندہ باد کا نعرہ لگتا تو فرماتے:

> ''ختم نبوت پر ڈاکے پڑیں، ختم نبوت کے باغی مسلمانوں کا روپ دھار کر مسلمانوں کو گمراہ کریں، حکمران اللہ اور رسول کو راضی کرنے کے بجائے غیروں کو خوش کرنے لگے ہوں...... پھر ہم زندہ باد...... نہیں نہیں...... زندہ باد علمأ ومشائخ اور عوام سب اس دن ہوں گے جس دن عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ہوگا''۔

علمأ اور عوام کی عظیم جدوجہد کے نتیجہ میں وہ دن آیا کہ قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیے گئے۔ آپ کی ایک ایک خوبی تحریک نظام مصطفیٰ کے افق پر خوب چمکی آپ کی جرأت واولوالعزمی، شجاعت، معاملہ فہمی کی دھاک خاص وعام کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ اسی تحریک میں آپ گرفتار ہوئے تو آپ کو کیمپ جیل میں بند کر دیا گیا۔ ساٹھی اسی سے زائد شخصیات اور کارکن بھی تھے ملٹری کورٹ میں کیس چلا ٹرائل بھی جیل میں تھا...... اسی دوران تھانیدار نے ایف آئی آر کو قرآن کی طرح بلکہ (نعوذ باللہ) اس سے بھی زیادہ سچا قرار دیا تو پھر جیل کے در و دیوار گواہ ہیں۔ خطیب اسلام نے

جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی یادوں کو تازہ کر دیا۔ آپ نے فوجی عدالت کے سربراہ کو مخاطب کیا اور کہا کہ:

"قرآن کی شان میں گستاخی کی گئی اور کھلم کھلا کی گئی یہ نا قابل برداشت ہے۔ ہم ایسی کسی فوجی عدالت کو تسلیم نہیں کرتے، ہم کسی سزا سے نہیں ڈرتے، دین کے لیے قرآن کے لیے اور آمنہ کے لال کے لیے جان دینا اور گولی کھانا ہماری پرانی روایات ہیں"۔

عدالت میں سناٹا تھا جرأت ایمانی سے لبریز خطاب نے عدالت میں موجود قومی اتحاد کے نوجوانوں بڑوں، بزرگوں کو اشکبار کر دیا نوجوان نعرے لگانے لگے اور یہ نعرے عدالتی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔ آخر کار تھانیدار پر مقدمہ درج ہوا۔ کئی دن کے بعد عدالت لگی اور پھر عدالت کا آغاز بھی تلاوتِ قرآن سے ہوا تھا عوام کا خطیب جیل کا بھی خطیب بنا۔ جیل میں جمعہ کے اجتماع میں بھی بیان ہوتا اس کے بعد چلنے والی تحریکات میں بھی حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ نمایاں رہے۔ تحریکی شخصیت آخر وقت تک تحریکی رہی۔ بسترِ علالت پر بھی کارکنوں سے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرتے رہنے کا عہد و پیمان لیتے رہے۔

حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ نے ہر دور میں بڑی بڑی پیشکشوں کو ٹھکرایا۔ صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں جامعہ اشرفیہ کے وائس پرنسپل مولانا فضل الرحیم صدر کی طرف سے وزارت اسلامی نظریاتی کونسل کی چیئرمین شپ شریعت کورٹ کے جج کے منصب کی پیشکش لے کر آئے۔ لیکن آپ نے اکابر کی روایات کا امین بن کر ان سب کو ٹھکرا دیا۔ ہر دور میں پیشکش بھی ہوتی رہیں اور ٹھکرانے کی روایت بھی زندہ رہی۔ سفید کپڑوں میں آنے والا مردِ قلندر میدانِ سیاست میں رہ کر بھی دامن کو بچاتا ہوا عارضی نعمتوں کو چھوڑ کر 21 رمئی ۲۰۰۲ء کو حقیقی اور دائمی نعمتوں کو لینے کے لیے رب کے حضور پیش ہو گیا۔

یقیناً رب نے خوب نوازا ہوگا، اللہ ان کے درجات کو اور بلند کرے۔ آمین

فضیلۃ الشیخ سید حبیب محمود احمد مدنی رح

(وفات: ۲۰۰۲ء)

مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا) کی باوقار شخصیت اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کے نگراں اور متولی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے برادر خورد مولانا سید محمود احمد مدنی ؒ کے صاحبزادے اور اس وقت خانوادۂ مدنی کے سب سے بڑے سرپرست اور مربی، فضیلۃ الشیخ سید حبیب محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۸۶ سال کی عمر میں ۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے، اور جنت البقیع میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے جوار میں مدفون ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

سید صاحب مرحوم نہایت رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے بے مثال تدبر وفراست اور حسنِ انتظام کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، عرصۂ دراز تک مدینہ منورہ کی مجلس اوقاف کے نگراں رہے اور متعدد تعمیری منصوبے آپ کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچے، حرم نبوی کے انتظامات میں بھی آپ کا دخل رہا، اسی طرح مدینہ منورہ کے تاجروں کی انجمن کے آپ سربراہ تھے۔ حرم شریف کی نئی توسیع کے بعد اس کے اطراف میں متعدد عالی شان ہوٹل آپ کی ملکیت میں تھے، جن میں سے کئی ہوٹل اس وقت بھی زیر تعمیر ہیں۔ آپ کو فطری طور پر علمی مشاغل اور کتابوں کی فراہمی اور ان کی اشاعت وطباعت سے دلچسپی تھی، مدرسہ علوم شرعیہ کو اپنی ذاتی توجہ سے بامِ عروج تک پہنچایا اور خود اپنے مکان میں ایک عظیم لائبریری قائم فرمائی جو مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کتابوں اور نادر ونایاب مخطوطات پر مشتمل ہے، آپ نے ہزاروں ریال کے صرفہ سے متعدد غیر مطبوعہ مخطوطات کی شاندار اشاعت کا انتظام فرمایا جن میں مدینہ منورہ کی سب سے قدیم تاریخی کتاب "تاریخ المدینۃ المنورۃ لابن شبۃ" اور علامہ سمہودی ؒ کی "خلاصۃ الوفا" (۲ جلدیں)

اور علامہ فیروز آبادی کی المغانی المطابہ (۴ جلد) اور سیرت مقدسہ کی متعدد کتابیں شامل ہیں، اسی طرح ۳ جلدوں میں ''الفقہ الحنفی والدۃ'' کی اشاعت کا نظم کیا جو فقہ حنفی کے مستدلات پر ایک قیمتی کتاب ہے یہ سب کتابیں آپ نے اپنے صرفہ سے چھپوائیں اور پھر انہیں اہل علم میں مفت تقسیم فرمایا، غیر مطبوعہ مخطوطہ کتابوں کی طباعت سے آپ کو کس قدر دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ عینیؒ کی تحریر کردہ طحاوی شریف کی شرح ''نخب الافکار'' ابھی تک دنیا میں کہیں شائع نہیں ہوئی ہے، مصر کے کتب خانہ میں اس کے مخطوطے موجود ہیں۔ مخدوم گرامی حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب سے آپ نے اس کا ذکر کیا تو سید صاحب نے مدینہ منورہ سے اپنے ایک معتمد ''شیخ اسعد شیرا'' کو بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ بھیجا، انہوں نے وہاں ٹھہر کر سرکاری لائبریری ''دار الکتب العلمیہ'' سے نخب الافکار کے مکمل نسخہ کا بہت اہتمام سے فوٹو کرایا اور ایک بڑی اٹیچی میں پیک کر کے مدینہ منورہ لائے پھر یہ امانت سید صاحب نے ہندوستان لانے کے لئے ہمارے حوالے فرمائی، ہم لوگ اس وقت حج کر کے واپس آ رہے تھے، الحمدللہ اس کتاب کی پانچ جلدیں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی تحقیق کے ساتھ دیوبند سے شائع ہو چکی ہیں اور آگے کام جاری ہے۔ اس صدقہ جاریہ میں سید صاحب کا بھی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی ان خدمات کو بے حد قبول فرمائے۔ آمین

موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح مال و دولت سے نوازا تھا اسی طرح جود وسخا اور اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی اور حسنِ اخلاق سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ نہ صرف اہلِ مدینہ بلکہ ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے آپ کے متعلقین و اعزاء آپ کے احسانات سے گراں بار تھے۔ اہلِ علم اور اصحابِ فضل کا آپ بہت اکرام فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کا مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ ہی میں قیام رہتا تھا جو اس وقت باب جبرئیل کے بالکل قریب تھا۔ اور سید صاحب پورے ذوق وشوق سے حضرت شیخؒ کے قیام کے انتظامات فرماتے تھے، اب بھی حج کے موقع پر جب صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زید کرمہم تشریف لے جاتے تو سید صاحب کی طرف سے ایک پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا جاتا تھا جس میں بڑی تعداد میں وقت پر موجود ہندوستانی احباب و علماء شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

خاندانی پس منظر

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے والد ماجد جناب سید حبیب اللہ صاحب ؒ نے ۱۳۱۶ھ میں اپنے وطن مالوف ٹانڈہ (فیض آباد) سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی، اس وقت آپ کے ساتھ جانے والوں میں آپ کے اہلِ خاندان میں شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ اور آپ کے بھائی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب ؒ، حضرت مولانا سید احمد صاحب ؒ بانی مدرسہ علومِ شرعیہ۔ سید جمیل احمد صاحب ؒ اور سید محمود احمد صاحب ؒ شامل تھے۔ اس خاندان نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بڑی سختیاں اٹھائیں اور بہت آزمائشیں برداشت کیں جن کو آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے مسجد نبوی میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا (گو کہ بیچ میں کئی سال ہندوستان میں بھی رہنا ہوا) پھر ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا مدنی ؒ اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا پہنچا دیے گئے۔ کیونکہ شریف مکہ نے انگریزوں کے ساتھ مل کر خلافتِ عثمانیہ ترکی سے بغاوت کر دی تھی اور ان حضرات کو انگریز کے مطالبہ پر گرفتار کر کے انگریز کے حوالہ کر دیا تھا۔ ان حضرات کی گرفتاری کے بعد مدینہ منورہ کی انتظامیہ نے کسی غلط فہمی کی بناء پر حضرت مدنی ؒ کے والد ماجد سید حبیب اللہ ؒ اور ان کے ساتھ دو صاحبزادوں مولانا سید احمد صاحب ؒ اور سید محمود احمد صاحب ؒ کو گرفتار کر کے ایڈریانوپل پہنچا دیا جبکہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا گیا، ایڈریانوپل نہایت سرد جگہ تھی جس کی تاب نہ لا کر سید حبیب اللہ صاحب ؒ وہاں پہنچنے کے ایک مہینہ کے بعد ہی وفات پا گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد مولانا سید احمد صاحب اور سید محمود صاحب ؒ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ تاہم بعد ازاں انگریزوں کی شدید ناکہ بندی کے باعث مدینہ منورہ میں سخت قحط سالی کی نوبت آ گئی، فاقہ کشی کی وجہ سے جان کے لالے پڑ گئے اور بھکمری پھیل گئی، گرانی کا یہ حال ہو گیا کہ ایک سونے کی گنی کے بدلے میں ایک روٹی میسر آتی تھی اور پورا خاندان دن بھر میں صرف ایک روٹی پر گزارا کرتا تھا، جس کی بناء پر ترکی حکومت نے اہلِ مدینہ کے جان کے تحفظ اور ان کے لئے خوراک فراہم کرنے کی غرض سے ترکی کے زیر اثر علاقوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا انہی منتقل ہونے

والوں میں سید حبیب اللہ صاحب کے اہل خاندان بھی تھے، اس دوران کچھ عرصہ "شام" میں قیام رہا۔ وہیں رہتے ہوئے سید محمود صاحب کے گھر میں ۱۳۲۸ھ میں جناب سید حبیب محمود احمد صاحب کی پیدائش ہوئی پھر جب حالات کچھ درست ہوئے تو یہ خاندان دوبارہ مدینہ میں آباد ہوا۔ جب کہ ان انقلابات زمانہ میں گھرانہ کے سترہ افراد راہی ملک عدم ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ مالٹا سے رہائی کے بعد ہندوستان میں مقیم رہ کر خدمت قوم و ملت میں مصروف ہوگئے اور بھائیوں کے اصرار کے باوجود دینی خدمات کی انجام دہی کو مدینہ منورہ کے قیام پر ترجیح دی اور پوری عمر یہیں گزار کر دیوبند میں مدفون ہوئے، جب کہ مدینہ منورہ واپسی کے بعد حضرت مولانا سید احمد صاحب ؒ نے مدرسہ علوم شرعیہ کی تعمیر و ترقی کی طرف توجہ مبذول کی اور حضرت مولانا سید محمود صاحب اولاً شریف مکہ کی حکومت میں محکمہ قضا میں پیش کار مقرر ہوئے، پھر سعودی حکومت میں جدہ شہر کے قاضی بنائے گئے، بعد ازاں استعفاء دے کر مستقل مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر تجارت میں مشغول ہو گئے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے نہایت برکت عطا فرمائی اور جلد ہی آپ کا شمار اعیان اہل مدینہ میں ہونے لگا، اور ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے عزت سے سرفراز فرمایا۔ سید محمود صاحب کے اکلوتے فرزند سید حبیب محمود صاحب ؒ تھے جنہوں نے پوری تعلیم اپنے تایہ حضرت مولانا سید احمد صاحب ؒ کے زیر سایہ مدرسہ علوم شرعیہ میں حاصل کی اور پھر اپنے والد محترم کے کاروبار کو اپنی بے مثال صلاحیتوں سے عروج تک پہنچایا، اور سعودی حکومت میں پورے وقار اور خودداری کے ساتھ اونچی سطح پر اپنے روابط برقرار رکھے، یہی وجہ تھی کہ مدینہ کے عوام و خواص حتیٰ کہ امراء و اعلیٰ حکام کی نظر میں بھی سید صاحب کا اعلیٰ مرتبہ تھا اور سب ان کا احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

اسی طرح خاندان کے حضرات جب بھی حج کے لئے جاتے تو آپ کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ ہی کے انتظام میں حج کی سعادت حاصل کریں، مدینہ منورہ میں بہتر قیام کا انتظام فرماتے، بھائی اخلد صاحب اور عزیزم مولوی سید محمد حارث سلمہٗ نے جب کاروبار کی نیت سے مدینہ منورہ میں قیام کا ارادہ کیا تو سید صاحب نے دونوں کی سرپرستی اور کفالت فرمائی اور رہنے کے لئے مکان عنایت کیا۔ اب ان لوگوں کے مکانات ہونے کی وجہ سے ہم لوگوں کا قیام سہولت کی بناء پر انہی

حضرات کے پاس ہوتا ہے لیکن جب سید صاحب سے ملنے جاتے تو پہلا سوال یہی ہوتا کہ اگر قیام میں کوئی پریشانی ہو تو حرم کے قریب انتظام کر دیا جائے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم سے سید صاحب کو خاص اُنس تھا اس لئے وہ برابر سید صاحب کے مکان ہی میں قیام فرماتے ہیں اور وہاں ان کے لئے ایک کمرہ مخصوص ہے، جب کہ حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہم کا قیام حرم کے قرب کی وجہ سے الخیل ہوٹل میں ہوتا ہے، الغرض ان کی عنایات ناقابل بیان ہیں، ہم لوگ حاضر ہوتے تو سید صاحب چاہتے کہ ہم بار بار ان سے ملاقات کرتے رہیں، ہر روز عشاء کے بعد سید صاحب کی باوقار مجلس لگتی تھی جس میں مدینہ کے اعیان حضرات اور آپ کے ہم عصر احباب پورے وقار و آداب کے ساتھ شرکت کرتے تھے۔ عموماً ہم لوگ اسی وقت ملاقات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ تیسرے سال کی بات ہے، حج کے موقع پر حاضری ہوئی اور مدینہ میں صرف ایک ہفتہ قیام کا موقع ملا اور درمیان میں کچھ ایسی مصروفیات رہیں کہ سید صاحب سے پہلی ملاقات کے بعد بس جاتے ہوئے الوداعی ملاقات کے لئے جانا ہوا۔ بس دیکھتے ہی ناراض ہو گئے اور بہت ناگواری کا اظہار فرمایا کہ تم لوگ اجنبیت برتتے ہو اور غیروں کی طرح بس آتے اور جاتے ہوئے ملتے ہو وغیرہ وغیرہ، موصوف کی یہ ڈانٹ ڈپٹ دراصل ان کے دلی تعلق کی دلیل تھی، موصوف خوب اچھی طرح اردو بولنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور دن کے اوقات زیادہ تر اپنی لائبریری میں مطالعۂ کتب یا قرآن کریم کی سماعت میں گزارتے تھے، جب بھی دوپہر میں ملاقات کے لئے حاضری ہوئی تو اسی مشغلہ میں مشغول پایا۔

سفرِ آخرت

چونکہ آپ اپنے معمولات اور اصولوں کے بہت پابند تھے، اس لئے عموماً آپ کی صحت ٹھیک رہتی تھی، چند سال قبل عارضۂ قلب پیش آیا لیکن پھر کامل صحت ہو گئی۔ وفات سے 1 روز قبل اچانک آپ پر فالج کا سخت حملہ ہوا، فوراً ہسپتال میں داخل کیے گئے پھر گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا، درمیان میں کچھ ہوش آیا لیکن بولنے کی سکت نہ ہو سکی، آخری دن کچھ ہوش زیادہ رہا، بار بار داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھاتے رہے اور ۷ر رمضان المبارک بروز بدھ شام کو عصر کی نماز کے بعد تقریباً ۴ بجے مدینہ منورہ میں اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

معلوم ہوا کہ ایک سال قبل آپ نے خواب دیکھا تھا کہ والد سید محمود صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ "حبیب! اب کے رمضان ہمارے ساتھ گزارنا"۔ اللہ نے یہ خواب سچا کر دکھایا اور مقدس ماہِ رمضان میں مقدس مقام پر آپ اللہ کو پیارے ہو گئے، اگلے روز فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں امامِ حرم شیخ ثبیتی نے نماز جنازہ پڑھائی اور سینکڑوں اہلِ مدینہ نے آپ کو آخری آرام گاہ جنت البقیع میں پہنچایا۔ آپ کی قبر اس احاطہ میں بنائی گئی جہاں عرصۂ دراز سے عام لوگوں کی تدفین بند ہے۔

حسنِ اتفاق کہ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم آپ کی وفات کے فوراً بعد مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور نمازِ جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے اور پسماندگان کو ڈھارس دلائی۔ ڈاکٹر احمد حبیب نے گھر آ کر حضرت مولانا مدظلہٗ سے درخواست کی کہ آپ اس جگہ تشریف رکھیں جہاں بابا (سید صاحب) تشریف رکھتے تھے، اس لئے کہ بابا کے بعد آپ ہی ہمارے خاندان کے سب سے بڑے ہیں۔ بہرحال سید صاحب چلے گئے اور جانا ہر ایک کو ہے، مگر ان کی خدمات اور عنایتیں بہرحال یاد کی جاتی رہیں گی، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور بلند تر درجات سے نوازے۔ آمین!

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا حافظ فخر الدینؒ

مدرسہ عثمانیہ حنفیہ چک نمبر ۲۹۱ ج ب گمٹالہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے مہتمم، سپاہ صحابہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے راہنما، عظیم دینی شخصیت جناب حافظ محمد فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۳ر نومبر ۲۰۰۲ء بمطابق ۲۸ر شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ بروز اتوار بوقت فجر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار البقاء روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ ایک روز قبل موٹر سائیکل پر جا رہے تھے کہ ٹریکٹر ٹرالی سے موٹر سائیکل ٹکرا گئی، آپ شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ آپ کو الائیڈ ہسپتال فیصل آباد میں لایا گیا جہاں اگلے دن آپ انتقال فرما گئے۔ اس وقت عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ اس درمیانی عرصہ میں جب ہوش میں آتے اور بلایا جاتا تو فرماتے مجھے نہ بلاؤ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں۔ انتقال سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل یہ آیت انہوں نے قدرے اونچی آواز سے پڑھی فان امنوا بمثل ما امنتم بہ ...... سے ...... فسیکفیکھم اللہ...... تک۔ پھر آواز بیٹھ گئی۔

حضرت کے انتقال کے دوسرے روز تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں جرنیل اہل سنت، جبل استقامت حضرت مولانا محمد اعظم طارق مدظلہ ایم این اے، حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی، حضرت مولانا محمد ادریس اور راقم الحروف (عبدالغفار محسن) اور ٹوبہ کے دیگر علماء اور معززین نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذی المکرم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (ماہنامہ خلافت راشدہ فیصل آباد۔ دسمبر ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا عبید الرحمٰنؒ

(وفات: جنوری ۲۰۰۳ء)

میرے برادر اکبر و بزرگ اور خانوادہ "حضرت کاملپوری" کے روشن چراغ مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ بروز بدھ 18 ذوالقعدہ 1423ھ بمطابق 22 جنوری ۲۰۰۳ء صبح سات بجے عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ مولانا مرحوم برصغیر کی مشہور و معروف بزرگ شخصیت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کے بڑے صاحبزادے تھے حضرت کاملپوریؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے جن کو حضرت تھانویؒ نے بیعت سے قبل خلافت سے نوازا تھا اور حضرت کاملپوریؒ کے بارے میں فرماتے کہ آپ کاملپوری نہیں "کامل پورے" ہیں۔

مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ کی ولادت بتاریخ ۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ بمطابق یکم اکتوبر 1931ء بروز بدھ سہارنپور میں ہوئی۔

مظاہر علوم سہارنپور میں حافظ عبدالکریم مرزا پوریؒ سے حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ یہ 1945ء کا دور تھا۔ 1946ء میں آپ ہردوئی تشریف لے گئے ہردوئی میں حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اشرف المدارس کے نام سے ابتدائی مدرسہ قائم فرمایا۔ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ کا حضرت کاملپوریؒ سے خاص تعلق تھا۔

مظاہر علوم ہی میں آپ نے تعلیم مکمل فرمائی اس خصوصی تعلق کی بناء پر مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ اور راقم الحروف کو حضرت والد صاحب مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ نے ابتدائی تعلیم کے لیے ہردوئی بھیجا ہردوئی کا یہ مدرسہ بالکل ابتدائی حالت میں تھا حضرت شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہ کے خلوص اور آپ کی شانِ تربیت کی بناء پر اس ادارہ کی ایک خاص شان تھی۔

ایک سال ہردوئی میں قیام کے بعد 1947ء میں ہندوستان کی تقسیم کا مسئلہ پیش آیا۔ 1947ء شعبان کی تعطیل میں حضرت کاملپوریؒ حسب معمول سہارنپور سے اپنے آبائی گاؤں بہبودی ضلع اٹک تشریف لے آئے رمضان میں عموماً آپ کا قیام یہاں رہتا۔ 27/رمضان 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان کا اعلان ہوا نتیجہ میں ہندو مسلم اور سکھ مسلم فسادات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جس کی وجہ سے پاکستان و ہندوستان کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور باوجود خواہش کے دوبارہ مظاہر العلوم سہارنپور جانے کا موقعہ حاصل نہ ہوا۔

قیام پاکستان میں ایک مصلحت یہ معلوم ہوئی کہ یہ علاقے دینی علوم، مدارس و مکاتیب کے قیام اور شریعت وسنت سے بالکل محروم تھے پاکستان بننے کے بعد علماء نے یہاں مدارس قائم کیے اور جو علاقے بدعات، رسوم ورواج کے منحوس سایوں کی گرفت میں تھے وہاں توحید وسنت کی شمعیں روشن کیں۔

پاکستان بننے کے بعد ابتداء میں جو مدارس قائم ہوئے ان میں جامعہ خیر المدارس ملتان کا نام بھی شامل ہے۔ جو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے جالندھر سے ہجرت کر کے ملتان میں قائم فرمایا۔ حضرت کاملپوریؒ کی خواہش اپنے گاؤں میں قیام کی تھی اور وہاں تدریس اور روحانی سلسلہ جاری رکھنے کا ارادہ تھا مگر مولانا خیر محمد صاحبؒ کی پُر خلوص دعوت پر ملتان تشریف لے گئے، چنانچہ آپ کے ساتھ مولانا عبدالشکور صاحبؒ مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ بطور مدرس اور صاحبزادگان میں راقم الحروف اور مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ بھی بطور طالب علم گئے اور وہاں تقریباً درجہ سادسہ تک تعلیم حاصل کی۔

1949ء میں جب شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے مشورہ سے ٹنڈو الہ یار حیدر آباد سندھ میں دارالعلوم الاسلامیہ کے نام سے ادارہ قائم کیا گیا جس میں برصغیر کے مشاہیر اکابر علماء کرام کو جمع فرمایا گیا جس میں حضرت کاملپوریؒ حضرت مولانا بدر عالمؒ مہاجر مدنی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ صاحب، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحبؒ کاندھلوی، حضرت مولانا محمد مالکؒ کاندھلوی، حضرت قاری عبدالمالک صاحب لکھنویؒ جیسے حضرات شامل تھے۔ 1951ء سے مولانا عبید الرحمٰن صاحبؒ مرحوم نے بھی درجہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث تک کتب کی تعلیم وہاں حاصل کی۔ 1953ء میں آپ نے دورہ حدیث کا امتحان دیا وہیں سے فراغت حاصل کی۔

1374ھ۔1954ء میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے کراچی میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ادارہ قائم فرمایا جو بعد میں جامعہ علوم اسلامیہ کے نام سے بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا حضرت بنوریؒ نے ابتداء میں حضرت کاملپوری کو خط لکھا کہ مولانا عبیدالرحمٰن صاحبؒ کو مدرسہ کی خدمات کے لیے ان کے مدرسہ میں کراچی بھیج دیں چنانچہ مرحوم نے چند سال تک بنوری ٹاؤن کے مدرسہ میں نظامت وتدریس کے فرائض سرانجام دیے، یہ اس کا ابتدائی دور تھا بقول حضرت بنوریؒ کے نہ عمارات تھیں نہ انتظامات بے سروسامانی کا دور تھا حضرت بنوریؒ اس دور کا تذکرہ بہت بشاشت سے فرماتے اور اس دور میں کام کرنے والے حضرات کے ایثار اور جذبہ خدمت کا اظہار بڑی بشاشت وتحسین سے فرماتے۔

تقریباً 1964ء تک مرحوم اپنے والد صاحبؒ کی خدمت کے لیے بہبودی میں مقیم رہے۔ بعدازاں برطانیہ تشریف لے گئے۔

مولاناؒ نے شفیلڈ میں پہلے مختلف مساجد میں دینی خدمات انجام دیں اور وہاں کے لوگوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی پھر ''مکی مسجد'' کے نام سے ایک ادارہ کا آغاز کیا۔ شفیلڈ کی مساجد میں تراویح میں قرآن شریف سنانے کا شوق وذوق مولاناؒ کی محنت سے ہوا بسا اوقات مختلف مساجد میں تین تین راتوں میں قرآن سناتے مولانا کو قرآن مجید بہت پختہ یاد تھا۔

آپؒ نے مسلمان بچوں کے والدین کو حفظ قرآن کی ترغیب دلائی جس کے نتیجہ میں برطانیہ کے اس وقت کے ماحول میں بہت سے بچوں نے قرآن مجید حفظ کیا جو بعد میں بڑے عالم بنے۔

ڈیوز بری جہاں برطانیہ میں تبلیغی مرکز قائم ہے شفیلڈ سے کچھ فاصلہ پر ہے وہاں کے بزرگوں سے مولاناؒ کا گہرا تعلق تھا وہاں ایک معیاری درسگاہ دارالعلوم قائم ہے مولاناؒ عرصہ دراز تک اونچے درجہ کی کتب جن میں دورہ حدیث کے اسباق بھی شامل تھے درس دیتے رہے، بعد میں مولانا محمد کمال صاحب مرحوم نے بھی اپنے مدرسہ میں تدریس کے لیے اصرار کیا اور میری موجودگی میں مولانا محمد کمال صاحبؒ نے مجھے اس سلسلہ میں سفارش کا کہا مگر مولانا مرحوم بیماری اور دیگر اعذار کی وجہ سے تیار نہ ہوئے اپنے گھر میں خاص طلبہ واحباب کو درس دینے کا سلسلہ آخر تک قائم رکھا۔

مولاناؒ نے برطانیہ میں قیام کے دوران علماء کی اجتماعیت کی طرف خاص توجہ دی وہاں کے مسلمانوں کے مسائل پر آپ کی گہری نگاہ تھی ہمیشہ سے علماء سے رابطہ رکھتے۔ اکثر میٹنگیں آپ

کے گھر پر ہوتیں۔ عید اور رمضان کے چاند کا مسئلہ ہو یا حلال گوشت کا قضیہ یا وہاں کے مسلمانوں کے عائلی و خاندانی مسائل ہوں یا نکاح وطلاق کے مسائل مولاناؒ نے ہمیشہ مشورہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کی، ضرورت پڑنے پر ہندوپاکستان کے اکابر علماء کی طرف رجوع فرماتے۔

جمعیۃ علماء برطانیہ جو انگلینڈ میں علماء کا ایک مؤثر فورم ہے اس کی تشکیل اور مقاصد کی تکمیل میں مولاناؒ کا کردار بڑا واضح اور اہم تھا آپ ہمیشہ جمعیت کی سرپرستی فرماتے رہے آپ کی وجہ سے علماء میں یکجہتی اور باہمی یگانگت کی فضا قائم رہی۔

ختم نبوت کے سلسلے میں آپ کی گرانقدر خدمات علماء اور عوام کے لیے مشعل راہ تھیں چونکہ اس مسئلہ سے وہاں کے مسلمان عوام کو ایک خاص دلچسپی ہے سالانہ کانفرنس جو عرصہ سے برمنگھم میں منعقد ہوتی ہے اس کے لیے آپ خصوصی اہتمام فرماتے باہر سے آنے والے اکابر جن میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہ، حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ، مفتی مولانا محمد جمیل صاحب مدظلہ، مولانا اللہ وسایا صاحب شامل ہوتے ان کے ساتھ مختلف شہروں کا دورہ فرماتے اور لوگوں کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دیتے۔ آخری دور میں آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر بھی رہے۔

آپ کا گھر مہمان خانہ تھا باہر سے جو علماء اور مہمان آتے مولانا بڑی وسعت قلبی اور فراخدلانہ طریقہ سے ان کی مہمان نوازی فرماتے۔

آپ نام ونمود اور ریاکاری سے سخت متنفر تھے۔ آج کل معمولی خدمات کو اجاگر کیا جاتا ہے، مگر آپ اپنی خاموش دینی خدمات کا نہ اظہار فرماتے اور نہ اس سے خوش ہوتے۔ مدارس کی خدمت آپ کی زندگی کا اہم مشن تھا بہت سے مدارس سے تعاون فرماتے، اپنے والد بزرگوار اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کی یادگار ''جامعہ رحمانیہ بھبودی'' کی خصوصی سرپرستی فرماتے اور احباب کو بھی مدارس سے تعاون کا مشورہ دیتے پاکستانی مدارس مہتمم حضرات برطانیہ آتے تو مولانا بھرپور تعاون فرماتے۔

آپؒ کا ابتدائی اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبدالمالک صاحب (خانیوال) سے تھا اور انھیں سے آپ کو خلافت حاصل تھی بعد میں اپنے استاد حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق تھا اکابر میں حضرت حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ سے بھی خصوصی

تعلق تھا آپ نے دورہ تفسیر حضرت درخواستی سے پڑھا۔

برطانیہ میں مرحوم کی خدمات پر اپنوں کے علاوہ بیگانوں نے بھی اعتراف کیا ہے آپ کی وفات پر تعزیتی بیان جاری کیے ہیں، الحمدللہ روزنامہ جنگ لندن میں تقریباً دس روز تک مختلف احباب حضرت مرحوم کے متعلق اپنے اپنے جذبات سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے۔

مولانا مرحوم کی اپنے وطن آمد جاری رہتی اور کچھ عرصہ قیام کے بعد برطانیہ چلے جاتے۔ گزشتہ چند سالوں سے بار بار آمد رہی۔ اس سال رمضان مبارک سے چند دن قبل پاکستان تشریف لائے آپ کو گردوں کا عارضہ تھا اور برطانیہ کے ڈاکٹروں کے مطابق گردے صرف 15 / 20 فیصد کام کر رہے تھے اُنھوں نے ڈائیلاسز کا مشورہ دیا تھا اور تاریخ بھی مقرر تھی مگر مولانا مرحوم ذہنی طور پر ڈائیلاسز کے لیے تیار نہ تھے راولپنڈی میں مشہور ہومیو پیتھک ڈاکٹر محمد ریاض صاحب کا علاج ہوتا رہا جس سے کافی حد تک افاقہ تھا بیماریاں تو بہانے ہیں موت کا وقت مقرر ہے۔ مولانا بیماری میں دوبارہ برطانیہ جانے کے لیے تیار نہ تھے نہ کسی ہسپتال میں داخلہ پر راضی وفات سے ایک دن قبل ہسپتال میں داخلہ پر اصرار کیا گیا مگر وقت موعود آچکا تھا۔

18 / ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق 22 / جنوری 2003ء صبح تقریباً سات بجے بعد نماز فجر انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بزرگوں سے سنا ہے کہ اہل حق کی شناخت ان کے جنازے سے ہوتی ہے اس لیے مرحوم کا جنازہ صرف اجتماع کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ علماء، صلحاء، طلباء، سیاسی اور سماجی شخصیات کی شرکت سے ایک مثالی تھا۔ علاقہ کے علماء کی کثیر تعداد کے علاوہ ملک کی اہم شخصیات مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا قاضی عبداللطیف صاحب وغیرہ اکابر نے شرکت کی اور ملک کی مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کی مرقد سے متصل تدفین عمل میں آئی۔

(ماہنامہ بینات، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ۔ مضمون مولانا قاری سعید الرحمٰنؒ)

فخر المدرسین

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(وفات: ۲۰۰۳ء)

6رصفر 1424ھ بمطابق 9/اپریل 2003ء بروز بدھ بوقتِ نحر جامع المعقول والمعقول شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے علوم ومعارف کے امین، علم ومعرفت کے بحر مواج، اسرار شریعت کے نکتہ دان، اقلیم علم کے تاجدار، جامعہ انوریہ طاہر والی کے رئیس ومدیر اور جامعہ مخزن العلوم خان پور کے شیخ التفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نور اللہ مرقدہ اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی وکلُّ شیءٍ عندہ باجل مسمی.

حضرت رحمہ اللہ کی پیدائش یکم جنوری 1925ء کو اوچ شریف ضلع بہاول پور کے مضافات کی بستی بڈ مستوئی میں ایک دین شناس اور نیک سیرت گھرانے میں ہوئی آپ کے والد محترم منشی محمد مراد خان رحمہ اللہ ایک صالح اور نیک کردار انسان تھے پرائمری اردو کے ماہر استاد تھے۔ (بحوالہ التعلیق الفصیح فی حل التوضیح والتلویح)

آپؒ نے حصول علم کا آغاز اپنے والدگرامیؒ سے کیا قرآن کریم اور پرائمری کی تعلیم انھیں سے حاصل کی اور کتب فارسی حاجی محمد حیات خانؒ سے پڑھیں درجات عربی کی کتابیں حضرت مولانا شمس الدین ترنڈویؒ کے پاس شروع فرمائیں۔ کتب معقولات کے علاوہ بقیہ تقریباً تمام کتابیں اپنے مربی ومحسن استاد العلماء حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی قدس سرہ کے پاس پڑھیں۔ نیز فصیح وقت حضرت مولانا عبدالرزاق ججویؒ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ استاد العرب

والعجم حضرت مولانا محمد صاحب مہاجر مکی (نور اللہ مراقدہم) سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ (بحوالہ مقدمہ التعلیق الفسیح)

غالباً شوال ۱۳۵۹ھ میں آپؒ مرکز رشد و ہدایت دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے اور دورہ حدیث میں داخلہ لیا وہاں عظیم المرتبت استاد سے کسب فیض کرتے رہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) کے حلقہائے درس سے استفادہ فرماتے رہے اسی دوران تھانہ بھون حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور حضرت تھانویؒ کی زیارت کا شرف حاصل فرمایا۔ جبکہ آپؒ نے معقولات کی کتابیں حضرت مولانا عبدالخالق نترھالیؒ سے پڑھیں۔

حصول علم سے فراغت کے بعد غالباً ۶۳۔۱۳۶۲ھ میں تدریس کا کام شروع کر دیا۔ ابتداء میں حضرت مولانا نظام الدینؒ کی خواہش پر آپؒ اپنے استاد محترم حضرت گمانویؒ کے حکم سے مدرسہ عربیہ نظامیہ علی پور میں مدرس مقرر ہوئے تقریباً ایک سال وہاں رہے پھر حضرت گمانویؒ کی خواہش پر آپؒ جامعہ انوریہ حبیب آباد میں مسند آرائے تدریس ہو گئے اور پوری زندگی یہاں قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے زمزمے سنائے۔ علم و حکمت کے سربستہ رازوں سے پردہ اُٹھایا، کتب منقولات و معقولات کے غوامض و مشکلات کو برسہابرس چٹکیوں میں حل فرمایا۔ وفات سے ایک دن قبل تک اپنے علمی فیوضات سے اس جامع کو معطر و معمر بنائے رکھا، البتہ درمیان میں صرف ایک سال کے لیے اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کی خواہش پر جامعہ عربیہ مخزن العلوم عیدگاہ خان پور تشریف لے گئے تھے۔

حضرتؒ نے سادگی اور قناعت سے زندگی بسر فرمائی آپؒ نے اپنے استاد محترم شیخ گمانویؒ کے لگائے ہوئے باغ کو آبیاری کے لیے اپنے آپ کو ہمہ تن وقف فرما دیا تھا بڑی بڑی جامعات و مدارس سے بڑی بڑی تنخواہ کی پیش کش کے ساتھ آپ کو بلایا گیا لیکن آپ نے اپنے خرقہ پوش اور بوریا نشین گرامی قدر استاد کے مدرسہ کو نہیں چھوڑا:

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

اصلاح وتزکیہ

بیعت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے قائم فرمایا آپ کی وفات کے بعد خانقاہ ہالیجی کے بزرگ اور سلسلہ قادریہ کے سرخیل حضرت مولانا حماد اللہ اور ان کے بعد ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمود اسدؒ سے تعلق رہا۔ جبکہ اپنے شیخ واستاد مولانا حبیب اللہ گمانویؒ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت تھانویؒ سے عقیدت ومحبت کا تعلق ہمیشہ استوار رہا۔ جامعہ انوریہ طاہر والی میں جب قیام فرما ہوتے تو آپؒ کا نظام الاوقات حسب ذیل ہوتا:

نماز فجر پڑھ کر تقریباً بارہ بجے تک درس وتدریس میں منہمک رہتے البتہ اس دوران کوئی مستفتی آجاتا تو فوراً اسی وقت جواب تحریر فرمادیتے نماز ظہر ادا کر کے دوبارہ درس وتدریس اور مطالعہ میں مصروف ہوجاتے عصر تک یہی سلسلہ جاری رہتا عصر کے بعد بھی مطالعہ کتب میں مشغول ہوجاتے نماز مغرب سے فراغت کے بعد کھانا تناول فرماتے اور مطالعہ میں مصروف ہوجاتے۔

عشاء کے بعد کچھ دیر مطالعہ فرماتے، سونے سے قبل کسی طالب علم سے سر پر تیل کی مالش کرواتے۔ پھر آرام فرماتے اور ڈھائی بجے شب کو اُٹھتے صلوٰۃ التہجد پڑھ کر کتابوں کے مطالعہ میں محو ہوجاتے جب بھی فرصت ملتی تو حضرت الاستاد مطالعہ میں ڈوب جاتے حضرت الاستاد کے اس ذوق علم وشوق مطالعہ کو دیکھ کر شاعر کا یہ قول حضرت الاستاد المرحوم پر حرف بحرف صادق آتا ہے:

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی فرصت ہوئی
پھر وہی جانِ تمنا پھر حدیث دل وہی!

دنیا سے کنارہ کشی اور اعراض سے آپ کی زندگی معمور تھی اور تواضع وفنائیت آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی حتیٰ کہ اگر کوئی آپ سے آپ کے کسی شاگرد کے بارے میں پوچھتا کہ فلاں آپ کا شاگرد ہے؟ تو فرماتے کہ نہیں بلکہ میں نے اس کو کتاب کا تکرار کرایا تھا۔ آپ کے علمی کمالات آپ کی درج ذیل تصنیفات سے آشکارا ہوتے ہیں۔

1۔ التحفۃ النعمانیۃ علی شرح السلم الکوفاموبہ قاضی مبارک کی شرح ہے (مطبوع)
2۔ الھدیۃ النعمانیۃ فی حل التفسیر البیضاویہ بیضاوی شریف کی شرح ہے (مطبوع)
3۔ التعلیق الفصیح فی حل التوضیح والتلویح توضیح وتلویح کی شرح ہے (مطبوع)
4۔ خیالی کی بھی شرح لکھی ہے جو چھپ چکی ہے۔
5۔ حاشیہ عبدالغفور کی شرح لکھنا شروع کی تھی لیکن تکمیل سے قبل وفات ہوگئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس چکیسریؒ

(وفات: مارچ ۲۰۰۳ء)

آہ! حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس چکیسری رحمۃ اللہ کس قلم اور کس زبان سے لکھا جائے اور کہا جائے، کہ آج دنیائے اسلام کی ایک مایہ ناز ہستی اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئی۔ روحِ علم و عمل نے ہم سے منہ موڑ لیا۔ علم و تقویٰ کا بحرِ ناپید کنار اور مسندِ حدیث کا شیخ الحدیث آج ہم سے جدا ہو گیا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ چکیسری کی زرخیز زمین نے جہاں تصوف کے میدان میں بڑے بڑے اولیاء کو جنم دیا، تو علمی میدان میں بھی نابغۂ عصر شخصیات کو پیدا کیا۔ انہی شخصیات میں ایک گوہر نایاب ہستی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس چکیسری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ولادت باسعادت

آپ کی پیدائش ۱۳۳۶ھ کو ضلع شانگلہ کے ایک مشہور گاؤں چکیسر میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا محمد ہمایوں ہے جو کہ اپنے زمانے کے ایک مشہور عالم اور حکیم تھے۔ والد ماجد کی وفات ۱۳۸۳ھ میں ہوئی۔ انتہائی نیک نفس، صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ اپنے بلند کردار کی وجہ سے اپنے خاندان واحباب میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ صاحب کرامت تھے، اور زمانے کے مشہور قطب حاجی فضل واحد المعروف حاجی صاحب کے خلیفہ مجاز تھے۔ حاجی صاحب کے لشکر جہاد میں انگریز کے خلاف تین مرتبہ شریک ہوئے تھے۔

تعلیم

شیخ الحدیث محمد ادریس صاحب نے ۱۳۶۳ھ تک اپنے علاقے کے نامور علماء سے علم الصرف، نحو، فقہ، فارسی اور دیگر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۶۳ھ میں ریاست سوات کی سب سے مشہور علمی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف میں داخلہ لیا۔ وہاں علمِ منطق، حکمت، علم کلام اور معانی کی کتابیں پڑھیں۔ کتبِ حدیث شیخ الحدیث جامع المعقول والمنقول حضرت العلامہ مولانا خان بہادر مارتونگی سے ۱۳۶۹ھ میں پڑھیں۔ کہاوت مشہور ہے کہ سونے پر سہاگہ جہاں تو خود جوہر موجود تھا۔ پھر مولانا خان بہادر جیسے شفیق جوہر شناس بھی مل گیا۔ جس کی نگاہ نے اپنے تمام شاگردوں میں مولانا محمد ادریس کو اعلیٰ و بلند مقام سے نوازا۔

سلسلۂ تدریس

دارالعلوم حقانیہ سیدو شریف سے فراغت کے بعد دارالعلوم چارباغ میں تدریس کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ یہاں دس سال تدریس کی۔ اور کثیر تعداد میں تشنگانِ علمِ نبوت ان سے فیض یاب ہوئے۔ پھر ۱۳۷۹ھ میں دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف میں مدرس ہو گئے۔ یہاں پانچ سال تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں دوبارہ دارالعلوم اسلامیہ چارباغ میں بحیثیت صدر مدرس آئے۔ کچھ سال تدریس کے بعد آپ کو یہاں بحیثیت شیخ الحدیث مسندِ حدیث پر بٹھایا گیا۔ اسی مدرسے میں آپ نے ۲۷ سال گلشنِ نبوی کے مہمانوں کو کتبِ حدیث پڑھائیں۔ یہاں سے ۱۹۹۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ اس کے بعد تین سال تک دارالعلوم شیر گڑھ میں شیخ الحدیث رہے۔ پھر ایک سال دارالعلوم الفاروق ہوڈیگرام میں تدریس کرتے رہے۔ پھر دارالعلوم علجی گنڈر خیل پشاور میں دورۂ حدیث شروع کیا۔ یہاں صرف تین ماہ تک درس دیتے رہے، اسی دوران بیماری کی وجہ سے واپس گھر تشریف لائے۔ صحت یاب ہونے پر شیخ القرآن مولانا نورالہدیٰ شاہ منصوری کی دعوت پر دارالعلوم تعلیم القرآن شاہ منصور تشریف لائے اور یہاں تین سال تک درس دیتے رہے۔

تصانیف

آپ نے علم منطق کی مشہور کتاب حمد اللہ کے مسئلہ وجود رابطی پر ایک رسالہ تحریر کیا۔

جس کا نام حاشیہ وجود رابطی ہے۔ جو اَب چھپ چکا ہے۔ دوسرا حاشیہ منیر زاہد ملا جلال پر بھی لکھا ہے جو کہ غیر مطبوع ہے۔

تصوف وسلوک

آپ نے مولانا عبدالمالک صدیقی رحمہ اللہ اور مولانا خان بہادر مارتو نگی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

وفات

شعبان ۱۴۲۳ھ کو اپنے آبائی گاؤں چکیسر میں طلباء کو دورہ تفسیر شروع کرایا، ۵؍رمضان تک تقریباً ۱۰ پارے مکمل کیے۔ اسی دن نماز ظہر با جماعت ادا کی اس کے بعد گھر تشریف لے گئے۔ نماز عصر ادا کی معمول کے مطابق اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ مغرب کے قریب آپ اس دارفانی سے رحلت فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

(ماہنامہ خلافت راشدہ۔ مئی ۲۰۰۳ء۔ صفحہ ۴۳)

قائد اہل سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

(وفات: ۲۶ رجنوری ۲۰۰۴ء)

بڑھاپے کے روگ، بیماریوں کے ہجوم اور سخت جسمانی کمزوری میں ذہن کا ہر وقت حاضر رہنا، ہر ایک کی بات سننا سمجھنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن حضرت اقدسؒ سب عوارض کے باوجود آخری سانس تک ذہنی طور پر غیر حاضر نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی بات سنی، سمجھی، ضرورت کے مطابق جواب دیا، ہر ایک کو پہچانا۔ وصال سے چند گھنٹے قبل تیز بخار میں راقم گیلی پٹیاں رکھتے ہوئے اپنے طور پر سورۃ شفاء سورۃ فاتحہ دم کر رہا تھا کہ یک دم خیال آیا حضرت والا سے پوچھ لیا جائے کیا پڑھنا چاہئے۔ عرض کرنے پر قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم (الآیۃ) پوری آیت مبارکہ پڑھ کر سنائی۔ خلاصہ یہ کہ غفلت کا ایک سانس حضرتِ اقدس نے نہیں لیا۔

اہل اللہ صبر و رضا (یعنی خدا تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صابر و راضی رہنا) کو راہِ سلوک کا بڑا توشہ قرار دیتے ہیں۔ حضرتِ اقدس رحمہ اللہ صبر و رضا کی حقیقی تصویر تھے۔ پُر مصائب زندگی کا آپ نے ہمیشہ صبر و رضا سے استقبال کیا۔ والد گرامی سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے وصال پر جیل سے اپنی ہمشیرہ مرحومہ کو لکھتے ہیں:

"اللہ جل شانہٗ قدیر بھی ہیں اور حکیم بھی۔ ان کو قدرت تھی کہ والد صاحب کا سایہ اور زیادہ مدت کے لئے ہمارے سر پر رہتا لیکن ان کی حکمت بالغہ یہی تھی کہ ہم سے جدا کر کے اس دارِ فانی کے مصائب سے نجات دی جائے۔ اس میں ہم کو تردّد ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ باقی دیگر معاملات میں اللہ تعالیٰ خود دستگیری فرمانے والے ہیں۔ وہ خود ہمارے ضعف کو جانتے ہیں۔

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل الخ......

قید و بند کی صعوبتیں ہوں یا طرح طرح کے اعصاب شکن مقدمات، بیماریاں، مصائب ہوں یا مخالفین کے حوالہ سے صبر آزما لمحات، حضرت قائد اہل سنت نے صبر و رضا کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ یہی کیفیت تادم آخری رہی گردوں اور سانس کی تکلیف چین سے بات کرنے سے مانع تھی۔ بخار و کمزوری اٹھنے نہیں دیتی تھی۔ پانی و خوراک کی کمی نیند سے سکون دینے پر بھی رضامند نہ تھی لیکن آفرین ہے کہ کبھی اُف کا لفظ بھی زبان پر نہ آیا۔ چنانچہ ذاتی ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں:

ہے دعا میری یہ ہر دم اے مرے ربِّ جلیل
سب کو اپنے فضل سے تو کر عطا صبرِ جمیل

مرض الوفات کے ان ایام میں بھی اور اس سے قبل بھی متعلقین کو بیمار پرسی کیلئے بار ہا آتے دیکھا لیکن کبھی ایسا سامنے نہ آیا کہ آنے والا بیمار پرسی میں پہل کر سکا ہو۔ مسکراتے چہرے کے ساتھ استقبال کرتے ہی استفسار فرما دیتے تھے۔ کیا حال ہیں۔ دوست واحباب کیسے ہیں؟ وغیرہ۔ آخری شام مولانا علی شیر حیدری صاحب کے ہاں سے دو علماء زیارت کے لئے حاضر ہوئے، مختصر وقت میں حضرت نے ان کی ذات، مولانا حیدری، مدرسہ، اساتذہ، اسباق کے متعلق سب پوچھ لیا۔

سنت پر عمل اور عجیب موافقت

خدا تعالیٰ کے محبوبین حسب ارشاد ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبونی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت اقدس کا سنت پر عمل زندگی کا معمول بن گیا تھا۔ وصال سے چند دن قبل رات قریباً ۳ بجے طلب فرمایا۔ گہری نیند سے اٹھنا اور حضرت والا کی خدمت میں فطری گھبراہٹ میری غفلت کا باعث بن گئی اور میں جوتا دائیں کے بجائے بائیں میں پہلے پہنانے لگا۔ حضرت والا نے بائیں پاؤں کی انگلیاں موڑ کر عملاً پہننے سے انکار کر دیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آیا پہنانے پر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر پھولے ہوئے سانس میں بڑی مشکل سے فرمایا...... دایاں، دایاں...... آخری ایام میں مسواک بار بار مانگی اور یہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت پر ارادۂ عمل تھا۔ لیکن بغیر کسی ذاتی کوشش کے خدا تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض

الوصال کے ساتھ جو موافقت نصیب ہوئی وہ یہ تھی......

آپ کو آخری شب قریباً ۹ بجے تیز بخار ہو گیا جو اس سے قبل بالکل بھی نہ تھا اور راقم بڑی دیر پیشانی پر گیلی پٹیاں رکھتا رہا۔ یہی صورتحال صدیقۂ کائنات کے حجرہ مبارکہ میں تھی تیز بخار میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جبین مبارک پر پٹیاں رکھتی رہیں۔ سبحان اللہ

تحریک خدامِ اہل سنت پاکستان کا نظام، جامعہ عربیہ اظہار الاسلام کا اہتمام، جامعہ اہل السنت تعلیم النساء کی ذمہ داریاں، متعلقین کی اصلاح وتربیت اور ان کے ذیل میں سینکڑوں کاموں کو آخری ایام میں سپرد کرنے کی فکر رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں جماعتی احباب سے مشاورت کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ خاص جماعتی احباب کو مشورہ کے لئے تحریر فرمایا:

''میں زندگی کے آخری مراحل طے کر رہا ہوں۔ حسبِ ضابطہ قرآنی **کل نفسٍ ذائقة الموت** پتہ نہیں کب اجل آجائے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اپنے جانشین کا فیصلہ کرلوں، دنیوی مال و جائداد میں تو شرعاً اولاد وغیرہ وارثوں کے حق مقرر ہیں، لیکن دینی امور میں تو قرابت داری وراثت نہیں۔ یہ وراثت اہلیت کی بنا پر ملتی ہے۔ آپ حضرات مشورہ دیں۔ الخ''

یہ تھا حضرت قائد اہل سنت کا اس حوالہ فکر کا خلاصہ۔ ہم کہہ سکتے ہیں **ھؤلاء اٰبائی فجئنی بمثلھم**......

طہارت و پاکیزگی میں مزاج میں نفاست

حدیث پاک **الطھور شطر الایمان** کی روشنی میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت صاحب رحمہ اللہ نے بڑا نفیس مزاج پایا تھا۔ آخری ایام میں اس چیز کو اور قریب سے دیکھا تو محسوس ہوا طہارت کے حوالہ سے ذراسی بے اعتدالی طبیعت کو بے چین کر دیتی تھی۔ راقم سے عجلت میں ایک دفعہ چہرہ صاف کرنے والا تولیہ اور عام کپڑے میں اختلاط ہو گیا تو آپ نے وہ تولیہ استعمال نہ فرمایا۔

تواضع کے پیکر

تواضع عبد اور مخلوق کو لازم ہے۔ عابدین متواضعین ہی ہوتے ہیں۔ حضرت والا تواضع،

عجز وانکساری کے پیکر تھے۔ ذاتی ڈائری میں رقم طراز ہیں:

مظہر بے چارہ کرتا ہے دعا ربّ غفور
ہم گناہ گاروں پہ ہو تیری رحمت کا ظہور

آخری رات جناب بار بار سر کو دائیں بائیں جنبش دیتے، کبھی ہاتھ آسمان کی طرف لہراتے، ان حرکات کو راقم اس وقت انا عبدٌ ضعیف (الٰہی میں کمزور بندہ ہوں) سے تعبیر کرتا رہا اور تا حال ان کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم سمجھ نہیں آیا۔

اللہ جی کی صدائیں

قارئین کا مشاہدہ ہوگا کہ دورانِ گفتگو اگر مخاطب کے ساتھ انتہائی قرب اور تعلق کا اظہار مقصود ہو تو الفاظ کے ساتھ لفظ ''جی'' کا لاحقہ لگایا جاتا ہے۔ مثلاً امی جی، ابو جی۔ آپ یوں کریں جی وغیرہ۔ حضرت اقدسؒ کے عام طور پر اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر، اللہ ہو کے الفاظ وردِ زبان رہتے تھے۔ لیکن آخری شب آنجناب کثرت سے اللہ جی کی صدائیں لگاتے رہے اور لفظ جی کے ''ی'' کو کھینچ کر ادا فرماتے۔ گویا خدا تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل تھا اور اپنے پیارے رب سے راز و نیاز جاری تھے۔ جیسا کہ ذاتی ڈائری میں درج ہے:

ہے مظہر بھی محتاج و عاصی سراسر
تو شانِ کریمی کی اس پر نظر کر

اصلی کلمۂ اسلام پر خاتمہ

حدیث مبارکہ ''من کان اخر کلامہ لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ'' یعنی جس شخص کی آخری گفتگو ''لا الٰہ الا اللہ'' ہو جنت میں داخل ہوگا'' کلمہ پر مرنے والے کو جنت کی بشارت دیتی ہے۔ حضرت اقدسؒ ساری زندگی اسی پاک کلمہ پر محنت فرماتے رہے۔ جب کفر کی منڈیوں سے جعلی کلمہ منظر عام پر آیا تو آنجناب نے کلمہ طیبہ کو اصلی کلمہ اسلام کہلوانا شروع فرمایا اور اس پر اصرار فرمایا کہ کلمہ طیبہ ہی اسلام کا اصلی کلمہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے.... اسی خدمت کا نتیجہ ہے کہ ۲۶ رجنوری ۲۰۰۴ء کی صبح کو ۹۰ سال کی عمر میں بوقتِ اختتامِ سحر گھڑی کی سوئیاں ۴:۴۰ سے ۴:۴۵ تک کا سفر طے کر رہی تھیں کہ حضرت والا کی زبان مبارک نے جلدی سے

حرکت فرمائی۔ زبان مبارک اور ہونٹوں کا اتار چڑھاؤ واضح تھا کہ کلمہ پاک کا تلفظ کر رہے ہیں۔ چنانچہ پاس والوں نے بھی کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ صبح صادق رات کے اندھیروں سے جھانک رہی تھی۔ سورج طلوع کے لئے بے چین ہو رہا تھا کہ علم و عمل کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اک طوفان طلب روح میں پیدا کر کے
چھپ گئے آپ کہاں حشر یہ برپا کر کے

مکھن سے بال جس سہولت سے نکل آتا ہے حدیث پاک کے مطابق مومن کی روح اسی طرح قبض ہوتی ہے۔ اس کا عملی مشاہدہ حضرتِ اقدسؒ کے وصال کے وقت ہوا۔ نہ تو جسم بے چین ہوا نہ اعضاء میں معمولی سی کوئی حرکت ہوئی۔ بڑی سہولت کے ساتھ ایک سانس اوپر کی طرف لیا اور دنیا سے آخرت کی منزلیں طے فرماتے ہوئے ربّ کائنات کے حضور حاضر ہو گئے...... ہمیشہ رہنے والی ذات تو خدائے پاک ہی کی ہے۔ جیسا کہ حضرت والا کی ذاتی ڈائری راہنمائی کرتی ہے:

ازل سے ابد تک ہے ایک اللہ
وہ معبود برحق تو ہے ایک اللہ

نماز جنازہ تکفین و تدفین

نماز فجر کے بعد غسل دیا گیا۔ مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب، پروفیسر حافظ محمد عمر، محترم نثار معاویہ، حافظ احسن خدامی و دیگر حضرات کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ ملک بھر میں مختلف ذرائع سے اطلاع پہنچ گئی۔ متعلقین و عقیدت مند علماء و مشائخ اور عوام الناس پہنچنا شروع ہو گئے۔ چونکہ ملک بھر سے بہت بڑی تعداد میں حضرات کی آمد کی توقع تھی جو بعد میں اندازہ سے بھی زیادہ ثابت ہوئی۔ اس لئے احباب کی مشاورت سے یہ طے ہوا کہ دو جنازے کئے جائیں۔ پہلا جنازہ شہر میں ہو (اور مسئلہ کے مطابق ولی حضرت صاحبزادہ گرامی مدظلہٗ جنازہ نہ پڑھیں) تا کہ مہمانوں کے لئے واپسی میں سہولت رہے اور دوسرا جنازہ آبائی گاؤں ہو تا کہ مجمع تقسیم ہو جائے اور انتظام کے حوالہ سے دشواری نہ ہو۔ چنانچہ پہلے جنازے کے لئے چارپائی جو کہ ظہر کے بعد زیارت عام کے لئے مدرسہ میں رکھی گئی تھی اٹھائی گئی۔ عقیدت مندوں کے فلک شگاف نعروں اور متعلقین کے

ہجوم میں حضرت قائد اہل سنت کی میت گورنمنٹ کالج چکوال کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں لائی گئی جو باوجود اپنی تمام تر وسعتوں کے تنگ دامنی کا شکار تھا۔

یہاں نماز جنازہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی کے فرزند ارجمند مولانا قاری خبیب احمد صاحب عمر مدظلہ نے پڑھائی۔ فراغت پر آبائی گاؤں بھیں کا سفر شروع ہوا۔ قریباً ۵ بجے شام ہجوم ورش کی وجہ سے دوسرا جنازہ ممکن ہو سکا۔ یہ جنازہ حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین امیر تحریک خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ تدفین حضرت کی وصیت کے مطابق آپ کے والد گرامی سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر کے پہلو میں ہوئی۔ قبر میں اتارنے کی سعادت حضرت کے نواسے اخیار الحسن، پوتے ظاہر حسین، راقم اور دیگر دوستوں کے حصے میں آئی۔ اس دوران آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ اندھیرے کے گہرے ہوتے سائے میرے ذہن میں یوں سرگوشیاں کر رہے تھے:

سنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

جانشین قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا عزم

تدفین کے بعد حضرت اقدس رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر صاحب مدظلہ نے موجود احباب سے عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ''ہم اس موقع پر اپنے بزرگوں کے مزارات کے پاس یہ عزم کرتے ہیں کہ ان کے مشن وافکار کو اگرچہ اوپر نہیں لے جاسکتے لیکن نیچے بھی نہیں آنے دیں گے''۔ تھکے ہارے قدموں اور غمزدہ قلوب کے ساتھ احباب واپس ہوتے ہوئے اس کیفیت کا شکار نظر آئے:

بنے تھے یوں تو ہم روزِ اول سے غم اٹھانے کو
نہ تھی پر یہ خبر ہونگے الگ بھی تیرے داماں سے

حضرت مولانا شمس الحق رح

(وفات: فروری ۲۰۰۴ء)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

دارالعلوم کراچی کے ناظم اعلیٰ، استاذ العلماء حضرت مولانا شمس الحق چند ماہ کی علالت کے بعد جمعہ فروری ۲۰۰۴ء (۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ) کو 75 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون............

وہ ہسپتال میں داخل تھے...... 13 جنوری 2004ء بروز منگل ان کی عیادت کے لیے گیا تو وہ غنودگی کے عالم میں تھے۔ خدام نے بتایا کہ قدرے بہتر ہیں لیکن آواز متاثر ہے، جس شخص کی دبنگ آواز سے دارالعلوم کراچی کے بام و در نصف صدی تک گونجتے رہے اس کی نحافت کا سن کر قلب پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ راہ حیات کے انقلابات ان گنت ہیں اور یہ دنیا واقعتاً جائے عبرت ہے۔ مولانا عالم ہی نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں علامہ تھے وہ درس دیتے تو ان کی باوقار آواز مجمعوں پر سناٹے طاری کر دیتی تھی۔ ان کے لہجے میں آبشار کی روانی اور ہواؤں کی طرح بانکپن تھا۔ وہ کسی موضوع پر بولتے تو علمی بحثیں صحرا کی پھیلتی اور بچھتی چلی جاتی تھیں۔ وہ برسوں مشکوٰۃ، تفسیر بیضاوی اور سنن ابی داود پڑھاتے رہے۔ وہ درس گاہ میں درس دے رہے ہوں تو گزرنے والے کے قدم ان کی آواز سن کر رُک رُک جاتے...... مولانا جلال آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اُنھوں نے مفتاح العلوم جلال آباد میں حاصل کی۔ یہاں اُنھوں نے استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم سے دو سال تک پڑھا۔ پھر جامعہ اشرفیہ لاہور آئے جامعہ اشرفیہ میں اس وقت حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا رسول خان

صاحب کا یادگار درس ہوتا تھا یہ "شیخین" کے لقب سے معروف تھے اور طالبان علوم نبوت کے قافلے دورہ حدیث پڑھنے کے لیے یہاں کا رخ کرتے۔ مولانا نے 1954ء میں یہاں سے سند فضیلت حاصل کی۔ صحیح بخاری مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب اور مولانا رسول خان صاحب سے پڑھی۔ اس وقت امتحان تقریری ہوا کرتا تھا صحیح بخاری کا امتحان مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے لیا۔

مولانا لکھتے ہیں:

"بخاری شریف جلد اول میں نبی اکرم ﷺ کے حلیہ شریفہ کی حدیث میں ایک لفظ ازھر اللون آیا، تمام جماعت سے اس لفظ کے معنی دریافت ہوئے لیکن کسی نے دل لگتی بات نہ کہی۔ آخر میں احقر سے دریافت فرمایا۔ میں نے اس کا ترجمہ "کھلے ہوئے رنگ والے" کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اسے مکرر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں اس کے یہ معنی ہیں اور پھر پچاس نمبر دیے۔ اگلے سال شعبان میں سالانہ جلسہ کے موقع پر سالہائے گزشتہ کے فارغ التحصیل طلبا کی دستار بندی کا جامعہ کی طرف سے اہتمام کیا گیا جس میں دیگر علماء کے علاوہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ؒ اور حضرت مفتی اعظم ؒ بھی شریک ہوئے۔ فارغ شدہ طلباء کے سروں پر ہی دونوں بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے دستار بندی فرمائی۔ بعض طلباء کو یہ سعادت حضرت مولانا عثمانیؒ سے حاصل ہوئی اور بعض کو حضرت مفتی صاحب سے۔ الحمد للہ بندہ کو اپنا حصہ سعادت حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاتھوں میسر آیا۔ شاید یہ تکوینی اشارہ تھا کہ مستقبل میں خدمت دین کی راہ میں یہی مبارک ہاتھ میرے رہنما اور سرپرست ہوں گے چنانچہ بلا ظن و وہم من جانب اللہ ایسے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے کہ فراغت کے تیسرے سال بندہ کا دارالعلوم کراچی سے تدریسی سلسلہ قائم ہوگیا اور اس طرح قریب رہ کر حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات گرامی اور آپ کی دینی خدمات اور عظیم خصوصیات کے مشاہدہ کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا۔

1957ء میں وہ دارالعلوم آئے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس وقت دارالعلوم کراچی کے استاذِ حدیث تھے ان ہی کا تعارف یہاں مولانا کے آنے کا ذریعہ بنا اس وقت سے اب تک وہ ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کر چکے ہیں، دارالعلوم کراچی کے تقریباً تمام اساتذہ ان کے واسطہ بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور مفتی اعظم پاکستان حضرت

مفتی رفیع صاحب کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مولانا شمس صاحب کا مطالعہ وسیع بھی ہے اور عمیق بھی، گہرائی اور گیرائی کے یہ دونوں وصف بہت کم کسی میں جمع ہوتے ہیں۔ ان کا علمی استحضار قابل رشک بھی ہے اور حیران کن بھی ہے۔ وہ ایک زمانے میں ''ناظم تعلیم'' ہونے کی وجہ سے اچانک اپنے استاد کا درس سننے درس گاہ میں آجاتے۔ استاد کے سبق میں کوئی تشنگی محسوس کرتے تو متعلقہ مقام کی خود ایسی بے بدل تشریح کرتے کہ طلبہ عش عش کر اُٹھتے اور یوں استاد کو بھرپور تیار کرنے کا احساس دلا دیتے۔

عالم اسلام کے معروف اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم 1992ء میں دار العلوم کراچی تشریف لائے ڈاکٹر صاحب ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ اُنھوں نے اپنی شیریں آواز اور شائستہ لہجے میں بڑی عمدہ تقریر کی۔ آخر میں سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اپنی ایک کتاب میں موسیقی کو جائز لکھا ہے؟ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کہا کہ ہاں خوشی کے موقع پر موسیقی کو میں جائز سمجھتا ہوں اور کوئی صحیح حدیث میری نظر سے نہیں گزری جس سے موسیقی کا عدم جواز معلوم ہوتا ہو، امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اسے جائز کہا ہے...... اس نشست میں مولانا شمس الحق صاحب بھی تشریف فرما تھے اُنھوں نے مائک لیا اور زبردست مدلل اسلوب میں ڈاکٹر صاحب کی تردید فرمائی۔ موسیقی کے عدم جواز پر برجستہ عمرہ بن قرہ کی وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں آلاتِ موسیقی توڑنے کے لیے کہا، تو اُنھوں نے جواب میں کہا کہ یہ تو میرا ذریعہ معاش ہے، حضورؐ نے فرمایا اللہ نے تمہارا معاش اس میں نہیں رکھا تم نے خود اسے ذریعہ معاش بنالیا...... اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا کہ اُنھوں نے موسیقی کو جائز نہیں کہا البتہ ''احیاء العلوم'' میں صوفیاء کے مخصوص ''سماع'' کو بعض شرائط کے ساتھ جائز لکھا ہے اور امام غزالی کی لکھی ہوئی ان شرائط کی تفصیل بیان فرمائی...... حاضرین حضرت کا مطالعہ استحضار دیکھ کر دریائے حیرت میں ڈوب گئے...... مولانا ایک عرصہ تک حاجی کیمپ اور عالمگیر مسجد میں حجاج کرام کے سامنے مناسک حج بھی بیان کرتے رہے۔ عالمگیر مسجد کی نشستوں میں احقر بھی جاتا رہا حضرت اس قدر دلنشین اور واضح اسلوب میں مناسک حج بیان فرماتے کہ حج کا پورا نقشہ نظروں میں سما جاتا۔

مولانا شمس الحق صاحب کی کوئی تصنیف اب تک چھپ کر منظر عام پر نہیں آئی البتہ ان

کی بعض کتابوں کی تقاریر ضبط تحریر میں لا دی گئی ہیں اور طلبہ کے ہاں فوٹو کاپیوں کی صورت میں مقبول ہیں ان کے درس مشکوۃ کی کئی سال پہلے کتابت بھی ہو چکی تھی اور حضرت نے اس پر نظر ثانی بھی کی تھی معلوم نہیں کہ اب تک کیوں منظر عام پر نہیں آئی۔ ان کی سنن ابی داؤد کی تقریر دورانِ درس کسی طالب علم نے لکھی ہے اور حضرت اس کے اکثر حصے پر نظر بھی کر چکے ہیں۔ وہ زیر طبع ہے۔ علوم القرآن پر ان کا تحریر کردہ ایک مختصر اور جامع رسالہ دار العلوم کی لائبریری میں مسودہ کی شکل میں محفوظ ہے، اللہ کرے حضرت کی یہ علمی یادگاریں کتابی صورت میں سامنے آ جائیں تا کہ ان سے استفادہ ہو سکے۔

مولانا ویسے تو گزشتہ بیس پچیس سال سے علیل تھے اور کسی دشمن کے سحر کی اذیتیں سہہ رہے تھے لیکن گزشتہ دو تین ماہ سے اُنھیں گلے میں تکلیف ہو گئی تھی۔ سانس اور غذا لینے میں دِقت تھی، اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بڑا مبارک دن نصیب فرمایا جمعہ کے دن ظہر کے وقت برسوں کے بیمار جسم کو ان کی بے تاب اور تڑپتی روح نے الوداع کہا، نماز عشاء کے بعد دار العلوم میں جنازہ تھا جس میں علماء، صلحاء، شیوخ الحدیث اور علوم دینیہ کے طلبہ ہزاروں کی تعداد میں شریک تھے۔ نماز جنازہ کے بعد اُنھیں دار العلوم کے قدیم قبرستان میں دفن کیا گیا اور یوں مدت کے بے قرار کو قرار مل گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے۔ ان کی تربت کو آماجگاہِ رحمت بنائے اور دار العلوم و پسماندگان کو ان کا بدل عطا فرمائے، فلک برسوں پھرتا ہے تب کہیں خاک کے پردے ایسے نادرِ روزگار محققین جنم لیتے ہیں!

حضرت مفتی ضیاء الحق رحمہ اللہ

(وفات: ۲۰۰۴ء)

حضرت مفتی ضیاء الحق 4راگست 1949ء میں شکر گڑھ کے گاؤں گمعالہ کے مشہور دینی و علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حاجی شبیر احمد صاحب سرکاری ملازم ہونے کے باوجود خالص مذہبی اور علمی شخص ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے خاص مریدین میں سے ہیں اور اس وقت تبلیغی جماعت لاہور کے امیر ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ؒ تین سال کی عمر میں 1952ء میں لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ 1958ء میں رائے ونڈ چلے گئے۔ حضرت مفتی رحمہ اللہ علیہ، حضرت مولانا یوسف کاندھلوی ؒ شیخ الحدیث مولانا زکریا ؒ حاجی عبدالوہاب امیر تبلیغی جماعت اور دیگر اکابرین کے بہت ہی لاڈلے تھے۔ اس لیے سب نے مشورہ کیا اور رائے ونڈ میں مدرسہ قائم کرنے اور حضرت مفتی صاحب ؒ کی اپنے سائے میں تعلیم وتربیت کا فیصلہ کیا۔ یوں بین الاقوامی درسگاہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے قیام کا سبب بنے اور ابتدائی طالب علم ہونے کا شرف حضرت مفتی صاحب ؒ کو ملا۔ ابتدائی کتب کی تکمیل کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ حضرت مولانا رسول خان صاحب ؒ مفتی جمیل احمد صاحب ؒ مولانا عبید اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۱۹۶۸ء میں تبلیغی جماعت کے ساتھ چلے لگائے۔ اس کے بعد دارالعلوم فیصل آباد میں حضرت مفتی جمال احمد دامت برکاتہم سے تخصص فی الفقہ کی سند حاصل کی پھر دارالعلوم فیصل آباد میں ناظم مقرر ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں حضرت مفتی زین العابدین نور اللہ مرقدہ کی بڑی صاحبزادی سے نکاح ہوا، نکاح تبلیغی جماعت کے امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے پڑھایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے چار بیٹے ہیں۔ مفتی محمد ضیاء مدنی، مفتی احمد ضیاء مدنی مفتی حامد ضیاء مدنی، مفتی محمد ضیاء مدنی چاروں حافظ قرآن اور جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل عالم اور مفتی ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی دو صاجزادیاں ہیں۔ ان میں سے بڑی صاجزادی تبلیغی جماعت کے معروف بزرگ امیر العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاجزادے اور فیصل آباد کے دینی ادارے جامعہ عبداللہ بن مسعود کے مہتمم مولانا حفظ الرحمٰن بنوری کے نکاح میں ہے اور چھوٹی صاجزادی تبلیغی جماعت کے معروف بزرگ میاں چنوں کے امیر حاجی صغیر صاحبؒ کے سب سے چھوٹے صاجزادے اور جامع مسجد مدرسہ ذوالنورین کے مہتمم مولانا ندیم انجم کے نکاح میں ہے۔

1977ء میں حضرت مفتی زین العابدین نور اللہ مرقدہ نے مرکزی جامع مسجد فیصل آباد جو کہ مسلک دیوبند کی مرکزی مسجد ہے میں اپنا جانشین اور مفتی مقرر کیا۔ حضرت مفتیؒ مختصر عرصہ میں ہی شہر کی ہر دل عزیز شخصیت بن گئے۔ 1964ء میں حضرت مفتی زین العابدینؒ نے دار العلوم فیصل آباد میں امن کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ مفتی ضیاء الحق صاحب نے اس کو فعال بنایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ شہر کی واحد شخصیت تھے جن پر نہ صرف اپنے علماء اور تاجر برادری بلکہ تمام مکتبہ فکر کے علماء اور عوام حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اعتماد کرتے تھے اور اپنے بڑے سے بڑے معاملات کو حل کروانے اور فیصلے کروانے کے لیے حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس آتے تھے۔ فیصل آباد کے دو مشہور خاندان گجر اور ٹوانہ کی دشمنی میں جو کہ عرصہ بیس سال سے چل رہی تھی دونوں طرف سے 139 افراد قتل ہو چکے تھے دونوں پارٹیاں اپنی ہار اور صلح کے لیے تیار نہ تھیں لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک ماہ چودہ دن میں شریعت کے مطابق مقتول پارٹی کو دیت دلوا کر دونوں خاندانوں کی صلح کروائی۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے امریکہ، یورپ اور مڈل ایسٹ کے تمام ممالک اور کویت، قطر، عرب امارات کے تبلیغی دورے کیے۔ ۱۹۸۲ء میں قاضی کلاس کورس کے گروپ لیڈر بن کر مدینہ یونیورسٹی، مکہ یونیورسٹی، سعودی یونیورسٹی میں لیکچر دیے۔ امام کعبہ عبداللہ بن سبیل سے سند حدیث حاصل کی اور بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے تحقیق فی الاسلام کورس کے امیر بن کر جامعۃ الازہر مصر گئے۔ ۱۹۸۷ء میں امریکہ کینیڈا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اسلام کی حقانیت کے موضوع پر لیکچر دیے۔ کینیڈا کے وزیر اعظم سے ملاقات

کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ مفتی صاحب ہر سال اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس سال ناسازی طبع کی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے۔ ۲۶ رمضان المبارک کو جامعہ عبداللہ بن مسعود کے 34 حفاظ کی دستار بندی اور رات ساڑھے گیارہ بجے تک اس کی ضرورت اور اہمیت پر بیان فرمایا جمعۃ الوداع پڑھایا اور دعا کی کہ 72 سال سے خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہوں اور مقتدیوں کے لیے دعائیں کر رہا ہوں، اب میرے لیے دعا کریں کہ اللہ رمضان المبارک کی موت نصیب فرمائے۔

جمعہ کی افطاری تمام خاندان کے چھوٹے بڑوں نے مل کر کی مولانا یوسف ثالث کے بیٹے کے ختم قرآن سے قبل 16 تراویح خود پڑھائیں۔ پھر بیان کیا۔ اس کے بعد ایک مسجد میں ختم قرآن پر بیان کیا اور رات دار العلوم کی مسجد میں بیان کیا۔ صبح سحری کی اور آرام کیا۔ ساڑھے دس بجے ڈاکٹر کو بلوایا اور کہا کہ رات کو نیند بھی ٹھیک آئی ہے اور اُٹھا بھی ٹھیک ہوں لیکن ابھی تھوڑی سی جسم میں تیزی معلوم ہو رہی ہے۔ بلڈ پریشر دیکھا تو زیادہ تھا۔ اسی وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اہلیہ کو بلوایا اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ. یا حی یا قیوم استغفر اللّٰہ کا ورد کرنے لگے، تقریباً 10 بج کر 50 منٹ پر اللّٰھم انک عفوٌ کریم تحب العفو فاعف عنا یا غفور یاغفور کہتے دائیں جانب سر کیا اور...... انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

آناً فاناً اطلاع سارے شہر میں پھیل گئی۔ کسی کو یقین نہ آیا رات ساڑھے نو بجے نماز جنازہ سے پہلے ان کے بڑے صاحبزادے مفتی محمد ضیاء مدنی نے رقت آمیز بیان کیا اور آنے والے لوگوں کو صبر کی تلقین کی۔ نماز جنازہ حضرت مفتی صاحب کے والد محترم حاجی شبیر احمد صاحب نے پڑھائی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی تدفین حضرت مفتی زین العابدین کے پہلو میں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد انور رحمہ اللہ

(وفات: نومبر ۲۰۰۴ء)

ملک کے طول وعرض میں یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی اور پڑھی گئی کہ معروف دینی درس گاہ دارالعلوم کبیر والا (ضلع خانیوال) کے مہتمم ممتاز عالم دین استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ (3 نومبر 2004ء) بروز بدھ سحری کے وقت اس دارفانی کو خیر باد کہہ کر خالق ومالک حقیقی سے جا ملے نور اللہ مرقدہ۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

قحط الرجال کے اس دور میں جب کسی عالم ربانی کی وفات کا سانحہ پیش آتا ہے تو یہ صدمہ اور احساس اور گہرا ہو جاتا ہے کہ مدارس وخانقاہوں کی تنہائی و بے رونقی بڑھتی اور محفل ہستی اجڑتی جارہی ہے۔ علم وعمل اور اخلاص وارشاد کے شعبوں پر کیا عجیب وقت آیا ہے کہ اگر کوئی مسند تدریس خالی ہوتی ہے تو مدتوں تک پُر نہیں ہوتی اور کوئی خانقاہ اجڑتی ہے تو عقابوں کی بجائے زاغوں کے تصرف میں آجاتی ہے۔ فالی اللہ المشتکی

دارالعلوم کبیر والا کے مہتمم استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار علماء ومدرسین کی صف میں ہوتا تھا۔ جن کے علم وفضل کے باعث درس وتدریس کی مجلسیں آباد اور رونقیں بحال تھیں۔ وہ عمدہ علمی ذوق رکھتے تھے اور دارالعلوم کی انتظامی مصروفیات ان کے شوقِ علم میں کبھی حائل نہیں ہوئیں۔ مسند اہتمام کے تقاضوں اور مشاغل کے باوجود دارالعلوم میں اہم اور فنی اسباق خود پڑھاتے تھے۔ احقر کو جب کبھی ان سے شرف ملاقات حاصل ہوتا تو بالعموم ان کا موضوع گفتگو سنجیدہ ومتین علماء ومدرسین کی کمی اور معیارِ تعلیم وتدریس کی روز افزوں پستی ہوتا۔ وہ اس صورت حال پر انتہائی تشویش کا اظہار فرماتے اور اسے مدارس وجامعات کے مستقبل

کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیتے۔ دو سال قبل رمضان المبارک ہی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال دارالعلوم کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا اور ان کی وفات سے پیدا ہونے والا علمی و تدریسی خلاء شدت سے محسوس ہو رہا تھا۔ تاہم حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب کے علم و فضل اور حسن نظم کی بدولت علمی و تدریسی فضا اپنی روایات کے ساتھ برقرار رہی۔ اب مولانا کی رحلت دارالعلوم کے لیے بہت بڑا دھچکہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ غیب سے اس گلشن علم و عمل کی آبادی و شادابی کے اسباب پیدا فرمادیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے ان کے والد مکرم شیخ الحدیث مولانا علی محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد عہدہ اہتمام کے لیے منتخب کیا۔ دارالعلوم جیسے عظیم ادارہ کو اس کی تابناک روایات کے مطابق چلانا ایک چیلنج سے کم نہ تھا۔ مگر مولانا نے خداداد صلاحیتوں اور اکابر کی نسبتوں کی برکت سے نہ صرف دارالعلوم کی روایات اور علمی ماحول کو برقرار رکھا، بلکہ ظاہری و باطنی طور پر بہت سے شعبوں کو قابلِ رشک حد تک ترقی دی۔ ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کے طلبہ و طالبات کی تعداد تین چار سو سے بڑھ کر دو ہزار تک جا پہنچی تھی۔

دارالعلوم کی ہمہ وقتی انتظامی مصروفیات اور تدریسی مشاغل کے باوجود مولانا کی زندگی کا یہ پہلو حیرت انگیز تھا کہ اپنی مذہبی، تبلیغی، جہادی اور اہل حق کی سیاسی جماعتوں کی بھی بھرپور سرپرستی اور رہنمائی فرماتے تھے۔ ضلع خانیوال میں وہ تمام دینی تحریکوں کے سرپرست اور شفیق رہنما مانے جاتے تھے۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے میدان میں آپ کی خدمات نمایاں تھیں۔ استاد محترم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب نے بتایا کہ دارالعلوم کے ہمسایہ میں ایک بے پردہ خاتون نے مولانا کے مواعظ سے متاثر ہو کر پہلے شرعی پردہ شروع کیا۔ پھر دارالعلوم کے شعبہ میں داخلہ لے کر درس نظامی کی تکمیل کی اور اس وقت وہی خاتون دارالعلوم میں طالبات کو انتہائی محنت اور شوق و ذوق کے ساتھ اسباق پڑھا رہی ہیں جو مولانا مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

مولانا کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت کے لیے جامعہ خیر المدارس ملتان کے اکابر و اساتذہ کرام نے بھی حاضری دی۔ قانون فطرت ہے کہ کتاب و سنت کے خدام عشاق کے جنازے ذرا دھوم سے اُٹھتے ہیں۔ جب دارالعلوم میں پہنچے تو قانونِ فطرت کے اس خاموش حکم کی تکمیل کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ تاحد نظر صلحاء حفاظ و قراء اکابر و مشائخ اور روزہ دار مسلمانوں کا

ایک جم غفیر تھا جو کتاب وسنت کے ایک سچے خادم کی زیارت نماز جنازہ اور دعائے مغفرت و رفع درجات کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں سے اُمڈ آیا تھا۔ حتیٰ کہ دار العلوم کا وسیع و عریض احاطہ کثرت ہجوم کے باعث تنگ ہو رہا تھا۔ اسی سوگوار ماحول میں مولانا کی نماز جنازہ کے ساتھ آہیں اور سسکیاں بھی فضا میں بلند ہوئیں۔ نماز جنازہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار مفتی جامعہ خیر المدارس نے پڑھائی۔ بعد ازاں آپ کے جسد خاکی کو آپ کے والد مرحوم شیخ الحدیث مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مولانا کی رحلت سے علماء ربانیین جو پہلے ہی انگلیوں پر گنے جاتے ہیں کی تعداد میں ایک اور فرد فرید کی کمی واقع ہوگئی اور فوت شدگان میں مزید اضافہ ہوگیا۔

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اُٹھ جائیں گے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

(ماہنامہ الخیر ملتان۔ دسمبر ۲۰۰۴ء)

داعی کبیر، مجاہد ختم نبوت

حضرت مولانا منظور احمد الحسینی علیہ الرحمہ

(متوفی: ۲۰۰۵ء)

۱۳رجنوری ۲۰۰۵ء مطابق ۲رذوالحجہ ۱۴۲۵ھ بروز جمعرات بعد نمازِ ظہر مدینہ منورہ اور مسجد نبوی شریف میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، مناظر ختم نبوت، داعی کبیر، فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات ؒ کے شاگرد رشید، حضرت اقدس حاجی محمد فاروق سکھر والوں کے خلیفۂ ارشد، حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے معتمد ومجاز اور تردیدِ قادیانیت میں ان کے جانشین، خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمدؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے تلمیذ، جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ، ذی استعداد عالمِ دین اور کامیاب مدرس مولانا منظور احمد الحسینی مختصر علالت کے بعد راہیٔ عالمِ آخرت ہوگئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ان للّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی و کلّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

مولانا منظور احمد الحسینی قدس سرہٗ نسباً میرانی بلوچ تھے، ان کے آباؤ اجداد ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے تھے، وہاں سے نقل مکانی کر کے فتح پور کمال ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان آگئے تھے، جہاں ان کی زمینیں تھیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا غلام حیدر زاہدانہ ذوق ومزاج کے آدمی تھے۔ مولانا حسینی مرحوم کے شناختی کارڈ سے ان کی تاریخ ولادت ۱۹۵۵ء معلوم ہوتی ہے۔ بچپن ہی سے والد ماجد اور پھر والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ اور آپ کے بہنوئی مولانا غلام محمد صاحبؒ نے آپ کی تعلیم وتربیت کا ذمہ لے لیا۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، چار سال کی عمر میں قرآن مجید کی تعلیم کے لئے خانیوال کے ایک مکتب میں داخل کرایا گیا اور جناب قاری شہاب الدینؒ سے حفظ مکمل کیا، ابتدائی صرف ونحو فیصل آباد کے ایک مدرسہ میں پڑھی اور درسِ نظامی کی تعلیم کے لئے آپ کو ملک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخل کرادیا گیا، جہاں ابتداء سے دورۂ حدیث تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۷۱ء مطابق ۱۳۹۱ھ کو فاتحہ فراغ پڑھا۔

آپ نے حضرت مولانا خیر محمدؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد شریف کاشمیریؒ، مولانا مفتی عبدالستارؒ، مولانا محمد صدیق جالندھری، مولانا مفتی محمد عبداللہؒ، مولانا عتیق الرحمٰن، مولانا غلام مصطفیٰ اور مولانا محمد شریف جالندھریؒ ایسے اکابر سے کسبِ فیض کیا۔

آپ کے رفقاء اور احباب کی روایت ہے کہ آپ شروع سے ہی محنتی، ذی استعداد، خوش اخلاق اور زاہدانہ طبیعت کے مالک تھے، آپ کی طبیعت پر آپ کے استاذ اور ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ مفتی جامعہ خیر المدارس کے ذوق ومزاج اور طرزِ زندگی کی چھاپ تھی۔ وہی مسکنت، سادگی، خوش اخلاقی، دل داری۔ چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ محبت، ادب اور اپنائیت کا معاملہ کرنا، مسکرا کر ہر ایک کا دل جیت لینا، ہمہ وقت ذکر وشغل میں مصروف رہنا، اپنے کام سے کام رکھنا اور ہمیشہ نظریں نیچی رکھنا وغیرہ، بلا مبالغہ اگر کسی نے حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب کو دیکھا ہوگا تو اسے اندازہ ہوگا کہ مولانا منظور احمد الحسینی رحمہ اللہ ان کا کامل ومکمل عکس وپرتو تھے۔

خدا نے اپنے ہی بخشے ہوئے اس پُر نور وجود کو شہر مدینہ میں ہاتھوں ہاتھ یہ کہتے ہوئے لیا کہ اے میرے پیارے! آمیں تجھ سے راضی اور تو مجھ سے راضی۔ آمیرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں بسیرا کر۔

انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی تھی کہ یا اللہ! میں یورپ سے تھک گیا ہوں، مجھے حرمین شریفین میں بلالے، یا کوئی ایسی شکل پیدا فرمادے کہ میں چھ ماہ حرمین میں رہوں اور چھ ماہ انگلینڈ میں۔ بلاشبہ مولانا مرحوم کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ مستقل مدینہ منورہ کے ہوکر رہ گئے۔

سفرِ آخرت

حسبِ معمول اس بار بھی وہ اپنے یورپ کے گروپ میں آئے۔ انہیں معلوم تھا کہ ختم نبوت حج گروپ بستان بخاری میں ہے، آپ عمرہ سے فارغ ہوکر ۲۶/ ذوالقعدہ بروز جمعہ بعد

عشاء مع اہلیہ کے کمرہ میں تشریف لائے، ملاقات ہوئی، اپنی خوش دامن سے بھی ملے، کچھ دیر بعد واپس اپنی بلڈنگ تشریف لے گئے، دوسرے دن بعد نمازِ ظہر تشریف لائے اور عشاء تک ساتھ رہے، کھانا بھی اکٹھے کھایا۔ راقم الحروف نے ان کو اسی وقت دستی خط لکھ کر دیا کہ ہم حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ پر ایک یادگاری دستاویز مرتب کرنا چاہتے ہیں، اس میں آپ بھی ان پر اپنی یادداشتیں مرتب کریں۔ خط لے کر پڑھا اور فرمایا میں کیا لکھوں؟ میں نے ان عنوانات اور نقاط کی نشاندہی بھی کاغذ کی پشت پر کر دی، پھر فرمایا میرا ان کے ساتھ آخری سفر امریکا ہوا تھا، وہ بھی لکھوں؟ میں نے کہا ضرور لکھیں۔ اپنے مخصوص انداز میں جھوم کر کہنے لگے: ضرور لکھوں گا اور سب کچھ لکھوں گا۔ رات کے کھانے کے بعد آپ اپنی رہائش گاہ تشریف لے گئے، اس سے اگلے دن تشریف لائے تو فرمایا: مجھے ایسی جوتی خریدنا ہے جو احرام میں کام آئے، مسجد حرام جاتے ہوئے ایک جوتا پسند کیا، جوتا لیا اور سیدھے حرم تشریف لے گئے۔ ہمارے ساتھ طواف کیا اور واپس اپنی رہائش گاہ دار علیان تشریف لے گئے۔ اگلے دن ان کو بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ جانا تھا۔ پیر ۲۹ رذوالقعدہ شام کو وہ مدینہ منورہ روانگی کے لئے جدہ تشریف لے گئے، اگلے دن منگل کو ان سے فون پر بات ہوئی، خیریت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: میں نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ آپ کا سلام پیش کر دیا ہے، اس سے اگلے دن ظہر کے بعد بھی ان سے فون پر بات ہوئی۔ اگلے دن جمعرات تھی اور عزیزم مفتی سہیل احمد نے لندن سے براہِ راست مدینہ منورہ پہنچنا تھا، مولانا مرحوم کی اہلیہ کا بیان ہے کہ آج صبح سے وہ بہت خوش تھے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ آج مفتی سہیل احمد آجائیں گے۔ دراصل مفتی سہیل احمد سے انہیں حد درجہ محبت تھی، وہ انہیں اپنا بیٹا اور جانشین سمجھتے تھے اور مفتی سہیل بھی ان کی راحت کا کوئی موقع نہ جانے دیتا۔ انگلینڈ میں جہاں کہیں بھی جانا ہوتا ان دونوں کی جوڑی ہوتی، اس لئے وہ آج صبح سے ان کے منتظر تھے اور بازار سے انہیں کھلانے کے لئے مختلف چیزیں بھی لا کر رکھی تھیں، مگر صبح فجر کی نماز کے بعد گھر واپس آئے تو فرمایا: کچھ سردی لگ رہی ہے۔ اہلیہ نے چائے بنائی انڈا ابالا، آپ نے انڈا کھایا، چائے نوش کی اور آرام کے لئے لیٹ گئے، لیکن تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ اسہال کی شکایت ہوگئی ہے، اس کے لئے کچھ معمولی دوا وغیرہ لی۔ پھر اٹھ کر اپنی مونچھیں وغیرہ صاف کرنے لگ گئے اور اہلیہ سے فرمایا: دل پر کچھ بوجھ سا ہے، اہلیہ نے عرض کیا ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ فرمایا: نہیں ظہر کی نماز پڑھتے ہیں پھر دیکھیں گے۔

اتنے میں مفتی سہیل احمد کا فون آ گیا کہ میں بلڈنگ پر پہنچ گیا ہوں سامان رکھ کر حاضر ہوتا ہوں، تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان ہوگئی۔ مولانا مرحوم اور ان کی اہلیہ نماز کے لئے نکل گئے، بلڈنگ سے باہر نکلتے ہی اہلیہ سے فرمایا کہ طبیعت کھل گئی ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد اہلیہ نے کچھ دیر مقررہ جگہ پر انتظار کیا، جب وہ نہیں آئے تو وہ کمرہ میں آ گئی، تھوڑی دیر بعد کسی نے کمرہ کا دروازہ بجا کر اطلاع دی کہ آپ کے شوہر مسجد میں گر گئے تھے، انہیں انصار ہسپتال لے گئے ہیں، ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ میں نے برقعہ لیا، کمرہ کی لفٹ پر پہنچی ہی تھی کہ سامنے سے مفتی سہیل احمد آ گئے، میں نے جلدی سے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا اور ہم دونوں ہسپتال پہنچ گئے، وہاں پہنچے تو ہم سے پہلے مولانا اس دنیا سے منہ موڑ کر اپنے رب کے ہاں جا چکے تھے۔

مسجد میں جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کا کہنا ہے کہ مولانا نے باجماعت نماز ظہر ادا فرمائی اور مسجد سے باہر آنے کو چلے تھے کہ مسجد کے اندر ہی ان پر دل کا دورہ ہوا تو وہ بیٹھ گئے اور قریب کے لوگوں کو بتلایا کہ میرا نام فلاں ہے، بلڈنگ کے فلاں کمرے میں میری رہائش ہے، مجھے دل کا دورہ ہوگیا ہے، یہ کہتے ہی مولانا بے ہوش ہو کر لیٹ گئے، وہاں لوگوں نے دل کی جگہ کو سہلایا اور زمزم پلایا تو مولانا کو ہوش آ گیا، انہیں ابھی ہسپتال لے جانے کے لیے متعلقہ طبی عملہ کو اطلاع کی ہی تھی کہ ان پر دوسرا دورہ پڑ گیا اور وہ ہسپتال جانے سے پہلے ہی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اسی دن جمعرات کو بعد ظہر راقم الحروف اپنے کمرہ میں تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، نمبر دیکھا تو مولانا منظور احمد صاحب کا تھا، فون سنا تھا تو مرحوم کے فون پر مفتی سہیل احمد بول رہے تھے۔ سلام و کلام کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا منظور احمد الحسینی کو دل کا دورہ ہوا اور ہسپتال لے گئے ان کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ میں نے پوچھا اب کیا حال ہے؟ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس خبر سے ایسا دھچکا لگا کہ بیان سے باہر ہے، مگر قضاء وقدر کے سامنے کس کی چلتی ہے؟ یقین نہیں آ رہا تھا کہ مولانا نے اس قدر جلدی سے کیسے دنیا کی سرحد پار کر لی؟ عام حالاتِ زندگی میں تو مولانا اتنا جلد باز نہیں تھے، مگر آج انہوں نے بہت ہی جلدی دکھائی۔ فوراً احباب کو اطلاع کی اور اپنا بوجھ کم کرنے کے لئے دوسروں کو بھی شریکِ غم کیا۔ سب سے پہلے مدینہ منورہ کے دوست جناب

مولانا قاری حسین علی نقشبندی صاحب کو اطلاع دی کہ فوراً ہسپتال پہنچ کر مرحوم کی اہلیہ کو اپنے گھر لے جائیں، دوسری جانب مولانا قاری عبدالمجید جامی صاحب کو فون کیا کہ یہ حادثہ ہو گیا ہے، آپ فوراً ہسپتال پہنچیں اور عزیز مفتی سہیل احمد کی مدد کریں، اسی طرح دوسرے احباب میں سے جناب حق نواز صاحب کو بھی اطلاع کی۔ ادھر مولانا مفتی سہیل احمد صاحب کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے حواس پر قابو رکھتے ہوئے تمام کاغذی کاروائی مکمل کی، میں نے اطلاع کر دی تھی کہ تدفین بقیع ہی میں ہو گی۔ یہ بھی مولانا مرحوم کی کرامت تھی کہ ان کی تجہیز و تکفین کے تمام مراحل ایک ہی دن میں طے ہو گئے، ورنہ عام طور پر بیرونی حضرات کی تدفین کے لئے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔

راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ کس طرح میں بھی ان کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرلوں، اللہ جزائے خیر دے ہمارے احباب جناب عبدالرزاق صاحب برادر خورد مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اور حاجی شاہ نواز علی کو کہ انہوں نے چار گھنٹے کی محنت کے بعد میرے مدینہ منورہ جانے کا اجازت نامہ حاصل کرلیا۔ رات تقریباً ۱۱ بجے بذریعہ ٹیکسی روانہ ہو کر صبح اذانِ تہجد کے وقت مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ وہاں مولانا مفتی خالد محمود، مفتی سہیل احمد، جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور جناب ابرار احمد سیٹھی میرے انتظار میں تھے، ادھر صبح کی نماز کے بعد مولانا حسینی مرحوم کے حقیقی خواہر زادہ مولانا محمد احمد، جرمنی والے بھی بذریعہ ٹیکسی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے، آٹھ بجے ہم سب جناب الحاج حق نواز صاحب کی گاڑی میں وزارتِ حج کے دفتر گئے، وہاں وصولیٔ میت کا پرچہ حاصل کیا، سرکاری ایمبولینس ساتھ لے کر مستشفی ابیار علی سے میت وصول کی، جنت البقیع سے متصل اسرار تجہیز و تکفین میں لاکر اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، کفن پہنایا اور ان کے نورانی اور مسکراتے چہرہ پر عطر لگایا، ماتھے پر بوسہ دیا، ان کی اہلیہ کو آخری دیدار کروایا، اور اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا کر اس امانتِ الٰہی کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مسجد نبوی کے محراب میں جنازہ کی جگہ پر پہنچا دیا، جمعہ کی آذان ہوئی، امام نے خطبہ دیا، جمعہ کی نماز ہوئی اور جمعہ کے فوراً بعد جنازہ ہوا اور دنیا بھر کے لاکھوں اولیاء اللہ، اقطاب وابدال اور حجاج نے اس مردِ قلندر کا جنازہ پڑھا اور دعائیں کیں۔ جنازہ کے بعد ہاتھوں ہاتھ لے کر انہیں جنت البقیع لے جایا گیا، ہم سب ناتواں تو بھاگتے ہی رہے مگر مولانا مرحوم بہت جلد اپنی آخری آرام گاہ کو پہنچ گئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پائنتی تیار قبر علی، مفتی سہیل احمد اور ایک دوسرے صاحب

نے قبر میں اتر کران کولرزتے ہاتھوں بغلی قبر میں قبلہ رُو لٹا دیا اور کچی اینٹیں چن کر باہر آ گئے، ہم سب نے بقیع کی خاکِ شفاء کو ہاتھ میں لیا، خوشی اور صدمہ کے ملے جلے جذبات اور پُرنم آنکھوں سے ان کو الوداع کیا، قبر تیار ہوگئی تو سرہانے بقرہ کا پہلا اور پائنتی آخری رکوع پڑھ کر اجتماعی دعا کی۔ تدفین سے فراغت کے بعد وہاں حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ، مولانا محمد الیاس فیصل، مولانا محمد زبیر مکی وغیرہ دسیوں افراد سے ملاقات ہوئی، جنہوں نے اس نابکار سے تعزیت کی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے ہم بقیع سے باہر آ گئے مگر سچ پوچھو تو دل بقیع میں ہی رہ گیا۔

اللّٰهم اغفر لهٗ وارحمه وعافهٖ واعف عنه.

مولانا حسینی مرحوم کی سعادت وخوش بختی کا سوچتا ہوں تو بلا اختیار زبان سے نکلتا ہے ''عاش سعيدًا ومات سعيدًا'' بلاشبہ مولانا کی وفات کے بعد ہم پر یہ عقدہ کھلا اور ہمیں معلوم ہوا کہ مولانا حسینی ''اگرچہ پاکستانی تھے مگر دراصل وہ مدنی تھے''، کیونکہ

؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

سعادت وخوش بختی

مولانا حسینی ؒ کی علو شان کا کیا کہنا کہ زندگی بھر دینِ متین کی خدمت میں مصروف رہے۔ تحفظ ناموسِ رسالت کا فریضہ انجام دیا، قسمت انہیں لندن لے گئی، وہاں بھی اس فریضہ سے غافل نہیں رہے، ان کی اسی خدمت کا صلہ کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر سال حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا، جب موت قریب آ لگی تو انہیں سفر پر بلا لیا، عمرہ کرایا بیت اللہ کا طواف کرائے، مدینۃ النبی بلایا، روضۂ اطہر پر صلوٰۃ وسلام کی سعادت نصیب فرمائی، مسجد نبوی میں جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ کا اعزاز بخشا اور جنت البقیع کی مٹی نصیب فرمائی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات شیخین ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ ہزاروں صحابہ کرام ؓ اور اولیاء و اقطاب کا قرب وجوار عطا فرمایا۔ بلاشبہ یہ خدمتِ دین اور تحفظِ ختم نبوت کا صلہ ہے۔ جو ان کے حصہ میں آیا، یقیناً مولانا تو سعادتیں لوٹ گئے، مگر ان کی جدائی ہم سب پسماندگان کے لئے ایسا نقصان ہے جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر کروٹ کروٹ راحتوں سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی کفایت وکفالت فرمائے۔ آمین ثم آمین

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے آخری خلیفہ

حضرت شاہ ابرار الحق رحؒ

(وفات: مئی ۲۰۰۵ء)

گذشتہ دنوں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے آخری خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ ابرار الحق 88 برس کی عمر میں بھارت کے صوبے یوپی کے ضلع ہردوئی میں انتقال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

نماز جنازہ بروز بدھ بتاریخ 18 رمئی 2005ء بعد نماز فجر اشرف المدارس ہردوئی بھارت میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں تقریباً 10 لاکھ افراد نے شرکت کی۔ مولانا ابرار الحق عرصہ دراز سے صاحب فراش تھے۔ مولانا مرحوم مظاہر العلوم سہارنپور کے فارغ التحصیل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مولانا کو 22 سال کی عمر میں بیعت کی اجازت دی۔ آپ کو حضرت تھانوی کے سب سے کم عمر خلیفہ بننے کا اعزاز حاصل تھا۔

مولانا شاہ ابرار الحق پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش میں موجود لاکھوں افراد کے روحانی رہنما بھی تھے۔ خلیجی ممالک یورپ، امریکا، افریقا، کینیڈا اور دنیا کے دیگر ممالک میں مولانا کے لاکھوں مرید اور ہزاروں شاگرد موجود ہیں۔ حضرت کی نماز جنازہ ہردوئی کی عیدگاہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز اور ممتاز بزرگ عالم دین قاری امیر الحسن نے پڑھائی۔ حضرت شاہ ابرار الحق قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال سے جہاں ان کے ہزاروں لاکھوں مریدین و متعلقین کو ایک بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے وہاں علمی و روحانی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا

ہے جسے پُر ہونے میں وقت لگے گا۔

"موت العالِم موت العالَم" کے مصداق ایک عالم دین کی وفات کے ساتھ ایک کائنات رخصت ہو جاتی ہے۔ آپ بلاشبہ ایک عالَم کے راہنما تھے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ایسے مصلحین اور صالحین کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے فیض کو ان کے بعد بھی اسی طرح جاری و ساری فرمائے جس طرح ان کی حیات میں تھا۔

مدیر اعلیٰ مجلہ الہدیٰ، قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ علی شیر حیدری دامت برکاتہم العالیہ نے حضرتؒ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور فقیہ العصر حضرت مولانا محمد زرولی خان دامت برکاتہم کی معیت میں کراچی میں حضرت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر کی خدمت میں اظہارِ تعزیت کیلئے تشریف لے گئے۔ جہاں پر ہر سہ حضرات نے حضرت مرحومؒ کی خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی بلندیٔ درجات کی دعا فرمائی نیز حضرت علامہ حیدری نے ایک مکتوب گرامی کے ذریعے ہردوئی شریف انڈیا میں حضرت کے لواحقین اور غمزدہ مریدین سے بھی اظہارِ تعزیت کیا۔

(مجلہ الہدیٰ خیر پور سندھ)

حضرت مولانا غلام سرورؒ

(وفات: ۲؍جون ۲۰۰۵ء)

استاذ الحفاظ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ کے خاص شاگرد ۷۵ سالہ بزرگ مولانا حافظ غلام سرور معمولی علالت کے بعد وفات پاگئے۔ ان کی نماز جنازہ میں علاقہ چھچھ بھر کے علماء کرام، طلباء عظام اور دین دار مسلمانوں نے شرکت کی۔

مولانا حافظ غلام سرور صاحبؒ غور غشتی میں پیدا ہوئے۔ وہیں مسجد میں قرآن مجید یاد کیا، دورۂ حدیث شریف شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ (المتوفی ۱۹۶۸ء) سے کیا۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین کو پٹھانوں کا شاہ ولی اللہ یا شیخ الہند کہا جاتا تھا۔ افغانستان، آزاد قبائل، وسطی ایشیاء کی ریاستوں حتیٰ کہ روس تک کے علماء نے ان سے دورۂ حدیث کیا۔

حافظ غلام سرور صاحبؒ نے دورۂ حدیث کے بعد پہلے نرتوپہ کی جامع مسجد جہاں آج جامعہ قاسمیہ انوار القرآن قائم ہے، وہاں امامت خطابت اور تدریس سے آغاز کیا۔ اس کے بعد علاقہ چھچھ کے مشہور مذہبی گاؤں بہبودی میں تیس سال تک قرآن کریم حفظ کرایا۔ بہبودی کے سینکڑوں حفاظ آپ کے شاگرد ہیں۔ بہبودی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری جو خلیفہ ہیں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے، ان کا درسِ ترمذی مظاہر العلوم سہارنپور میں مشہور تھا۔ آپ نے معارف ترمذی ان سے پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ جن میں شرافت، نرمی، خوش اخلاقی، تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ حافظ غلام سرور کو فرماتے کہ حافظ صاحب آج ٹھہر جائیں اور نماز صبح میں سورۃ الدھر سنائیں۔ حافظ صاحب کا کھانا خود اٹھا کر اپنے گھر سے لاتے تھے۔ تقریباً تیس سال درجۂ حفظ بہبودی میں پڑھانے کے بعد آپ اپنے گاؤں غور غشتی میں

تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خوبصورت مسجد اور مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔ آپ کی زندگی کا معمول صبح شام بلا ناغہ درجہ حفظ کو پڑھانا تھا اور مشکوٰۃ وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔ آپؒ دنیا داری، حب دنیا، دنیاوی تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ آپؒ کے دو صاحبزادے مولانا قاری عبید الرحمٰن صاحب جنہوں نے دورۂ حدیث علاقہ چھچھ کے مشہور مدرسہ جامعہ عربیہ اشاعت القرآن سے کیا اور بڑے صاحبزادے مولانا حافظ قاری سعید الرحمٰن مدظلہٗ انگلینڈ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ چھوٹے صاحبزادے آپؒ کے نائب تھے وہ اچانک دورہ پڑنے سے جوانی کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد جلد ہی آپ کی اہلیہ بھی وفات پا گئیں۔ مولانا حافظ غلام سرورؒ جو صدر امر رضا بالقضا کے عملی نمونہ تھے۔ چند ماہ میں اتنے بڑے حادثات کے باوجود اپنے وعظ، تبلیغ اور تدریس میں ذرا برابر کمی نہ کی۔ حافظ صاحبؒ کی شیخ الحدیث مولانا محمد صابرؒ، شیخ الحدیث مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب اور راقم سے خصوصی محبت تھی، ہفتہ میں ایک بار صرف ملاقات کے لئے اشاعت القرآن حضرت تشریف لاتے، ایک مہینہ شوگر کی وجہ سے علیل ہوئے، بیماری کے دوران بھی طلباء کرام کی منزلیں سنا کرتے تھے، بالآخر یہ ہستی جس نے ساری عمر قال اللہ، قال الرسول کا درس دیا چند دن بیمار رہنے کے بعد دارِ فانی سے رخصت ہو گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جنازہ کی امامت شیخ الحدیث مولانا ظہور الحق صاحب دامان نے کی تدفین کے بعد سینکڑوں علماء صلحاء کی موجودگی میں شیخ الحدیث مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب نے ان کے دینی کام بیان کرنے کے بعد قبر پر دعا کرائی۔ اب یہ مدرسہ، مسجد، تدریس، تبلیغ کا بھار آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سعید الرحمٰن کے کندھوں پر آ پڑا ہے۔ حافظ غلام سرور صاحبؒ کی ساری زندگی کا سرمایہ مسجد مدرسہ کی خدمت تھی۔ دنیا داری کی باتیں اور اخبار تک سے وہ بیزار تھے۔ انہیں غورغشتی کے مشہور قبرستان جس میں علماء صلحاء مدفون ہیں، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے قرب میں دفن کیا گیا۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تاریخ وفات ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ، ۲ رجون ۲۰۰۵ء بروز جمعرات، حضرت حافظ

صاحبؒ کی وفات سے علاقہ چھچھ بالخصوص غورغشتی ایک عالم دین عابد وزاہد، استاذ الحفاظ سے محروم ہوگیا ہے۔

آپ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کی تقریر ترمذی (معارف ترمذی) پر تصحیح کا کام فرما کر ایک عظیم علمی ذخیرہ میں اضافہ کیا۔

مولانا حافظ غلام سرور صاحبؒ علماء حق کی تمام دینی جماعتوں سے محبت فرماتے تھے۔ بالخصوص شہدائے ناموس صحابہؓ مولانا حق نواز جھنگویؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ سے خصوصی محبت فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت عطا کر کے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ مرحوم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(ماہنامہ خلافت راشدہ فیصل آباد۔ جولائی ۲۰۰۵ء۔ مضمون شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام مدظلہ)

مولانا حضرت سیدؒ

(وفات: اگست ۲۰۰۵ء)

۵/اگست ۲۰۰۵ء رات بجے نیک صالح تہجد گزار شب بیدار میرے والد محترم مفتی محمد ولی درویشؒ سابق استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے چچا اور ہمارے دادا جان جناب حضرت سید مرحوم عالمِ دنیا میں عمر کی 108 بہاریں گزارنے کے بعد راہیٔ بعالم آخرت ہوگئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ان لِلّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی و کلُّ شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

حضرت سید مرحوم میرے والد محترم مفتی محمد ولی درویشؒ کے چچا اور میرے دادا جان جناب حضرت ولی مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے ان کی پیدائش 1800ء کے اواخر میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام جناب اعتبار شاہ مرحوم ہے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب حضرت سید مرحوم کی عمر تقریباً سات سال تھی والدہ ماجدہ کی وفات بھی آپ کے بچپنے میں ہی ہوگئی تھی حضرت سیدؒ کی ابتدائی تعلیم اولاً گھر پر اور پھر گاؤں کے علماء سے حاصل کی مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اس لیے کہ اس زمانے میں ضلع دیر پر ایک نواب صاحب کی حکومت تھی جو انتہائی ظالم جابر سخت دل اور تعلیم کا کٹر مخالف تھا اس نے اسکولوں پر پابندی عائد کر رکھی تھی اس وجہ سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ تعلیم سے محروم رہ گئے تھے۔

حضرت سیدؒ جو ابتدائی عمر سے نماز روزہ اور دوسری عبادات کے پابند تھے اپنے بھائی یعنی ہمارے دادا جان مرحوم اور اپنے چھوٹے بھائی جناب گل سید صاحب (جو ماشاء اللہ حیات ہیں) کے ساتھ بھادر کلے (محلہ کندے اچر) پشاور میں رہائش پذیر تھے اور یہیں پر والد ماجد حضرت مفتی محمد ولی درویشؒ کی پیدائش ہوئی جو کہ عارفِ سرحد، صوفیٔ وقت، پشتو کے عظیم شاعر جناب عبدالرحمٰن بابا المعروف بہ "رحمٰن بابا کا وطن مالوف ہے اس کے بعد بٹ خیلہ ملاکنڈ ایجنسی کے

مضافات میں ''مکنی'' نامی گاؤں میں رہائش اختیار کر لی جہاں آپ نے طلب حلال کے لیے کھیتی باڑی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اسی سے آپ کا گزر بسر ہوتا تھا۔ آپ کو عبادات کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، تہجد میں بلک بلک کر اللہ تعالیٰ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے جس سے اکثر گھر والوں کی بھی جاگ ہوجاتی۔ ذکر اور اذکار میں ہمہ وقت مشغول رہتے اور خاص کر درود شریف کثرت سے پڑھتے تھے۔

حضرت سید صاحبؒ والد مرحوم اور ہم سے بہت شفقت فرماتے اور بہت ہی زیادہ ہم سے محبت کرتے تھے۔ علمی ذوق بڑھانے اور دین کی طرف رغبت دلانے کے لیے ہمیں بتاتے تھے کہ آپ کے نانا جان بہت بڑے عالم اور میرے بہت اچھے دوست تھے میں نے اس علاقے میں ان جیسا عالم نہیں دیکھا ہمارے نانا جان مولانا شیخ عمر صاحبؒ مدرسہ رامپور ہندوستان کے فارغ التحصیل تھے سولہ سال وہیں تعلیم پاتے رہے اور وہیں سے سندِ فراغت حاصل کی جس پر آپ کے اساتذہ کرام کے دستخط ثبت ہیں جو مرورِ زمانہ کے باوجود اب بھی کچھ دھندلے اور مدہم نظر آتے ہیں۔

ہمارے دادا جانؒ فرماتے ہیں کہ: بیٹا میں تمہارے لیے اتنی رکعات نفل اور اتنا درود شریف پڑھ کر تمہارے لیے ایصال ثواب کرتا ہوں اور اس کا ثواب تمہیں بخشتا ہوں۔

آپؒ ہمیشہ سفید عمامہ سر پر رکھتے تھے اور آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جیسے ہی آپ اذان کی آواز سنتے تو فوراً مسجد کی جانب چل پڑتے اور آخیر عمر میں جب چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تو اپنی چارپائی سے اتر کر نماز ادا فرماتے ہم جب بھی کراچی سے وطن جاتے اور آپ کے پاس ملنے آتے اور ملاقات ہوتی تو بڑے درد سے فرماتے کہ بیٹا شکر ہے تم سے ملاقات ہوگئی۔ معلوم نہیں کہ کب موت آئے اور پھر ملاقات ہو یا نہ ہو جب بھی جمعہ کا دن آتا تو آپ انتہائی خوش وخرم نظر آتے اور فرماتے کہ: بس اب میں اپنے رب کے حضور جا رہا ہوں لیکن جوں ہی جمعہ کا دن گزرتا تو بہت ہی غمگین و پریشان ہوجاتے پھر ایسا ہوا کہ جو امید و تمنا اُنھوں نے اپنے رب سے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے پورا کر دکھایا بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب جمعہ کی موت عطا فرمائی اور آپ کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹے سے نوازا جن کا نام ''رحمٰن گل'' ہے جو کسب معاش کے سلسلے میں باہر رہے اور آج کل ماشاء اللہ جماعت دعوۃ و تبلیغ کے ساتھ منسلک ہیں انہی سے حضرت سید صاحبؒ کے دو پوتے ہیں ایک پوتا جناب مفتی رفیع اللہ صاحب جو کہ جامعہ علوم اسلامیہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے فارغ التحصیل اور آج کل ''عرب امارات، العین'' کے محکمہ اوقاف میں امام ہیں دوسرے برخوردار جناب لطیف اللہ ہیں۔

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی رح

(وفات: ۱۴ راگست ۲۰۰۵ء)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دیرینہ ساتھی، شاعرِ حریت اور ختم نبوت کی تحریک کے عروج کے وقت عوام کے جلسوں، مجلسوں میں اپنے اشعار و کلام کے ذریعے عشق کی آگ لگانے والے بقیۃ السلف الحاج سید امین گیلانی نور اللہ مرقدہ اپنی زندگی کی 85 بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۴ راگست بروز جمعرات ہمیشہ کے لیے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

بندہ آخری سفر میں ساتھ تھا۔ فیصل آباد میں اپنے دیرینہ اور پرانے احراری دوست مولانا اشرف ہمدانی مدظلہ کی دعوت پر عالمی محفل حسن قرأت میں شاہ جی بطور مہمان مدعو تھے۔ صبح تقریباً 10:30 بجے سفر شروع ہوا۔ پنڈی بھٹیاں انٹرچینج کے قریب پہنچے تو مسئلہ حیات النبی پر گفتگو فرماتے ہوئے ڈرائیور کے موبائل کو دیکھ کر بڑی ظرافت کے ساتھ فرمایا کہ بعض کم بخت لوگوں کی سوچ اور ذہانت عجیب ہے کہ اس چھوٹے سے الیکٹرانک پرزے پر تو لندن، انگلینڈ، برطانیہ سعودی عرب سے بات چیت کرتے بھی ہیں اور اس کے قائل ہیں۔ مگر کیا میرے آقا دونوں جہانوں کے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے روضہ مبارک میں ایک امتی کا درود اور سلام بھی نہیں سن پاتے۔

شاہ جی فرماتے ہیں:

میرے آقا سرکارؐ میں قربان جاؤں — سو بھی جانیں ہوں سو بار میں قربان جاؤں
شہدا زندہ نبی مردہ لاحول ولا قوۃ — آپ ہیں زندہ و بیدار میں قربان جاؤں

حضرت قائد اہل سنتؒ سے عقیدت

شاہ جی مرحوم اپنے ہم عصر علماء اور بزرگوں کا حد سے زیادہ احترام فرماتے تھے۔ایک ملاقات میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب قدس سرہ کے ایمانی جذبات کے بارے میں فرمایا کہ کچھ عرصہ قبل شیخوپورہ میں میونسپل کمیٹی کے احاطے کے اندر برگد کے درخت پر حضرات خلفائے راشدین کے نام قدرتی طور پر اُبھر آئے۔فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب پیغمبر دو عالم ﷺ اور غلامان پیغمبر کے عشق ومحبت میں ایسے فنا نظر آرہے تھے کہ کچھ دن اپنے احباب سمیت وہاں ڈیرے ڈال لیے اور بالآخر اس کو شیشے کے فریم کے اندر بند کروا کر قاضی صاحب واپس ہوئے۔اپنی کتاب ''قدرت کے کرشمے'' کا انتساب کس کے نام کروں؟......دل نے آواز دی مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ العالیٰ کے نام دماغ نے فوراً جواب دیا بالکل ٹھیک کہا۔ لہٰذا ''قدرت کے کرشمے'' انہی کے نام گرامی سے منسوب کرتا ہوں۔

اپنی ملاقاتوں اور واقعات میں حضرت امیر شریعت کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے اور فرماتے مجھے اگر کسی نے بنایا ہے اس قابل، وہ شخصیت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہ کی ہے۔

حضور انورؐ کی زیارت:

ایک دفعہ بندہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے بارے میں سوال کیا تو جواباً فرمایا کہ عقیدہ حیات النبیؐ اور صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین سے والہانہ محبت کی بدولت مجھے میرے رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی اتنی بار زیارتیں نصیب کیں کہ میں آج تک ان کی گنتی اور شمار نہیں کر سکا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سفر آخرت

قارئین کرام!اب میں حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔فیصل آباد پہنچے تو بندہ نے عرض کیا کہ حضرت رات کو واپسی کا کیا ارادہ ہے؟ تو فرمایا

کہ محفل قرأت شروع کروا کر یعنی ایک تلاوت کے بعد ہی میں اپنی نعت پڑھوں گا اور بعد ازاں کار اپنے پاس ہے۔ رات کو دس گیارہ بجے گھر پہنچ کر آرام کریں گے۔ (جو یقیناً کسی اور آرام کی طرف اشارہ تھا) اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی۔ بندہ نے نماز مسجد میں جبکہ شاہ جی نے شرعی عذر کی بناء پر کرسی پر کمرہ میں ادا کی۔ جب میں نماز کے بعد کمرے میں داخل ہوا تو بستر پر آرام فرما تھے۔ اتنی دیر میں کھانا آ گیا۔ جب دستر خوان نیچے لگایا گیا تو حضرت ایک مصرعہ گنگنا رہے تھے۔

مئے آئے گی، صراحی آئے گی جام آئے گا

دو تین بار اسی مصرعہ کو ترنم میں پڑھا۔ کھانا آیا تو کہنے لگے۔ مجھے پلیٹ میں ڈال دو۔ روٹی لے کر انتہائی سادگی کے ساتھ تناول کرنا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد فرمایا کہ مولانا عبداللہ صاحب (امیر جمعیت علمائے اسلام پنجاب) کا ٹیلیفون آیا تھا کہ شاہ جی! حضرت مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد جب لاہور تشریف لائے تو پروگرام کونسی جگہ تھا اور کہاں ٹھہرے تھے۔ اسی ضمن میں پھر یہ شعر پڑھا۔

پوری صدی کی تاریخ نقش ہے میرے سینے پر
لوگ آتے ہیں میرے پاس حوالوں کے لیے

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پیچھے تکیے کی طرف بلند آواز لگاتے ہوئے لڑھک گئے۔ پریشانی کے عالم میں جب بندہ نے کندھوں سے آہستہ سا ہلایا تو بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کر کے ایسے سو گئے جیسے برسوں کے سوئے ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے......

کیسے آئی ہے رات چپ کر کے ۔۔۔ سو گئی کائنات چپ کر کے
وہ جوانی حسن و رنگ و امیں ۔۔۔ کر گیا واردات چپ کر کے
لے گیا میری روح عزرائیل ۔۔۔ کر گیا واردات چپ کر کے

(ماہنامہ حق چاریار لاہور ستمبر ۲۰۰۵ء سے حافظ ظہیر احمد صاحب کا مضمون)

فاتح ربوہ حضرت مولانا خدا بخش شجاع آبادیؒ

(وفات: اکتوبر ۲۰۰۵ء)

چناب نگر میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کل پاکستان ختم نبوت کانفرنس اپنے عروج پر تھی کہ حضرت مولانا خدا بخشؒ کے سانحہ ارتحال کے خبر پہنچی۔ عالمی مجلس کے تمام مبلغین اور جماعتی کارکن اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے، جب یہ المناک خبر بجلی بن کر گری، ہر طرف اداسی چھا گئی، سرگرم عمل مبلغین کے چہرے مرجھا گئے اور وہ ایک دوسرے سے تعزیت کرنے لگے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ایک ہنگامی اجلاس حضرت الامیر خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا خدا بخش کی وفات پر گہرے دکھ اور رنج والم کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں حضرت مولانا خدا بخش کے ایصال ثواب اور بلندی درجات کے لئے دعا کروائی۔ کانفرنس کے رات کے اجلاس میں حضرت صاحبزادہ عزیز احمد صاحب نے ایک تعزیتی قرارداد پیش کی جس میں حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر گہرے دکھ اور صدمہ کا اظہار کیا گیا، جبکہ اکثر مقررین نے حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت بھی پیش کیا۔

حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سینئر ترین مبلغ اور کامیاب مناظر تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے تمام زندگی عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں گزاری، قادیانی فتنہ کے احتساب میں ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ پر خلوص جماعتی وابستگی اور مشنری جذبہ کے باعث انہیں جماعت میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں حضرت مولانا محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ فاتح قادیان، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مناظرہ کے میدان میں انہیں مستند حیثیت حاصل تھی۔ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے

دارالعلوم کبیروالا سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ تعلیم الابرار ملتان میں درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیں، قدرت نے قادیانیت کے محاسبہ اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے ان کا انتخاب کر رکھا تھا، چنانچہ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ جلد ہی حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی ترغیب پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے وابستہ ہو گئے اور آخر دم تک مجلس سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ڈیرہ غازیخان، بہاولپور، بہاولنگر کے اضلاع مین بطور مبلغ کے جماعتی فرائض سرانجام دیئے۔ ان علاقوں میں نہ صرف قادیانیت کا تعاقب کیا بلکہ جماعت کو بھی منظم اور مستحکم کیا بعدازاں حضرت مولانا خدا بخش کو چناب نگر میں تعینات کیا گیا۔ چناب نگر جو اس وقت ربوہ کہلواتا تھا۔ قادیانیوں کا ہیڈ آفس تھا قادیانی جماعت یہاں سیاہ وسفید کی مالک تھی قادیانی جماعت نے ریاست در ریاست کا نظام رائج کر رکھا تھا۔ حضت مولانا خدا بخش نے بے خوف وخطر دعوت وتبلیغ کے کام کو جاری رکھا۔ جب ۱۹۷۴ء میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور بعد میں مسلمانوں کے پرزور مطالبہ پر ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا گیا تو قادیانیوں کے کفرزار میں پہلی تعمیر ہونے والی مسجد میں امامت کا اعزاز بھی حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔ وہ مسجد آج بھی چناب نگر کی عدالتوں کے احاطہ میں موجود ہے۔ جو حضرت مولانا خدا بخش کی یاد دلاتی رہے گی۔

۱۹۷۴ء میں نشتر میڈیکل کالج کے طلباء کو چناب نگر (سابقہ ربوہ) ریلوے اسٹیشن پر غنڈہ گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ قادیانیوں کی دہشت گردی کے نتیجہ میں تحریک چلی اور قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ریلوے پلیٹ فارم کے ساتھ بڑی مسجد تعمیر کرنے کی تحریک پیدا کی چنانچہ اس مسجد کی تعمیر کی نگرانی کا کام بھی حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا گیا انہوں نے جانفشانی کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت مولانا خدا بخشؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اوصاف وکمالات سے نوازا تھا۔ زبان وبیان میں سادگی اور گفتگو میں متانت تھی۔ حضرت مولانا مرحوم ایک کامیاب مناظر تھے انہوں نے فن مناظرہ حضرت مولانا محمد حیات فاتح قادیان سے سیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مناظرہ کے شعبہ میں اپنے استاد کا عکس اور پرتو تھے۔ دھیمے انداز میں منطقی طور پر قادیانیت کے رد میں ایسے دلائل و براہین کی روشنی میں گفتگو کرتے کہ مد مقابل کو بے بس کر دیتے۔ قادیانی مناظروں نے حضرت

مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ سے طبع آزمائی کی اور منہ کی کھائی۔ بے شمار قادیانیوں کو حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ناصحانہ انداز میں قادیانی مذہب کی حقیقت سے روشناس کر کے مشرف بہ اسلام کیا۔ ان کی بخشش و مغفرت اور آخرت کی سرخروئی کے لئے یہی سامان کافی ہے۔

حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھر پور حصہ لیا دونوں تحریکوں میں ملک بھر کے طوفانی دورے کئے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی ہدایت پر مختلف جماعتوں کے قائدین سے مذاکرات کئے اور رابطہ قائم رکھا۔ حضرت مولانا خدا بخش اول و آخر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پرخلوص مبلغ تھے، انہیں بعض دینی جماعتوں میں اعلیٰ عہدے کے پیشکش بھی ہوئی لیکن وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تادم زیست وابستہ رہے۔

حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ شوگر کے مریض تھے، بیماری اور کمزوری کے باوجود سفر اور جماعتی پروگراموں میں شرکت کرتے رہے۔ جب بیماری نے زور پکڑا تو حضرت مولانا مرحوم گھر جانے کے بجائے ملتان دفتر مرکزیہ میں بیٹھ کر جماعتی امور سرانجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا خدا بخش متین، فطین، ہنس مکھ، بامروت، مہمان نواز، ہمدرد، غمگسار اور انتہائی شفیق انسان تھے، انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جونیئر مبلغین کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی مشفقانہ ہوتا۔ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ایک منجھے ہوئے مبلغ اور مناظر سے محروم ہوگئی ہے۔ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ بے لوث مخلص، ایمان دار اور پیہم جدوجہد کرنے والے مبلغ تھے۔ حضرت مولانا خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ آنے والے مبلغین کے لئے ایک نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

(ماہنامہ: ''لولاک'' نومبر ۲۰۰۵ء)

مولانا مفتی فقیر اللہ اثریؒ

(وفات: ۲۰ رجنوری ۲۰۰۶ء)

مولانا مفتی فقیر اللہؒ نے 1941ء کو ہندوستان کے مردم خیز خطہ ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر کے ایک مضافاتی گاؤں ''ہر دو سنگے'' میں ایک نہایت ہی متقی دین دار خدا ترس اور صوم وصلاۃ پابند مگر غریب گھرانے میں آنکھ کھولی آپ کے والد ماجد جناب بابا عبدالحق صاحبؒ پیشے کے اعتبار سے اگر چہ مزدور تھے مگر اس دور کے اکابر اور صلحاً کے ساتھ اُنھیں والہانہ عقیدت ومحبت کا تعلق تھا آپ کا اصلاح تعلق خانوادہ رائے پور کے چشم و چراغ حضرت مولانا عبدالعزیز چک 11۔ایل چیچہ وطنی کے ساتھ تھا ان کی محبت وعقید اور خدمت و تعلق کی برکت تھی کہ شروع سے ہی آپ دین وشریعت کے پابند اور تقویٰ وطہارت سے متصف تھے دعاؤں، تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد جب بابا عبدالحق صاحب کے ہاں پہلے بیٹے کی ولادت ہوئی اس دور کے مشہور مجذوب صفت، درویش منش بزرگ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے فیض یافتہ جناب سائیں طور شاہؒ کی تجویز اور جامعہ رشیدیہ رائے پور گجراں کے بانی و مہتمم نامور عالم دین اور فرشتہ صفت بزرگ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ کے مشورہ سے نومولود کا نام فقیر اللہ تجویز کیا گیا۔

تقسیم ملک کے بعد آپ کے والد ماجدؒ نے رائے پور سے ہجرت فرما کر ماموں کانجن میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

مزاج سادگی، عجز و نیاز اور تواضع حد درجہ کی تھی ان کے کسی قول و فعل اور عمل سے محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اتنے بڑے عالم دین اور محقق مصنف ہیں کسی مجلس میں امتیازی نشست کے روادار نہ تھے حتیٰ کہ اگر کسی جلسہ میں تشریف لے جاتے تو اسٹیج کی بجائے عوام میں بیٹھے کو ترجیح دیتے اُنھیں شہرت ونا موری کے بجائے عزلت و کنج نشینی زیادہ محبوب تھی۔ دوستوں کے دوست اور حد درجہ مہمان

نواز تھے حرمین سے عشق کی حد تک تعلق تھا۔ علماٗ صلحاٗ کے قدر دان تھے اہل حق کی تمام دینی جماعتوں اور ان کے کارکنوں کے قدر دان تھے مگر اُنھوں نے کبھی کسی عہدہ اور منصب کی خواہش نہیں کی، دینی طلبہ کو اپنی اولاد سمجھتے اور ان کی ضرورت کو اپنی اولاد کی ضروریات پر ترجیح دیتے تھے۔

موصوف جب مطالعہ کتب میں مصروف ہوتے تو اُنھیں اردگرد کے ماحول سے کوئی سروکار نہ ہوتا خصوصاً جب تصنیفی کام میں مشغول ہوتے تو ان کے سامنے کتابوں کا ڈھیر ہوتا وہ کبھی کوئی کتاب کھولتے تو کبھی کوئی!

اُنھیں جب ان کا مطلوبہ حوالہ کسی کتاب سے مل جاتا تو ان کی مسرت دیدنی ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان کو افہام وتفہیم کا بے پناہ ملکہ عطا فرمایا تھا چنانچہ ان کی درسگاہ میں کند ذہن طلبہ بھی سبق سمجھ کر اُٹھتے، وہ مشکل سے مشکل کتاب کو اس قدر سادہ اور عام فہم انداز میں سمجھاتے کہ اکثر طلبہ درس گاہ سے ہی سبق یاد کر کے اُٹھتے کھانے پینے میں حد درجہ محتاط تھے مشتبہ غذا سے پرہیز فرماتے۔

مدرسہ سے ملنے والے مشاہرہ کا نصف بھی واپس مدرسہ کے خزانہ میں جمع کرا دیتے جبکہ مدرسہ سے کھانے کی رقم الگ سے جمع کراتے۔ شرم وحیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ فحش گوئی و بدگوئی سے حد درجہ احتیاط فرماتے شعائر اسلام کی پاسداری کے علاوہ کسی مسلمان کی توہین وتضحیک کے بھی روادار نہ تھے۔

ان کے برادر خورد جناب حافظ حبیب اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''ان کے شرم وحیا کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے بچوں تک کے سامنے کرتا نہیں اتارتے تھے راقم نے ان کی جوانی کا دور بھی دیکھا ہے اور ان کے کبڈی کھیلنے کا دور بھی مگر اُنھوں نے ہمیشہ شرعی حدود کی پاسداری کا خیال رکھا اور ناف سے گھٹنوں تک کا پاجامہ پہن کر ہی ہمیشہ کھیل کھیلا اسی طرح جوانی میں ورزش گتکا وغیرہ کے دوران بھی وہ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے۔ غرض کھیل کا میدان ہو یا علم وتحقیق کا مناظرہ ہو یا مباحثہ اُنھوں نے کبھی شائستگی کا دامن نہیں چھوڑا۔

وہ ہمیشہ سنجیدہ، متین اور بامقصد گفتگو فرماتے۔ البتہ گاہے بگاہے علمی لطائف اور مناظرانہ انداز واسلوب اور مخالفین کی بے بسی کے واقعات پرلطف انداز میں سنایا کرتے۔

20 رجنوری 2006ء جمعرات کی شام کو عشا کی نماز کے بعد بھی وہ اسی طرح اپنے دوستوں کے ہمراہ رات 12 بجے تک اسی طرح کی علمی موشگافیوں اور لطائف میں مصروف رہے

صبح باجماعت فجر کی نماز ادا فرمائی اور کچھ دیر اسم ذات کا ذکر فرمایا تقریباً سات بجے کے قریب ان کے تلامذہ ناشتہ لائے ناشتہ سے فراغت کے بعد تقریباً نو بجے کے قریب پیٹ میں درد کی شکایت ہوئی اور آپ کو الٹی ہوگئی جس میں کچھ خون کی آمیزش تھی، قے سے طبیعت کا بھاری پن کسی قدر کم ہوا تو لیٹ گئے۔ اچانک گیارہ بجے سینہ میں شدید درد اٹھا تو نہایت ہی زوردار آواز سے دوبار لفظ اللہ، اللہ نکلا اور پھر آپ بے ہوش ہوگئے اور اسی بے ہوشی کے عالم میں حرکت قلب بند ہوگئی اور آپ کی روح اس قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

یوں موصوف اپنے کمرہ اور درس گاہ میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملے دراصل ان دنوں حضرت مولانا مرحوم اپنے آبائی اور قائم کردہ دینی درس گاہ جامعہ حقانیہ سے دور جامعہ فاروقیہ مانگا منڈی لاہور کے مدیر جناب مولا مفتی سید امجد حسین مدظلہ کے اصرار پر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمت پر مامور تھے اور یہاں ہی حالت مسافرت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مولانا موصوف کی وفات کی خبر آناً فاناً پھیل گئی مرحوم کے متعلقین واعزہ کو اس کی اطلاع دی گئی خیال تھا کہ جلد از جلد تکفین وتجہیز کے مراحل طے کرکے اُنھیں ان کی آخری منزل تک پہنچا دیا جائے چنانچہ جیسے ہی ان کی تجہیز وتکفین کی تیاری شروع ہوئی تو آسمان پر بادل چھاگئے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی پھنوار بھی شروع ہوگئی موسم بالکل خوشگوار ہوگیا چونکہ مولانا موصوف کی خواہش اور وصیت تھی کہ ان کو کسی بند کمرہ میں یا مسقف جگہ پر غسل دیا جائے اور غسل و کفن میں بھی علماً وصلحاً حضرات ہی شریک ہوں چنانچہ ان کی خوش نصیبی کہیے یا کرامت کہ بارش کی وجہ سے چھت کے نیچے ہی ان کے غسل کا انتظام ہوا اور علماً صلحاً نے ان کے غسل کی سعادت حاصل کی اور غسل وکفن کے بعد جامعہ فاروقیہ کے سبزہ زار میں پہلا جنازہ ہوا جس میں مدرسہ کے اساتذہ طلبہ اور عام مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

شام ساڑھے چھ بجے کے قریب مرحوم کے جسد خاکی کو ایمبولینس کے ذریعہ ماموں کانجن لے جایا گیا رات دس بجے جب میت ماموں کانجن پہنچی تو علماً طلبہ اور عوام الناس کا ایک جم غفیر جمع ہوچکا تھا، رات بھر آپ کے جسد خاکی کو زیارت کے لئے رکھ دیا گیا، اگلے دن صبح دس بجے کے قریب دوسرا جنازہ ہوا اور مرحوم کو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کردیا گیا۔

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ وادخلہ الجنۃ.

فدائے ملت

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

(وفات: ۶رفروری ۲۰۰۶ء)

پیدائش

۴/یا ۶ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ۔ ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ اسلامی علوم و ثقافت کے مرکز دیوبند میں آپ پیدا ہوئے والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ نے اسی سال محرم الحرام میں ایشیا کی سب سے عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس کو رونق بخشی تھی۔

تعمیر حیات

ابتدائی تربیت والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت میں پائی، مگر ابھی عمر کی نو بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ والدہ ماجدہ اس گلستان خزاں آباد کو چھوڑ کر خدائے رب العزت کی نوازشوں کی جنت خلد کو سدھار گئیں، اس کے بعد تعلیم و تربیت کے سارے مراحل والد بزرگوار کے خادم خاص وخلیفہ قاری اصغر علی سہسپوری رحمہ اللہ کی زیر نگرانی طے ہوئے، جنہیں بچوں کی تربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی ابتداء سے انتہاء تک ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے علاوہ حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی، شیخ المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی، حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری، حضرت مولانا جلیل احمد

کیرانوی خادم خاص حضرت شیخ الہند وغیرہم جیسے نابغہ عصر سے درسیات کی تکمیل کر کے ۱۳۶۵ھ۔ ۱۹۴۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم کتاب وسنت سے فراغت کے بعد پورے طور پر یکسو ہو کر سلوک واحسان کی تحصیل میں منہمک ہو گئے اور والد ماجد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ان کی زیر تربیت اس راہ کی منزلیں طے کیں، اس کے لئے حضرت شیخ الاسلام نے انہیں مدینہ منورہ بھیجا کیونکہ اس ارض مقدس میں ذکر واذکار اور عبادت الٰہی کی برکت وتاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اس دو سالہ قیام کے دوران آپ حضرت شیخ الاسلام کی حسب ہدایت پابندی کے ساتھ مسجد نبوی بالخصوص مواجہہ شریفہ میں ذکر واذکار میں مصروف رہتے، پابندی اوقات کے ساتھ یہ سلسلہ پورے دو سال تک جاری رہا، اس راہ کے اہل بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدت میں انہیں بارگاہ ہدایت سے کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوئی ہوں گی۔ بارگاہ نبوت میں اس دو سالہ حاضری وقیام کے بعد کندن بن کر واپس وطن لوٹے، اور ہمہ تن حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لگ گئے، سفر وحضر میں ساتھ رہتے اور اس طرح والہانہ ہر خدمت بجالاتے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا۔ حضرات علما ومشائخ کی اولاد میں یہ سعادت بطور خاص انہیں کو حاصل ہے ورنہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اولاد کے بجائے اس سعادت سے تلامذہ ومریدین ہی بہرہ ور ہوتے ہیں، اس طرح لائق بیٹے نے والد ماجد کے اکثر کمالات خصوصیات اپنے اندر جذب کر لیں حتیٰ کہ رفتار وگفتار بلکہ زندگی کی عام روش میں ان کا نمونہ اور فیوض وبرکات کا سچا وارث بن گیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشدہ

حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ کی خوش بختی تھی کہ حضرت الامام مدنیؒ کے چشمہ علم وعرفان سے جہاں اوروں نے اپنی بساط اور ظرف کے مطابق شراب طہور کے جام بھرے۔ آپ نے خم کے خم لنڈھائے، مگر نہ تو مست ہوئے نہ کسی کو خبر ہوئی۔ اس کا پتہ تبھی چلا جب انہوں نے خود کو علمی اور اصلاحی میدان میں اپنے والد کا نعم البدل ثابت کر دکھایا۔ خدمت اور صرف خدمت اس مدنی زادے کی نس نس میں بسی ہوئی تھی، اپنے والد کی قیادت میں صاحبزادہ بننے کے بجائے خادم زادہ بن کر رہے اور اس کے بعد بھی خادم ہی کی حیثیت سے عمر بتا دی۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد سیاست میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے شانے سے شانہ ملا کر چلتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد جمعیت علمائے ہند کے امیر چنے گئے اور ہندوستان میں مسلم حقوق کے سب سے بڑے علمبردار، محافظ اور پشتیبان کے طور اپنے آپ کو منوایا۔ ۱۹۶۷ء میں پہلی بار بھارتی لوک سبھا (قومی اسمبلی) کے ممبر منتخب ہوئے اور تھوڑے سے وقفہ کے استثناء کے سوا عمر بھر رکن پارلیمنٹ منتخب ہوتے رہے۔ وہ طویل سیاسی اور پارلیمانی تجربہ رکھتے تھے اور پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مسلمانوں کی سب سے مضبوط آواز سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمان جس حال میں اور جس حیثیت مین بس اور جی رہے ہیں، اس حال میں ان کے قومی تشخص کو منوانے کے لئے آپؒ عمر بھر شب وروز سرگرم عمل رہے۔ ہمہ وقت مسلمانان ہند کی خدمت اوران کے وجود وشعائر کا تحفظ مولانا اسعد مدنیؒ کا شعار رہا۔ مسلمانوں کے دینی ودنیوی مدارس وکالجز، اوقاف واملاک کا تحفظ اور ملازمتوں میں بلحاظ آبادی نمائندگی کو یقینی بنانا ان کی نمایاں خدمات ہیں، مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلم فنڈ کا قیام ہے جو انہوں نے انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ شروع کیا تھا، مگر آج مسلمانان ہند کا سب سے بڑا اور موثر مالی ادارہ ہے جو ان کو تجارت وکاروبار کے لئے بلاسود قرضے دیتا ہے، مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدرسوں میں زیر تعلیم طالب علموں کو وظائف دیتا ہے۔ غریب ومسکین اور بے بس مسلمانوں کو ماہانہ وظیفے جاری کیے ہیں اور حقدار مسلمانوں کی بچیوں کی شادی اور بے گھروں کیلئے مکانات کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

چنانچہ بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مسلم فنڈ سے کروڑوں مسلمان مستفید ہوئے اور ہورہے ہیں۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ تاوفات دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنو، جامعہ ملیہ دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجالس شوریٰ کے رکن، آل انڈیا شریعت بورڈ، مؤتمر عالم اسلام کے ممبر، جمعیت علماء ہند کے امیر اور دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم کی موتمر کے صدر رہے۔ اس کے علاوہ لاکھوں طالبان حق کے مرشد ومرجع بھی تھے۔ آسام سے پنجاب اور دامن ہمالیہ سے بحر ہند کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے ملک ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں مسلمان ان کے دامن معرفت سے وابستہ تھے اور وہ اپنے حلقہ ارادت کے لوگوں کی عملی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے مسلسل سفر میں رہتے۔ دین متین کی دعوت وتبلیغ کے کام میں ہمیشہ مستعد رہتے۔ وہ فی الواقع

آسمان ہند تلے سرمایہ ملت کے نگہبان بن کر زندہ رہے اور اسی حیثیت میں انتقال فرمایا۔

مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ علم و عرفان کی جن منزلوں پر تھے، اپنے والد کی زندگی میں کسی کو نظر ہی نہ آتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں اسباق کے بعد جو وقت بچتا وہ حضرت مدنیؒ اور ان کے مہمانوں کی خدمت میں گزرتا، مگر دسمبر ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد مدنی سلسلہ کے شیوخ طریقت نے جب اصلاح و تربیت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا، تب وہ عمر کی صرف تیس بہاریں ہی دیکھ پائے تھے اور ظاہر ہے کہ تیس سال کی عمر میں اپنی اصلاح تو کی جاسکتی ہے، مگر ہزاروں لاکھوں مریدوں کو سنبھالنا عمر خضر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس میدان میں علم سے کہیں زیادہ تجربہ اور مشاہدہ کام دیتا ہے۔ مگر مولانا محمد اسعدؒ نے یہ کام بھی کر دکھایا اور سہلٹ سے خیبر تک پھیلے ہوئے لاکھوں مریدان مدنیؒ کی اصلاح و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا اور عمر بھر دیا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ہزاروں لاکھوں مرید و عقیدت مندوں کے مسکن پاکستان کے کئی اسفار کیے۔ لاہور کا جامعہ مدنیہ جہاں حضرت شیخ الاسلامؒ کے سلسلہ طریقت میں مجاز مولانا سید حامد میاںؒ اپنا چراغ جلائے ہوئے تھے، مولانا سید اسعدؒ مدنی نے پاکستان میں اسی جامعہ کو اپنا مستقر بنایا اور ہزاروں "مدنی" یہاں آکر ان سے اصلاح لیتے تھے۔

حضرت فدائے ملت کے میدان عمل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کے چند جلی عنوان یہ ہیں:

تبلیغ دین، بیعت و ارشاد، اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت، مکاتب و مدارس کے قیام و بقاء کی جدوجہد، اصلاح معاشرہ، معاشی و اقتصادی ترقی، ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی، ملک کے جمہوری و سیکولر کردار کی حفاظت، متحدہ قومیت کا فروغ، آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کے آئینی حقوق کی حفاظت وغیرہ اور ان سب میدانوں میں انہوں نے اپنی حوصلہ مندیوں، بے پناہ جدوجہد، اور فراست و حکمت اور قربانی و جانسپاری کے ایسے روشن نقوش چھوڑے ہیں جن سے زمانہ ایک عرصہ تک روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

ظاہر ہے ان عنوانات میں سے ہر عنوان بجائے خود ایک دفتر کا طالب گار ہے۔ اور خود حضرت مولانا سے اپنی طویل وابستگی کی بناء پر ان سے متعلق اپنی معلومات میں جو وسعت ہے آہ کہ وہ کاغذ کے صفحات میں نہیں ہے۔

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

عادات وخصائل

تواضع وانکساری ان کی سرشت میں داخل تھی حتیٰ کہ اپنے مریدین ومستفیدین کی خصوص مجلسوں میں بھی اپنی نشست گاہ میں کسی امتیاز کو پسند نہیں کرتے تھے، اسفار میں یہ صفت مزید نمایاں ہوجاتی تھی اور رفقائے سفر وخدام کے ساتھ ایسا حسن سلوک وبے نفسی کا معاملہ کرتے تھے کہ خدام کو اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل ہوجاتا تھا۔ تحمل وقوت برداشت اس درجہ کی تھی کہ سنگین سے سنگین حالات میں بھی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ پیش آمدہ مسائل میں مشورہ سے گریز نہیں کرتے تھے مگر مشورہ کے بعد جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر اس قدر مضبوطی سے قائم رہتے تھے کہ اس کے مقابل دوسری بات کا سننا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ تصنع وتکلف سے طبعی طور پر نفور تھا، سادگی وبے تکلفی گویا عادت ثانیہ تھی، مشاغل ومصروفیات کے بے پناہ ہجوم کے عالم میں بھی جب نماز میں رب کائنات کے حضور کھڑے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کائنات سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مجاہدہ وریاضت اور محنت ومشقت ان کی طبیعت بن گئی تھی، نیند پر اس قدر قابو یافتہ تھے جب چاہتے سوجاتے اور جب چاہتے بیدار ہوجاتے، اکیلے پلیٹ میں کھانا پسند نہیں تھا اس لئے عام مہمانوں کے ساتھ ایک ہی تھال میں عام طور پر کھانا تناول فرماتے تھے دوسروں کے دستر خوان پر بھی اپنے پلیٹ میں کسی کو شریک کرلیا کرتے تھے۔

آشنا ناآشنا اپنے اور پرائے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، اخبارات دیکھنے کی عادت نہیں تھی البتہ علمی ودینی رسائل وجرائد کا مطالعہ بوقت فرصت کرتے تھے۔ طبعاً کم سخن تھے لیکن بوقت ضرورت اپنی بات کو بڑی تفصیل سے پیش کرتے تھے۔ وعظ وتقریر میں عام طور پر آسان وسہل الفاظ استعمال کرتے تھے، سوگر کے موذی مرض نے اگرچہ بالکل نڈھال کردیا تھا تاہم ان میں ہمت ایسی تھی جو جوانوں کو شرماتی تھی۔

آہ کہ یہ پیکر خوبی اور ملت کا لعل شب چراغ گم ہوگیا کہ اب اس دنیا میں ہم اسے کبھی نہ پاسکیں گے۔

دل میں یاد غم جاوداں رہ گئی
جانے والا گیا داستاں رہ گئی

۱۹۶۸ء میں ''شبستان'' اردو ڈائجسٹ نے امیر الہند کا انٹرویو لیا؛ ریاستی، ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر، موجودہ حالات اور مسلم دنیا کے لائحہ عمل پر، آخر میں اس نے دریافت کیا کہ ان تمام سے آپ کا منتہائے مقصد اور سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ایمان پر خاتمہ

درویشی، چلہ کشی، مجاہدات، ریاضات، بیعت و ارشاد تمام کا مقصد یہی استحضار ہی تو ہے؟ اللہ نے اپنے اس مقبول بندہ کی اس آرزو کی لاج کیسے رکھی یہ خود انہیں کے صاحبزادہ اور جانشیں مولانا محمود مدنی سے سنتے جایئے۔

''والد محترم پچھلے تین ماہ سے اپولو ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں زیر علاج تھے جب انہیں ہوش نہیں آیا تو ڈاکٹروں کے پینل نے دماغ کے آپریشن کو ضروری سمجھا اس آپریشن کے بعد کیفیت میں معمولی بہتری آئی، ۶ فروری کو اچانک ان کے ہونٹوں نے حرکت کی انہوں نے آنکھ بھی کھولی، پہلے انہوں نے آہستہ آہستہ اللہ اللہ کی تسبیح شروع کی اور آہستہ آہستہ آواز وہاں پر موجود پھوپھو صاحبہ کی سماعت تک پہنچی تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا، پھوپھو صاحبہ نے فرمایا کہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں حاضر دے رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً دیگر خاندان والوں کو بلانے کی ہدایت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سیکنڈ بعد ان کی روح پرواز کر گئی، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسی موت ہمیں بھی عطا کرے''۔ (ویو ٹائمز نئی دہلی) مخلوق کے لئے جس خدا کے بندہ نے اپنی ساری زندگی لٹائی ہو، جذبات کو تج دیا ہو، خواہشات کو قربان کیا ہو، خالق اپنے اس محبوب کی آرزو کیوں پوری نہ کرتا؟۔

خوش نصیب قبر! خوش ہو کہ تجھ میں آرام پانے کے لئے اللہ کے دین کا دلیر اور باہمت سپاہی آرہا ہے، وہ حسن مردانہ کا نمونہ، غریبوں کا سہارا تھا، بے کسوں کو والی تھا ملت کا پشت پناہ اور ایک دین دار گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔

اس عظیم قائد نے سرگرم جوش عمل سے مردوں کو جلا دیا، خوابیدہ دلوں میں اسلامی اور ملی روح پھونک دی، کتنوں کو گمنام کے قعر سے گھسیٹ کر بام شہرت پر لے آئے کتنوں کے نام چمکا دئے کتنے بے کسوں اور بے بسوں کی فریاد رسی کی، فلک کج رفتار کو اس کی یہ ہمتائی نہ بھائی، بعض

اپنوں اور پرایوں نے مخالفت کی ٹھان لی، وہ ایک ہمت کا دھنی، عزم وحوصلہ کا پیکر، کسی سے ہار نہ مانا، تن تنہا سب سے مقابلہ کرتا رہا، حالات سے ٹکر لیتا رہا، عمر کی ستہتر (۷۷) منزلیں طے کر کے آخرت کو سدھارا، دنیا اس کی جرأت داد دیتی رہے گی اور نسلیں اس کے عزم وفرض شناسی کی بلائیں لیتی رہیں گی!۔

انتقال کے بعد تقریباً ۸ بجے شب کو مرحوم کے جسد خاکی کو ہسپتال سے جمعیت علماء ہند کے صدر دفتر مسجد عبد النبی، بہادر شاہ ظفر مارگ، آئی ٹی او، دہلی لایا گیا، جہاں تقریباً دو گھنٹے تک ہزاروں عقیدت مندوں اور عظیم سیاسی رہنماؤں نے آخری دیدار کیا اور گلہائے عقیدت پیش کیے، جن میں ملک کے موجودہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، کانگریس کی صدر سونیا گاندھی، شیلا دکشت (وزیر اعلیٰ دہلی) راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئرپرسن کے رحمٰن خان، ریلوے کے وزیر لالو پرساد اور شاہی جامع مسجد دہلی کے امام مولانا سید احمد بخاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دہلی سے دیوبند

پھر تقریباً ساڑھے دس بجے آپ کی نعش مبارک کو دہلی سے دیوبند ایک عظیم قافلے کی معیت میں روانہ کیا گیا اور جمعیت کی نجی ایمبولینس میں رکھ کر ۲:۳۰ پر دیوبند پہنچے۔ جہاں پہلے سے مرحوم کے ہزاروں عقیدت مند دیدار کی تڑپ لیے موجود تھے۔ جگہ جگہ انتظامی سہولت کے پیش نظر پروگرام کی اطلاع اور امن وسنجیدگی کا ماحول بنائے رکھنے کے لئے مائک لگائے گئے تھے۔ دیوبند میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی وسیع دارالحدیث میں رکھا گیا، جہاں ہزاروں لوگوں نے اپنی طاقت کا استعمال کر کے مرحوم کا آخری دیدار کیا۔ مجمع کی کثرت اور دیدار میں بدنظمی کے سبب ہزاروں لوگ دیدار سے محروم رہے۔ اسی بھیڑ بھاڑ اور بدنظمی میں تقریباً دو گھنٹے کے عام دیدار کے بعد جنازہ دارالحدیث سے نکال کر باہر صحن میں فوارے کے قریب باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا اور نماز جنازہ کی تیاری کا اعلان کر دیا گیا۔

نماز جنازہ

نماز جنازہ کے لئے صفوں کی ترتیب و درستگی کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے صاحبزادے، مشہور صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب

کاندھلوی (سرپرست اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) کا نام لے کر مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا سید ارشد مدنی نے اعلان کیا کہ مولانا محمد طلحہ حضرت مدنیؒ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ مولانا جہاں تشریف فرما ہوں آگے تشریف لے آئیں۔ کثرت ازدہام کی وجہ سے مولانا کو جنازے تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ ادھر سورج طلوع ہو رہا تھا، اس وجہ سے مولانا طلحہ کے پہنچنے کے ۵ منٹ بعد تک طلوع آفتاب کا انتظار کیا گیا اور جیسے ہی طلوع آفتاب کے بعد مکروہ وقت ختم ہوا، ویسے ہی مرحوم کے اولیاء مولانا سید ارشد مدنی اور بڑے بیٹے مولانا سید محمود مدنی نے مولانا طلحہ کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی، چنانچہ مولانا محمد طلحہ صاحب نے ۷:۲۰ بجے بھرائی ہوئی آواز اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ "اللہ اکبر" کی صدا لگاتے ہوئے نماز جنازہ شروع فرمادی اور چند ہی لمحوں میں نماز کی تکمیل ہوگئی۔

تدفین

نماز جنازہ کے بعد دارالعلوم کے مدنی گیٹ سے جنازے کو "مزار قاسمی" کی طرف لے جایا گیا۔ یہ وہی مقبرہ ہے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری طیبؒ آرام فرما ہیں۔ مزار قاسمی کی مسافت دارالحدیث دارالعلوم سے پیادہ پا بمشکل تمام ۵ منٹ کی ہے، مگر عقیدت مندوں کی کثرت اور غم سے بوجھل قدموں کے سبب یہ معمولی مسافت تقریباً ایک گھنٹے میں طے ہوئی اور ۸:۲۰ بجے قبر مبارک میں اُتارا گیا۔

آپ کی قبر آپ کے والد بزرگوار شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بالکل پہلو میں تیار کی گئی ہے اور ان سے بالکل متصل ان کے استاذ گرامی شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ آرام فرما ہیں۔ تدفین کے موقع پر ضلع سہارنپور کی پولیس انتظامیہ کے اعلیٰ افسران پولیس فورس کے ساتھ موجود تھے، جنھوں نے مولانا مرحوم کو سرکاری اعزاز کے ساتھ "گارڈ آف آنرز" پیش کیا اور یوپی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی طرف سے یوپی کے ریاستی وزیر جناب شاہد منظور نے شرکت کر کے گلہائے عقیدت پیش کیے۔ اس کے بعد جذبے سے معمور لوگوں نے اپنی طاقت و جسامت کا استعمال کر کے نحیف و کمزور انسانوں کو دھکیلتے ہوئے مولانا کی قبر پر "منھا خلقنا کم" کے ورد کے ساتھ مٹی چڑھانی شروع کر دی اور کمزور لوگ کھڑے اپنی بے بسی پر کف افسوس ملتے رہے،

بھیڑ کے چھٹ جانے اور عمل تدفین کی تکمیل کے بعد بھی ارادت مند دور دراز سے آتے رہے اور حصول ثواب وسعادت کے لئے قبر ہی سے مٹی اٹھا کر دوبارہ قبر پر ڈالتے رہے اور یہ عمل تقریباً پورے دن جاری رہا اور قوم وملت کا بے لوث خادم جو ہمیشہ دوسروں پر احسان کرتا رہا اور خود احسان لینے سے باز رہا، آج احسان مند کی خاموش تصویر بنا رہا، شاید اس خادم ملت ومحسن قوم کی روح قبر پر مٹی ڈالنے والوں کے احسان کا ان الفاظ میں اقرار واعتراف کر رہی ہو۔

شوق سے مٹھیاں بھر بھر کے مجھے مٹی دی
آج تو لاد دیا آپ نے احسانوں سے

واضح ہو کہ تدفین کے بعد دوپہر تقریباً دو بجے پاکستان کی قومی اسمبلی کا سولہ رکنی وفد، قومی اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر اور جمعیت علماء اسلام (پاکستان) کے صدر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں دیوبند پہنچا، جس میں آٹھ (۸) ایم پی اے اور سات ایم این اے موجود تھے، اور مرحوم کے اہل خانہ سے ۴ بجے ملاقات کر کے اپنی اور اپنے ملک پاکستان کی طرف سے تعزیت کا اظہار کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تقسیم (۱۹۴۷ء) کے بعد اب تک کسی بھی سیاسی ومذہبی رہنما کی وفات پر پاکستان سے اتنا عظیم وفد نہیں آیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملک وبیرون ملک کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے نماز جنازہ اور آپ کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ اس سے مولانا مرحوم کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ صرف ہند میں ہی ''سرمایہ ملت کے نگہباں'' نہ تھے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے ''میر کارواں'' اور ساتھ ہی ''میدان سیاست کے عظیم شہسوار تھے''۔

دار العلوم دیوبند کے ایک ممتاز استاذ مولانا محمد سلمان نے فرمایا اور بالکل بجا فرمایا:

''یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک اُمت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں، پوری ملت کا ہے۔ حادثہ صرف اہل مذہب کا نہیں، اہل سیاست کا بھی ہے اور یہ حادثہ صرف مسلمانوں کا نہیں، پورے وطن عزیز کا ہے''۔

قوم وملت کا روحانی طبیب اور ملت کے روحانی مریضوں کو دوائے دل اور شفائے قلب عطا کرنے والا حکیم ہم سے رخصت ہو گیا۔ اب بظاہر کوئی ایسا حکیم وطبیب نظر نہیں آتا جو اس خلا کو پُر کر سکے۔ اس کرب ویاس کی اضطرابی کیفیت میں ملت کے ہر فرد کی دلی صدا اس کے علاوہ اور کیا

ہوسکتی ہے۔

سنے کون ہائے صدائے دل' ملے آہ کس سے شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

شیخ الاسلامؒ کے برابر اسعد مدنیؒ کی قبر

یہ جان کر مولانا اسعد مدنیؒ کے اہل خاندان کو حیرت ہوئی کہ ایک برگزیدہ شخصیت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے برابر میں ایک مصنوعی قبر کی مدتوں سے دیکھ بھال کرا رہے تھے۔

ہوا یوں کہ جیسے ہی امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ کے انتقال کی خبر دیوبند پہنچی تو قبر کی جگہ طے کرنے کے لئے کئی لوگ قبرستان پہنچے۔ کچھ دیر بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مزار کے برابر میں بنی قبر کو ہٹایا جانے لگا تو کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ کسی کی قبر کو گرانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر قبرستان کے چوکیدار نے بتایا کہ جو قبر گرائی یا ہٹائی جارہی ہے، وہ مصنوعی قبر ہے جس کی دیکھ بھال کے لئے شیخ الاسلام کے خلیفہ مولانا محمود احمد ۱۲۰ روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ جب چوکیدار کی بات پر لوگوں کو تسلی نہ ہوئی تو مولانا محمود احمد نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ بہت پہلے سے محفوظ تھی اور اسی لئے وہاں پر قبر کی شکل دے دی گئی تھی تا کہ وقتِ ضرورت کام آسکے۔ اس کے بعد قبر کی تیاری شروع کی گئی، تدفین فجر کی نماز کے فوراً بعد طے ہوئی تھی، مگر جم غفیر کی وجہ سے تدفین ۹ بجے عمل میں آئی، کئی روز گذر جانے کے بعد بھی مولانا اسعد مدنیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا سلسلہ لگاتار جاری ہے۔ (یادگار مجلہ دہلی ص ۶۰)

فقیہ العصر

حضرت مفتی عبدالستارؒ

(وفات: ۸؍جولائی ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ نے 1930ء میں فیصل آباد کے مضافات میں ایک دین دار گھرانے میں آنکھ کھولی ابتدائی تعلیم اور حفظ و ناظرہ کی تکمیل مقامی طور پر ہوئی۔ درس نظامی کے لیے آپ نے ابتدائی سکندر نامہ صرف ونحو سے لے کر کافیہ کنز الدقائق، اصول الشاشی، ہدایہ، شرح وقایہ، مختصر المعانی، دیوان حماسہ اور متنبی تک کی تعلیم مکمل فرمائی۔ مدرسہ اشاعت العلوم کے شفیق اساتذہ میں سے حضرت مولانا غلام فریدؒ چونکہ خیر المدارس کے قدیم فضلاء میں سے تھے اُنھوں نے نہایت محبت شفقت اور محنت سے آپؒ کو دو سالوں میں اتنی کتابیں پڑھا دیں کہ جب سالانہ امتحان کے لیے حضرت مولانا محمد انوریؒ نور اللہ مرقدہ امتحان لینے آئے تو نہایت تعجب کا اظہار فرمایا کہ اس قدر مختصر عرصہ میں اتنی ساری کتب کیسے مکمل ہوگئیں؟ بہرحال اس میں جہاں حضرات اساتذہ کا خلوص و اخلاص شامل تھا وہاں ہونہار شاگرد کے اخذ و استفادہ کا بڑا دخل تھا۔

آپ نے بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف حضرت کامل پوریؒ سے صحیح مسلم اور ابوداؤد شریف حضرت بنوریؒ سے بخاری شریف ثانی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ سے پڑھ کر آپ نے 1370ھ میں درس نظامی سے فاتحہ فراغ پڑھا۔ بلاشبہ چار سالہ مختصر مدت میں بالاستیعاب درس نظامی کی تکمیل آپ کی ذکاوت و ذہانت خداداد حفظ و اتقان اور بے مثال صلاحیت کی واضح دلیل ہے۔

دورہ حدیث شریف کے بعد آپ نے تکمیل کے لیے دوبارہ خیر المدارس میں داخلہ لینا چاہا تو اب مشکل مرحلہ یہ تھا کہ دورہ حدیث کے لیے خیر المدارس کو چھوڑ کر جانے کے بعد دوبارہ

خیر المدارس میں کس طرح داخلہ لیا جائے؟ یا کیونکر مل سکے گا؟ بہر حال یہاں بھی حضرت مفتی صاحب کی ذہانت وذکاوت۔ کے علاوہ ان کی سلامتیٔ طبع اور عجز ونیاز نے کام دکھلایا۔ چنانچہ خیر المدارس ملتان سے ٹنڈوالہ یار اور وہاں سے دوبارہ خیر المدارس منتقلی کی۔

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد آئندہ سال ۱۳۷۰ھ میں آپ نے پھر اپنی مادر علمی خیر المدارس کا رخ کیا اور تکمیل کے اسباق پڑھے اس دور کی تکمیل اور اس دور کے تخصص میں آپؒ نے قاضی مبارک شمس بازغہ، حمد اللہ، صدرا، میر زاہد اور عقود رسم المفتی وغیرہ کتب حضرت مولانا جمال الدینؒ، حضرت مولانا محمد نورؒ اور حضرت مولانا بابا غلام محمدؒ ایسے اکابر اور اصحاب علم وفضل سے مکمل فرما کر اپنی علمی پیاس بجھائی اور اس دور کی تکمیل اور حالیہ دور کا تخصص کر کے کامل اور عالم وفاضل قرار پائے۔

تکمیل علوم کے بعد آپؒ کے اساتذہ نے آپ کو ادھر ادھر دیکھنے کی بجائے اپنے سایۂ عاطفت وسرپرستی میں لے لیا۔ شروع میں زاہد وقت حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ نے آپ کو اپنے ادارہ ''نشر واشاعت اسلامیات میں جوڑ لیا اور انہی کی برکت سے خیر المدارس میں جز وقتی تقرر ہوا ابتدائی اسباق سے بتدریج بخاری شریف تدریسی ترقی ہوئی ویسے تو بنیادی طور پر 1370ھ سے ہی آپؒ کا خیر المدارس کے دارالافتاء سے انسلاک ہوگیا تھا جبکہ 1395ھ سے آپ صدارت دارالافتاء کے منصب پر فائز ہوگئے تھے گویا 1370 سے 1472ھ تک پورے 58 سال تک آپ فقہ وفتویٰ کے عالی منصب پر فائز رہے اس دوران بلا مبالغہ ہزاروں علمی اور تحقیقی فتاویٰ آپ کے قلم صداقت رقم سے صادر ہوئے یہی وجہ ہے کہ فقہ وفتویٰ میں آپ ایک سند اور اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے اور آپ کے علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کو طبقہ علماء میں حجت واستناد کا درجہ حاصل تھا عوام وخواص کے علاوہ اہل علم بھی آپ کی رائے کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اسی طرح درس وتدریس کے میدان میں بھی ملک بھر میں آپؒ کا شہرہ تھا آپ کا انداز تدریس نہایت دھیما مگر پُر اثر تھا آپ کا انداز بیان اور اسلوب تفہیم نہایت پُرکشش تھا۔ طلبہ آپ پر دیوانہ وار جان اس لیے چھڑکتے تھے کہ آپ کا انداز تعلیم اور افہام وتفہیم کا اسلوب نہایت ہی دل نشیں عمدہ اور قابل رشک تھا اسی طرح آپ کی درسی تقریر، متانت وسنجیدگی کے علاوہ بلا کی سلاست وروانی پر مشتمل ہوتی آپؒ مشکل سے مشکل مقام کو چٹکیوں میں سمجھا دیتے اور مشکل سے مشکل

مسئلہ کو منٹوں میں حل فرمادیتے۔

آپؒ کی انہی خوبیوں اور امتیازی خصوصیات کی وجہ سے آپؒ اپنے سب اصاغر واکابر کی آنکھوں کا تارا تھے۔ دیکھا جائے تو خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ سے لے کر بعد کے اکابر تک کے دلوں میں آپؒ کی مقبولیت ومحبوبیت کا راز بھی یہی تھا۔

مورخہ 12/جمادی الاخریٰ 1472ھ مطابق 8/جولائی 2006 ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب تقریباً رات دس بجے خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کے تلمیذ رشید اکابر علماء دیوبند کے علوم ومعارف کے جانشین صلحائے امت: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ کے مسترشد امام القراً حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ زاہد وقت حضرت مولانا علی مرتضٰی گدائی شریف اور حضرت صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی قدس اللہ اسرارہم کے خلیفہ مجاز جامعہ خیر المدارس ملتان کی مسند افتاء کے صدر نشین اور استاد حدیث حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالستار قدس سرہٗ ایک طویل عرصہ خدمتِ دین میں گزارنے کے بعد معمولی علالت کے بعد راہی عالم آخرت ہوگئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا عبدالقیوم چترالیؒ

(وفات: ۱۶؍اپریل ۲۰۰۷ء)

محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے تلمیذ رشید جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے قدیم فاضل، بزرگ استاذ اور ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی 27؍ربیع الاول 1428ھ مطابق 16؍اپریل 2007ء بروز پیر صبح تقریباً ساڑھے نو بجے طویل علالت کے بعد رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ کا تعلق چترال جیسے دور افتادہ علاقہ سے تھا۔ آپ نے ۱۹۲۵ء میں چترال ہی کے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کے گھر میں آنکھ کھولی ابتدائی تعلیم پشاور میں ہوئی اس کے بعد بہاول نگر اور ٹنڈوالہ یار اور آخر میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت بنوری قدس سرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور یہاں سے ہی ۱۹۵۷ء میں دورہ حدیث شریف پڑھ کر فاتحہ فراغ پڑھا۔ آپؒ کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ مولانا فضل محمد سواتیؒ مولانا نیاز محمد ختنیؒ بہاول نگر مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ مولانا لطف اللہ پشاوریؒ اور مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالقیوم صاحب قدس سرہ فطرتاً مرنج ومرنجان خاموش طبع، ذی استعداد زکی ذہین اور کم آمیز تھے۔ اساتذہ کی خدمت ان کا محبوب مشغلہ تھا اس لیے فراغت کے اگلے سال ہی حضرت بنوری قدس سرہ نے اُنھیں اپنے قائم کردہ ادارہ میں تدریس پر مامور فرمادیا اور اُنھوں نے بھی زندگی بھر اپنے شفیق ومربی استاذ کے انتخاب کی لاج رکھی جامعہ علوم اسلامیہ میں کیسے کیسے احوال آئے؟ مگر اُنھوں نے اپنے شیخ سے کیے ہوئے عہد کو خوب نبھایا اور قریب قریب نصف

صدی تک اس ادارہ اور مادر علمی کی بھر پور خدمت کی۔

مولانا عبدالقیوم چترالی قدس سرہ نہایت ہی عابد و زاہد انسان تھے۔ ان کے تلامذہ کی شہادت ہے کہ ابتدائی عمر اور جوانی میں آپؒ ہر اعتبار سے قابل تقلید اور لائق رشک تھے اکثر و بیشتر روزے رکھتے ہر جمعہ کی رات کو بعد نماز عشاء سو رکعت نوافل پڑھ کر سونے کا معمول تھا جبکہ ان کی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ اس طرح بھی گزارا ہے کہ روزانہ رات کو تہجد میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا معمول رہا۔

ابتدائی تقرر پر حضرت بنوری قدس سرہ نے آپ کا مشاہرہ صرف ایک سو روپے مقرر فرمایا اس پر سالوں گزر گئے مگر کبھی شکایت کی اور نہ ہی اضافہ کی خواہش اور ذکر تذکرہ کیا۔

ایک عرصہ گزر جانے کے بعد جب بیمار ہو گئے اطباء اور ڈاکٹروں نے نکاح کا مشورہ دیا تو اسباب نہ تھے۔ حضرت بنوری قدس سرہ سے پوچھ لیا کہ حضرت! مولانا عبدالقیوم صاحب کی تنخواہ کتنی ہوگی؟ فرمایا: یہی کوئی 3 / 4 سو ہوگی۔ اس پر خالدی صاحب نے فرمایا: حضرت ان کی تنخواہ تو صرف ایک سو روپے ہے۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بلاؤ مولانا عبدالقیوم کو...... چنانچہ جب مولانا کو بلا کر پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ واقعی مشاہرہ سو روپے ہی ہے۔ اس پر حضرت بنوریؒ نے نہایت تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''ارے بندہ خدا! آپ نے کبھی اس کا تذکرہ ہی کیا ہوتا!'' اس پر مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نے عرض کی حضرت! میرے حساب سے تو یہ بھی زیادہ ہیں!

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحبؒ نے اکابر اساتذہ کرام اور مشائخ عظام کی صحبت اٹھائی تھی اس لیے وہ دینی حمیت و غیرت اور زہد و تکشف میں اپنے اکابر و اساتذہ کا عکس اور پرتو تھے۔

عام طور پر آپ مسجد درس گاہ اور کمرے کے علاوہ کہیں نہیں جاتے تھے اس لیے ایسا بھی ہوا کہ ہفتوں گزر گئے مگر جوتا پہننے کی ضرورت نہیں ہوئی اور نہ ہی مدرسہ سے باہر بازار جانے کی نوبت آئی۔ چنانچہ جب کبھی وہ کسی کام کے لیے مدرسہ سے باہر قدم رکھتے تو طلبہ اظہار تعجب کرتے اور کہتے کہ آج حضرت مولانا مدرسہ سے باہر جا رہے ہیں یقیناً کوئی غیر معمولی اور اہم معاملہ پیش آیا ہوگا۔

مولانا موصوف نے حضرت بنوریؒ کے والد ماجد مولانا سید محمد زکریا بنوریؒ کی بھی صلبی

اولاد کی طرح خدمت کی، ان کے سر میں تیل لگانا ان کی مٹھیاں بھرنا ان کے بدن کی مالش کرنا ان کو وقت پر دوا دینا وغیرہ، گویا ان کے روزمرہ کے مشاغل میں شامل تھا اور مولانا سید محمد زکریا بنوریؒ بھی آپ کے ساتھ اولاد جیسا معاملہ کرتے۔

مولانا عبدالقیوم صاحبؒ کی انہی خصوصیات کی بنا پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ قدس سرہ آپ سے بے پناہ محبت کرتے ان پر حد درجہ کا اعتماد فرماتے چنانچہ جب تک قوت و طاقت بحال رہی آپ ہمیشہ مدرسہ کے ناظم دارالاقامہ اور ناظم مطبخ رہے جبکہ آخری سالوں میں آپ جامعہ علوم اسلامیہ کے ناظم تعلیمات کے منصب جلیل پر فائز تھے۔

روزانہ صبح تہجد میں اُٹھنا اور اپنے معمولات سے فارغ ہو کر تمام طلبہ کو جگانا اور پھر فجر کی جماعت سے دس منٹ قبل دوبارہ جامعہ کے پورے دارالاقامہ کا چکر لگانا اور جاگ کر دوبارہ سو جانے والے طلبہ کو کمروں سے مسجد میں لانا اور ان کی باجماعت نماز کا اہتمام کرنا گویا ان کے لوازم حیات میں سے تھا۔

ابتداء میں آپ کا اصلاحی تعلق سندھ کے مشہور بزرگ قطب الارشاد حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہ سے تھا جبکہ ان کی رحلت کے بعد آپ نے حضرت مولانا مستجاب خانؒ سے تجدید بیعت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا عبدالقیومؒ کا زندگی بھر یہی معمول اور ذوق رہا کہ درس و تدریس کے علاوہ کسی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ لیکن 1981ء میں جب محکمہ اوقاف سندھ کے ذمہ داروں نے جامعہ علوم اسلامیہ کے اکابر سے لائق و فاضل اور اہل علم ائمہ اور خطباء کی درخواست کی تو حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن قدس سرہٗ آپ کو اوقاف کی امامت و خطابت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یوں ابتدائی طور پر 1981ء سے 1990ء تک نو سال تک جامع مسجد نوری جہانگیر روڈ میں اور 1990ء سے تادم صحت جامع مسجد پی آئی بی کالونی کراچی میں آپ امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

جبکہ آخر الذکر مسجد کے مکان سے ہی آپ سفر آخرت پر روانہ ہوئے حضرت مولانا مرحوم کی زندگی جہد و مجاہدہ کی زندگی تھی دیکھا جائے تو آپ بھی شدائد و محن میں "اشد بلاء

الانبیا ثم الامثل فالامثل" کا مصداق تھے۔

چنانچہ آپ کا ایک ہی اکلوتا بیٹا تھا ایک عرصہ بعد 1990ء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے بیٹے سے نوازا...... اس پر اُنھیں جس قدر خوشی ہوئی محتاج بیان نہیں...... مگر افسوس کہ اس نومولود کو پیدائش کے دن ہی ہسپتال سے اغوا کرلیا گیا اور آج تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا حضرت مولانا مرحوم نے اس عظیم سانحہ کو جس ہمت سے برداشت کیا اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو خدانخواستہ اس جیسے کسی سانحہ اور حادثہ سے دوچار ہوا ہوگا۔

1997ء میں جامعہ علوم اسلامیہ کی گاڑی پر حملہ ہوا چاروں طرف سے گولیاں برسائی گئیں، گاڑی پر آتش گیر مادہ پھینکا گیا جس سے حضرت مولانا حبیب اللہ مختار، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع اور گاڑی کا ڈرائیور موقع پر شہید ہوگئے اسی گاڑی میں آپ بھی تھے اور آپ نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا پھر جلتی ہوئی گاڑی اور آگ کے شعلوں میں سے کود کر جان بچائی اور ننگے پاؤں چل کر جامعہ علوم اسلامیہ پہنچے اور ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک عرصہ تک آپ سے اپنے دین کی اشاعت اور درس وتدریس کا کام لیا بلاشبہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ اور شاگرد ہیں چنانچہ آپ سے کسب فیض کرنے والوں کا حلقہ اندرون ملک سے لے کر امریکا، افریقہ، یورپ، انگلینڈ، بنگلہ دیش، برما، سری لنکا، نیپال اور نا معلوم کہاں کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور اپنی اپنی جگہ اشاعت دین اور درس وتدریس کا کام کررہے ہیں۔ 2003ء میں آپ کے جنوبی افریقہ کے تلامذہ نے طے کیا آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں ہمارے کام کو دیکھیں اور ہماری سرپرستی فرمائیں چنانچہ آپ کے اس سفر میں حضرت مولانا محمد سواتی مدظلہ مولانا قاری مفتاح اللہ مدظلہ اور مولانا مفتی جمیل خان شہیدؒ بھی ساتھ تھے۔

آپ کو افریقہ پہنچے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ پر فالج کا حملہ ہوگیا۔ مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ ابھی ان حضرات کو افریقہ چھوڑ کر حرمین کے لیے روانہ ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک اطلاع آگئی کہ مولانا عبدالقیوم صاحب پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے چنانچہ مفتی صاحب موصوف نے اپنا سفر موخر کیا اور ان تینوں حضرات کو ساتھ لے کر حرمین پہنچے۔

حضرت مولانا کے بائیں حصہ پر فالج کا حملہ ہوا تھا مگر اس کے ساتھ زبان بھی متاثر ہوئی تھی۔ حرمین میں حضرت مفتی محمد جمیل شہیدؒ نے اپنے استاد کی ایسی مثالی اور عجیب خدمت کی کہ دیکھ

دیکھ کر رشک اور تعجب ہوتا تھا۔

وہ کبھی ان کو دوائی کھلا رہے ہوتے تو کبھی کھانا کبھی زیتون کے تیل کی مالش کر رہے ہوتے، تو کبھی فزیوتھراپی، کبھی ان کو چلا رہے ہوتے تو کبھی ان کو بولنے کی مشق کراتے، غرض وہ ہر وقت ان کے ساتھ مصروف ہوئے کبھی اُنہیں وہیل چیئر پر حرم میں لے جاتے، کبھی طواف کراتے گویا ان کی یہی عبادت تھی اور یہی ان کا طواف وعمرہ تھا۔

کئی بار ہم نے اور دوسرے احباب نے عرض کیا کہ ان کا عمرہ ہوگیا ہے اب ان کو واپس کراچی بھیج دیا جائے مگر حضرت مفتی صاحب نے پورا رمضان ان کو اپنے ساتھ رکھا اور خوب خدمت کی ان کی محنت اور کوشش اور اخلاص کی برکت سے حضرت مولانا عبدالقیوم سہارے چلنے لگ گئے مگر اے کاش! کہ اس سے زیادہ ان کی صحت بحال نہ ہوسکی اور اس طرح تقریباً تین سال صاحب فراش رہتے ہوئے مجاہدہ برداشت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز ہوئے۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ایسے لوگ جنھوں نے زندگی بھر کسی کو تکلیف اور ایذا نہیں دی ان کو اس قدر کیوں آزمایا جاتا ہے؟ تو فوراً وہ حدیث یاد آجاتی ہے کہ: ''بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرنا چاہتا ہے مگر اعمال کے ذریعہ اس کا وہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ مصائب ومشکلات اور آلام واسقام میں مبتلا کر کے اسے اس درجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ یقیناً مولانا عبدالقیوم صاحب بھی اس کا مصداق ہیں۔

مولانا مرحوم یوں تو کئی سال سے صاحب فراش چلے آرہے تھے مگر آخری دس دنوں میں ان کی طبیعت زیادہ کمزور ہوگئی تھی کھانا پینا اور غذا وغیرہ بالکل چھوٹ گئی تھی اور نیم غنودگی کی کیفیت تھی۔ گھر والوں نے چاہا کسی ہسپتال میں داخل کردیا جائے چنانچہ ہسپتال کا مشورہ ہوا اور آپ کو ہسپتال لے جایا گیا تو ڈاکٹروں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ بہتر ہوگا کہ مولانا کو ہسپتال کے بجائے گھر منتقل کردیا جائے۔ یوں بھی زندگی بھر حضرت مرحوم ہسپتال کے حق میں نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹروں سے بھی وہی کچھ کہلا دیا۔ چنانچہ پیر 27 ربیع الاول صبح تقریباً ساڑھے نو بجے آپ نے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے آنکھیں بند کرلیں اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

جیسے ہی آپ کی رحلت کی اطلاع ہوئی تو آپ کے تلامذہ اور متعلقین آپ کی رہائش گاہ

پر جمع ہونا شروع ہو گئے ظہر سے قبل ہی غسل وکفن کا مرحلہ طے ہو گیا اور آپ کی میت آخری دیدار کے لیے رکھ دی گئی یوں تو مولانا موصوف پہلے بھی ماشاء اللہ! بہت ہی خوب صورت اور سرخ وسفید تھے لیکن وفات کے بعد تو ایسا لگتا تھا جیسے ان کے چہرہ پر جنت کا غازہ اور حُسن اعمال کا نور بکھیر دیا گیا ہو مولانا کا چہرہ دیکھ کر بلا مبالغہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر منزل مقصود پر پہنچ کر گہری نیند سو رہا ہو۔

غسل وکفن کے مراحل کی تکمیل کے بعد جنازہ کی جگہ اور وقت کا اعلان کر دیا گیا اور طے ہو گیا کہ ان کی مادر علمی اور ان کی زندگی بھر کے رفیق کار حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں علماء طلبا اور صلحا کی کثیر تعداد نے شرکت فرما کر ان پر اپنی محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کیے اور جب ریور روڈ کے شفیق پورہ قبرستان میں اس علم وعمل کے پیکر کو غروب آفتاب کے وقت سپرد خاک دیا گیا۔

حکیم حافظ عبدالرشید چیمہ رحمہ اللہ

خلیفہ مجاز حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

(وفات: یکم جون ۲۰۰۷ء)

آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی عظیم روحانی تربیت گاہ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف سے منسلک تھے اور قطب الاقطاب حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ میں انکساری اور سادگی اس قدر تھی کہ عام آدمی کو پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ کتنی بڑی ہستی ہے لیکن جنہوں نے اس گوہرِ نایاب کو پہچانا وہ آج بھی آپ کے ذکر سے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ میرا تعلق حکیم حافظ عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً 18 سال سے ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ کے ساتھ میرا تعلق خدمتِ خلق کی ایک رفاہی تنظیم سے ہوا۔ جہاں سے تعلق اس قدر بڑھا کہ ہم اپنے عزیزوں کی طرح ہو گئے اور اس طرح بابا جی حافظ عبدالرشید سے بھی قربت ہو گئی اور بابا جی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجھے اپنے عزیزوں کی طرح پیار و محبت سے ملتے۔ میں جتنا بابا جی کے قریب ہوتا گیا۔ اتنا ہی مجھے دینی شعور و آگہی کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت اور روحانی مقام و مرتبہ مجھ پر عیاں ہوتا گیا۔ میں آپ کی مجلسوں میں بھی بیٹھا آپ کے ساتھ سفر بھی کیا، کئی شب و روز آپ کی معیت میں گزارے۔

جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام ۲۰۰۱ء میں پشاور میں ہونے والی دیوبند کانفرنس میں آپ کی معیت میں شرکت کی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر متعدد بار آپ کے ساتھ گیا۔ آپ کے ساتھ خانقاہ موسیٰ زئی شریف حاضری دی۔ خانقاہ سراجیہ تو متعدد بار آپ کے ساتھ حاضری نصیب ہوئی اور آپ کی دعا و برکت سے پیر و مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ دورانِ سفر بابا جی رحمۃ اللہ علیہ ہم سفر ساتھیوں سے درجہ بدرجہ اور ان کے مزاج کے مطابق گفتگو اور مزاح بھی فرماتے اور ہم محسوس کرتے کہ ہم کسی دوست سے محو گفتگو ہیں۔ آپ درحقیقت فنافی الشیخ تھے اور ہم نے دیکھا کہ جب بھی آپ کے شیخ

کا ذکر آتا آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی کیونکہ آپ کو حضرت پیر و مرشد سے خصوصی لگاؤ تھا اور حضرت پیر و مرشد کو بھی آپ سے خاص تعلق تھا۔ آپ نے ساری زندگی خدمتِ خلق میں گزار دی۔ دینی مصروفیات سے فراغت کے بعد سارا دن اپنے مطب ''سراجیہ دواخانہ'' پر مریضوں کی خدمت اور وہاں بھی مریضوں سے معمولی رقم لینا آپ کا معمول تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ مجھ میں زیادہ پیسے لینے کی ہمت نہیں ہے۔

اپریل ۲۰۰۳ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس کے باعث آپ کی بائیں جانب مکمل طور پر مفلوج ہو گئی لیکن اس حالت میں بھی خدمتِ خلق جاری رہی۔ روزانہ مطب پر تشریف لاتے اور گھر میں بھی آنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ خانقاہِ سراجیہ بھی حاضری دی اور اسی حالت میں سفر حرمین شریفین بھی کیا کہ آپ کو دو آدمی اٹھا کر چلتے تھے۔ میری دوہری خوش قسمتی ہے کہ میں نے حرمین شریفین کا پہلا سفر حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں کیا اور ساتھ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو بھی عمرہ کروایا۔ اس سفر میں باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں آپ کی اہلیہ محترمہ، آپ کی صاحبزادی، آپ کے چھوٹے صاحبزادے حافظ حبیب اللہ چیمہ، حافظ حبیب اللہ کی خالہ، ہمارے جماعتی دوست معاویہ رضوان اور ان کی اہلیہ، ماجد چیمہ اور چیچہ وطنی سے ایک دوست حبیب اللہ شامل تھے۔ ہم ۲۴ رمئی ۲۰۰۷ء کو لاہور سے کراچی اور ۲۵ رمئی کو کراچی سے جدہ پہنچے۔ جدہ میں ہمارے میزبان حافظ محمد رفیق ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ اسی روز جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ ادائیگی عمرہ کے لئے کچھ دیر آرام کے بعد جائیں گے لیکن باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے نرم لہجے میں فرمایا کہ ابھی چلیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد جلال میں آ کر فرمانے لگے کہ تم نے نہیں جانا تو مجھے حرم شریف چھوڑ آؤ میں جانوں اور میرا خدا جانے۔ تم فارغ ہو۔ اس طرح ہم نے بھی فوراً عمرہ ادا کر لیا۔ تین روز مکہ مکرمہ میں رہے اس کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ مدینہ منورہ میں آپ نے فرمایا کہ یہاں ادب و احترام انتہائی ضروری ہے کہ کوئی بھی جملہ اور حرکت گستاخی کا موجب بن سکتی ہے۔ مکہ مکرمہ اور بالخصوص مدینہ منورہ میں آپ کے ملنے والوں نے آپ کی وجہ سے ہماری بھی بھرپور خدمت کی۔ ہم آپ کی معیت میں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جاتے۔ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری ہوتی تو آپ کی کیفیت کا عجیب سماں ہوتا جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہم جبلِ اُحد گئے، مسجد قباء گئے، مسجد قبلتین اور دیگر کئی مقامات کی زیارت بھی کی۔ مکان پر واپس آئے تو فرمانے لگے میں دیکھ رہا تھا کہ حبیب اللہ نے تمہیں اچھی

طرح زیارتیں نہیں کروائیں۔ اگر میں تندرست ہوتا تو سب کو پیدل چل کر مدینہ منورہ دکھاتا۔

۳۱ رمئی جمعرات کی شب راقم الحروف اور حافظ حبیب اللہ چیمہ حافظ محمد امجد کے ساتھ باہر چلے گئے تو باباجی پریشان ہوگئے کہ کہیں گم نہ ہوجائیں۔ موبائل پر رابطہ ہوا۔ ہم نے کہا کہ باباجی آپ سوجائیں ہم جلدی آجائیں گے تو فرمانے لگے کہ مجھے حبیب اللہ کے بغیر نیند نہیں آتی۔ آپ کو اپنی تمام اولاد سے محبت تھی لیکن حبیب اللہ کے ساتھ الگ ہی معاملہ تھا۔ یہ رات آپ کی زندگی کی آخری رات تھی۔ ساری رات آپ بلند آواز سے تلاوتِ قرآن پاک اور ذکر واذکار کرتے رہے۔ یکم جون جمعۃ المبارک کو صبح لیٹے ہوئے تھے کہ سات بجے کے قریب بغیر کسی تکلیف کے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

حافظ حبیب اللہ ناشتہ لینے گئے ہوئے تھے اور ہم باباجی کے پاس لیٹے ہوئے تھے۔ حبیب اللہ نے واپس آکر دیکھا تو باباجی اس جہاں میں نہیں تھے۔ ہم سے پوچھا کہ اباجی نے کچھ کہا یا کوئی آواز آئی؟ تو ہم نے بتایا کہ آپ دونوں باپ بیٹا صبح سے جو گفتگو کررہے تھے، اس کے بعد ہم نے سمجھا کہ باباجی سورہے ہیں۔ آپ نے آخری وقت کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ انتقال سے دوروز قبل اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ یہاں مرنا چاہتی ہو تو دعا کرلینا، یہاں دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ اگر اپنے والدین کو کوئی پیغام دینا ہو تو بتادینا۔ جمعۃ المبارک کا دن قانونی کارروائی میں گزر گیا۔ ہفتہ کی شب شعبہ تجہیز وتکفین میں غسل دیا گیا جس کے بعد ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے امیر قافلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کو کفن پہنایا اور نمازِ فجر کے بعد مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نمازِ جنازہ کے بعد جنت البقیع کے اس قدیم حصہ میں اپنے ہاتھوں سے دفن کیا، جہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور مبارک ہیں۔

اپریل ۲۰۰۹ء دوسال بعد راقم الحروف اور حافظ حبیب اللہ چیمہ اور ان کی والدہ محترمہ دوبارہ حرمین شریفین حاضر ہوئے تو باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد نے تڑپادیا۔ جنت البقیع میں آپ کی قبر پر حاضری ہوئی تو وہ اسی طرح موجود تھی، جس طرح دوسال پہلے ہم چھوڑ آئے تھے۔ ہم نے باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں کھڑے ہوکر سامنے جو دیکھا تو گنبد خضراء بالکل سامنے نظر آرہا تھا۔ یہ ہے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، تحریکِ ختم نبوت کے کام کی برکت اور اپنے شیخ سے محبت کا نتیجہ کہ گنبد خضراء کے سائے میں جگہ ملی۔

(نقیب ختم نبوت ملتان۔ جولائی ۲۰۰۹ء۔ مضمون شیخ تنویر احمد)

رئیس الخطاطین، مرشد العلماء

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ

(وفات: ۵رفروری ۲۰۰۸ء)

حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دور کی ایک عظیم اور جامع شخصیت تھے، اور جاننے والے انہیں مختلف حیثیتوں سے جانتے ہیں۔

آپؒ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفۂ اجل تھے۔ اس حیثیت سے آپ کا فیضِ عام گذشتہ کئی دہائیوں سے جاری و ساری تھا۔ اس دوران سینکڑوں یا شاید ہزاروں علماء، صلحاء، زہاد و عباد نے آپؒ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت حاصل کرتے ہوئے اپنی باطنی تربیت اور اصلاح فرمائی، اور بیسیوں خوش نصیب حضرات نے باقاعدہ اجازتِ بیعت حاصل کی اور شاہ جیؒ کے سلسلۂ رشد و ہدایت کی ترقی کے لئے شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔

آپؒ اوائلِ عمر سے ہی فنِ خطاطی کے مقدس پیشہ سے وابستہ ہوئے حتیٰ کہ اس فن میں درجۂ امامت تک جا پہنچے اور آج صورتحال یہ ہے کہ اس فن میں آپؒ کے نام کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ بلا مبالغہ ہزاروں دینی اور ادبی کتب کے سرورق پر آپؒ کا فن جگمگا رہا ہے۔ اس فن میں بھی آپؒ کے شاگردوں کی تعداد بلا مبالغہ سینکڑوں میں ہے، جن میں سے بعض نہایت نامور اور معزز و محترم سمجھے جاتے ہیں۔

آپؒ تحفظ ختم نبوت کے دینی محاذ پر ایک جرنیل کی حیثیت رکھتے تھے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر کی حیثیت سے بھی آپ نہایت بلند مرتبت کے حامل تھے۔

آپؒ ایک نہایت بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ توحید باری تعالیٰ، نعت سرورِ کونینؐ، عظمتِ اصحابؓ و اہل بیتِ رسولؐ نیز متعدد دینی شخصیات کے بارے میں آپ کا منظوم کلام سننے اور پڑھنے

والوں کے دل وجگر پر درد وتاثیر کی عجیب کیفیات پیدا کرتا ہے۔

آپؒ مسلکِ حق اہلسنت والجماعت علماء دیوبند کے ایک راسخ الفکر اور خاموش مبلغ تھے۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے قابلِ قدر کارنامے سرانجام دیئے اور متعدد اکابر واسلاف کے تذکرہ پر مشتمل کتابیں اور تحقیقی مقالات ومضامین نہایت اہتمام سے شائع کرا کر عام کئے۔

ان سب سے بڑھ کر آپؒ فی الواقع ایک عارف باللہ اور ایک حقیقی محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؒ کی شخصیت کو بنانے، سجانے، سنوارنے اور نکھارنے میں مذکورہ بالا تمام عوامل کارفرما تھے، اور یہ تمام کمالات وخوبیاں آپ کی شخصیت کا جزو لاینفک تھیں۔

آپ نے نئی نسل کو رفض وخروج سے بچاتے ہوئے اعتدال کا درس دیا۔ آل واصحاب پر کئی ایک شاندار کتب شائع کیں۔ المرتضیٰؓ سوانح سیدنا علی المرتضیٰؓ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سیدنا علی و حسینؓ، اللطائف الاحمدیہ فی المناقب الفاطمیہ، حضرات اہل بیت کرام کا قدیم ترین پاکیزہ اور مستند تذکرہ، ریحان عترت، شجرۃ الاشراف وغیرہ۔

آپ کو امام المجاہدین حضرت اقدس سید احمد شہید کے ساتھ بے پایاں محبت تھی۔ آپ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفقاء کے ہاتھوں اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل لکھی ہوئی کتاب ''وقائع سید احمد شہید'' کا عکس لے کر شائع فرمایا اور اس کی بیسیوں کاپیاں مفت تقسیم کیں۔ آپ کا سلسلہ طریقت و جہاد حضرت سید احمد شہیدؒ سے جا کر ملتا ہے۔ اس لئے اپنی خانقاہ کا نام بھی خانقاہ سید احمد شہیدؒ رکھا اور اپنے متعلقین سے مکتبہ سید احمد شہیدؒ شروع کرایا۔

سنت نبوی پر عمل پیرا

۱...... آپ کی شخصیت اور عمل کو دیکھ کر سنت کا تعین کیا جا سکتا تھا کیونکہ آپ کا کوئی عمل خلاف سنت نہیں ہوتا تھا۔

۲...... آپ میں دوسری بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ نے اپنے آپ کو محدود دائرہ میں کبھی بند نہیں رکھا۔ ہر محاذ پر سرگرم عمل رہے اور ہر دینی محاذ پر کام کرنے والوں کی عملی سرپرستی فرمائی۔

۳...... آپ میں تیسری بڑی خوبی یہ تھی کہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے مسلک کو قرآن و سنت کے مطابق دیکھ کر افراط وتفریط سے اپنے آپ کو بچایا اور دیوبندی فکر کے امین رہے۔

۴...... جامعہ رحیمیہ قصور کے مہتمم حضرت قاری مشتاق احمد رحیمی مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میرا تین

سالہ مشاہدہ ہے کہ آپ ہمیشہ صف اول اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ چاہے کتنی ہی تکلیف اور بیماری کیوں نہ ہو۔

۵...... آپ کو سیرت و تاریخ پر عبور حاصل تھا۔ جب کبھی کسی شخصیت کے متعلق سوال کیا۔ حضرت نے تفصیل کے ساتھ اس کی خدمات اور تاریخ بیان فرمادی۔

توبہ کے الفاظ

آپ کی خدمت میں کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو درج ذیل الفاظ کے ساتھ اسے توبہ کراتے۔ ”کہو! **بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یا اللہ ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، غیبت سے، چوری سے، زنا سے، نماز چھوڑنے سے، جھوٹ بولنے سے، کسی پر بہتان لگانے سے اور سب گناہوں سے چھوٹے ہوں یا بڑے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کیے، سب سے توبہ کی اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سارے حکم مانیں گے۔ تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں گے۔ یا اللہ تو ہماری توبہ کو قبول کر لے۔ ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ ہمیں توفیق دے اپنی رضامندی کی۔ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی۔“ پس یہ توبہ ہوگئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس پر مجھے بھی قائم رکھے اور آپ کو بھی قائم رکھے۔ پانچوں وقت نماز جماعت کی پابندی کرنا، خلاف شرع باتوں سے بچنا، موت کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ ایک دن مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے۔ آخرت میں نیک عملوں کے سوا کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔

علالت

جولائی ۲۰۰۷ء میں ازبکستان کے سفر سے واپسی پر کان میں درد شروع ہوا۔ آپریشن ہوا۔ کچھ طبیعت سنبھل گئی۔ رمضان المبارک کے بعد طبیعت میں نقاہت اور کان کے درد میں شدت ہوئی۔ دوبارہ ہسپتال داخلہ ہوا۔ عید الاضحیٰ پر چند روز کے لئے گھر تشریف آوری ہوئی۔ پھر ہسپتال میں لے جایا گیا۔

وفات حسرت آیات

شعبہ امراض قلب کے مشہور معالج جناب ڈاکٹر شہریار اور ان کے رفقاء نے مہنگا سے

مہنگا علاج کیا۔ لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور ۲۶ / ۱ محرم ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۲۰۰۸ء صبح پانچ بج کر پچیس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے بوقت تہجد خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی رحلت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ خدام وعشاق پروانہ وار لاہور کی طرف قافلوں کی صورت میں رواں دواں ہو گئے۔

نمازِ جنازہ

ظہر کی نماز کے بعد جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے جنازہ اٹھایا گیا اور دو بج کر پینتالیس منٹ پر عتیق اسٹیڈیم پہنچا اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ پیر طریقت حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب مدظلہم کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ دوسرا جنازہ آپ کی قائم کردہ خانقاہ سید احمد شہیدؒ میں شیخ الحدیث استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہم نے پڑھایا۔ جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔

تدفین

خانقاہ کے قریب ایک مخصوص احاطہ میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ لحد میں اتارنے کی سعادت بھائی رضوان نفیس، محمد نعیم، احمد علی، قاری سیف اللہ اختر، مولانا عبدالرحمان، مولانا خلیل الرحمان نے حاصل کی اور ہزاروں سوگواروں نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آپ کو سپرد خدا کیا۔

حضرت نے لاکھوں متعلقین کے علاوہ دو پوتے، پانچ پوتیاں، سوگوار چھوڑیں۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے بڑے پوتے سید زید الحسینی زیدہ مجدہ کی دستار بندی کی گئی اور استاذ العلماء مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ نے سید زید الحسینی کو وصیت فرماتے ہوئے کہا کہ حضرت والا کی خواہش اور توقع کے مطابق آپ ان کی جانشینی کا حق ادا کریں گے۔ آپ کی دستار بندی کرائی جاتی ہے۔ آپ حضرتؒ کی وصیت وخواہش کے مطابق اپنے آپ کو حضرت سید جاوید حسین شاہ صاحب فیصل آباد اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا کی زیر تربیت رکھیں اور ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں اپنی تکمیل کریں۔ خانقاہ شریف کے تمام امور ان حضرات کی راہنمائی سے اور خاندانی امور خاندان کے بڑے حضرات کی راہنمائی میں سرانجام دیں۔ اللہ پاک حضرتؒ کی مرقد مبارک پر اپنی رحمتوں کی گھٹائیں نازل فرمائیں اور ان کی قائم کردہ خانقاہ و مدرسہ کو قیامت تک آباد وشاداب رکھیں اور ان کے جانشین کو جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

شیخ الحدیث مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

(وفات: اپریل ۲۰۰۸ء)

دیوبند کی سرزمین سے بے شمار اصحاب فضل و کمال پیدا ہوئے۔ دار العلوم نے اپنی آغوش سے لاتعداد عظیم شخصیتوں کو اچھالا انھیں بے شمار اصحاب فضل و کمال میں ایک قدآور انسان اور ایک عظیم شخصیت ایسی بھی ہے جن کے پیکر میں اکابر دیوبند کی انفرادی خصوصیات اور ان کے خصوصی کمالات یکجا نظر آتے تھے۔ دار العلوم کی درس گاہ میں ان کی شخصیت ایک کامیاب مدرس و معلم اور مفسر و محدث کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتی تھی۔ کبھی وہ ملک اور بیرون ملک کی معیاری دینی مجالس اور جلسہائے علم و فن میں شعلہ بیان مقرر دکھائی دیتے تھے تو کبھی ان کا سراپا تصنیف و تالیف کی وادیوں میں دین و حکمت کے موتی بکھیرتا ہوا نظر آتا تھا اور ہر گوشہ علم و فن میں ان کی انفرادیت کی ایسی چھاپ نظر آتی تھی کہ آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ بس وہ اسی ایک علم کی دنیا کے انسان ہیں۔ مگر ان کی ذہانت و ذکاوت، فصاحت و بلاغت، سیاست و قیادت تبحر علمی، وسعت معلومات کردار و عمل کے وہ کارنامے جو نصف صدی سے دیوبند کی فضا میں چھائے ہوئے تھے اور دعوت و عزیمت اور ملک و ملت کی رہنمائی میں ان کی فکری جد و جہد کی وہ داستاں جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی جب ان مناظر پر نگاہ پڑتی ہے تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ علمائے دیوبند میں صرف ایک ہی سحر انگیز شخصیت ایسی تھی جن کے جلو میں تمام اکابر کے کمالات کا عکس نمایاں نظر آتا تھا۔ اگر آپ حضرت نانوتوی کی عبقریت، حضرت گنگوہی کا تفقہ، حضرت شیخ الہند کی مردم سازی، حضرت علامہ انور شاہ کا تبحر علمی حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی ذکاوت، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کا تدبر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی خطابت حضرت شیخ الادب کا درسی انہماک

حضرت شیخ الاسلام کی خدمت خلق اور حضرت حکیم الاسلام کے کریمانہ اخلاق واوصاف کو یکجا دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ پوری رعنائی وزیبائی کے ساتھ حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کے دل نواز پیکر میں دکھائی دیتے تھے۔ افسوس وہ دل نواز پیکر ہماری نگاہوں سے روپوش ہو چکا ہے اور دہلی کے سر گنگا رام ہسپتال میں علمائے دیو بند کے ممتاز کمالات واوصاف کا مالک اپنے لاکھوں شاگردوں، ہزاروں عقیدت مندوں کو روتا تڑپتا چھوڑ کر اپنے اس معبود حقیقی کے پاس چلا گیا جو خالق کائنات ہے اور لافانی بھی۔

26رجنوری 1929ء میں دیو بند کے محلہ خانقاہ میں حضرت شاہ صاحب نے اس جہان رنگ و بو کا پہلا جلوہ دیکھا۔ بدر سنبھلی نے آپ کا تاریخی نام اختر قوم تجویز کیا اور آپ کے نامور والد فقید المثال عالم اور عدیم النظیر محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کا نام انظر شاہ رکھا، ابھی حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کی زندگی کی چار ہی بہاریں گزری تھیں کہ آپ کی یتیمی کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا اور علامہ کشمیری مرحوم اپنی زندگی کے قیمتی ماہ وسال علم وفن کی وادیوں میں بسر کر کے معبود حقیقی سے جا ملے۔ پھر بھی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری زندہ پائندہ ہیں ان کے علمی کمالات وتصنیفات ان کی حایت جاوید اور یگانہ روزگار ہونے کی ضمانت ہیں۔ بقول شورش کاشمیری ؂

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

حضرت شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم متعدد حفاظ سے حاصل کی بعض وجوہ کی بناپر تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت شاہ صاحب اپنے خالہ زاد بھائی کے پاس دیو بند سے دہلی تشریف لے گئے، انھیں کی سرپرستی میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات بھی دیے یہ وہ وقت تھا جب ملک کی تقسیم کی وجہ سے پورے پنجاب میں نفرت وعداوت کے جھونکے چل رہے تھے۔ ہر شخص فسادات کی زد میں جکڑا ہوا تھا اور فرشتے انسانوں کی بربریت و وحشت پر خون کے آنسو بہا رہے تھے جس دن آپ امتحان سے واپس ہوئے اس کے کچھ ہی دیر بعد پورے سینٹر میں آگ لگا دی گئی۔ سینکڑوں مسلم طلباء اس میں جل کر خاکستر ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب دیو بند آ کر ایف اے

کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ماسٹر فضل الٰہی سے انگریزی کی تعلیم بھی شروع کر دی اور اسی دوران قاری اصغر علی صاحب سے میزان الصرف بھی پڑھنے لگے عربی کی اس کتاب کے پڑھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات میں سہولت ہو، مستقل عربی دینی تعلیم کا ان کا قطعی کوئی ارادہ نہ تھا۔

یہ بھی ایک روشن اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مستقبل کسی دریا کا وہ زیریں حصہ ہوتا ہے جس کے متعلق کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا کہ وہاں سکون ہے یا اضطراب؟ حضرت شاہ صاحب کے قدم اسی ڈگر پر آگے بڑھ رہے تھے۔ اُنھیں کیا معلوم تھا کہ ایک روز اسی راستے پر چلیں گے جن راہوں سے گزر کر ان کے عظیم والد خواب راحت کے مزے لے رہے ہیں اور صحیح معنوں میں وہ اپنے نامور باپ کی علمی عظمت و رفعت کے سچے جانشین قرار دیے جائیں گے اور ایشیا کی سب سے بڑی عربی یونیورسٹی میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب عالی پر سرفراز ہوں گے ان کی خطابت مرحوم عطاء اللہ شاہ بخاری کی یاد تازہ کرے گی یہ سب وہ حقیقتیں ہیں جو ان کے حاشیہ خیال میں نہیں تھیں اور نہ ان کا پاکیزہ روشن مستقبل کا حسین وجمیل چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب تھا بلکہ وہ ایک عام انگریزی داں بننا چاہتے تھے مگر خالق کمالات اُنھیں حقیقی ابن الانور کی حیثیت سے کائنات کی نگاہوں میں لانا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ درس کے درمیان اُنھوں نے بتایا کہ پتہ نہیں میری عربی تعلیم کن کی دعاؤں کا نتیجہ ہے لیکن مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ دہلی کے قیام کے زمانے میں جامع مسجد کے عقب میں ایک ادارہ تھا۔ جس میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن جیسی شخصیتیں جمع ہوتی تھیں میں بھی جمعہ کے روز وہاں چلا جاتا تھا شاید وہیں علم کی قدر میرے دل میں آ گئی اور اُنھوں نے ایک بار یہ بھی بتایا کہ جب میں دہلی میں تھا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مزار پر اکثر حاضری دیتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُنھیں حضرات کے فیوض باطنی کی کرشمہ سازی ہے کہ قرآن وحدیث ان کی زندگی کے روشن عنوان بن گئے۔ تقریر وخطابت کی دنیا میں حضرت شاہ صاحب امتیازی حیثیت کے مالک تھے ان کی تقریر شعلہ بار ہوتی تھی۔ ہند اور بیرون ہند کے مختلف مقامات پر اکثر ان کے اسفار ہوتے رہتے تھے۔ الفاظ کی کثرت، زبان کی فصاحت، لب ولہجہ کی انفرادیت اور معلومات کی وسعت کے اعتبار سے حضرت

شاہ صاحب کی موجودگی کسی بھی مجلس کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ جب حضرت شاہ صاحب محو تکلم ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ الفاظ کا آبشار بہہ رہا ہے۔ حدیث وتفسیر کے موتی بکھر رہے ہیں۔ سننے والوں پر ایک بے خودی سی طاری ہوجاتی اور وہ اپنے آپ کو عرش کی سر بلندیوں سے فرش کی شادابیوں کا نظارہ کرتا ہوا محسوس کرتا۔

میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھ رہا تھا، ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے سہارنپور میں جمعیت علماء اور مسلم لیگ میں کش مکش زوروں پر تھی۔ اس دوران مظاہر علوم کے دار الطلبہ قدیم کے سامنے جمعیت کا اجلاس ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب بھی دوسرے مقررین کے علاوہ آنے والے تھے حضرت شاہ صاحب کا نام سن کر طلبائے مظاہر علوم کی ایک کثیر تعداد جلسہ گاہ میں موجود تھی۔ میں بھی حضرت شاہ صاحب کو دیکھنے اور سننے کے اشتیاق میں حاضر تھا۔ پروگرام شروع ہوا تو لیگیوں نے مجمع میں انتشار پیدا کردیا۔ چاروں طرف پتھروں کی بارش ہونے لگی علماء کو دل خراش طعنے دیے جانے لگے دوسرے مقرروں نے ایسی مخدوش فضا میں تقریر کرنے سے انکار کردیا مگر حضرت شاہ صاحب اسٹیج پر نظر آتے ہیں۔ تقریر شروع ہوگئی الفاظ ومعانی کا سمندر رواں ہے، زور وجوش ایسا کہ گویا سارا مجمع ان کی انگلیوں پر ناچ رہا ہو حضرت شاہ صاحب محو خطابت تھے۔

"تم پیدا ہوتے ہو تو مولوی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب مولوی تمہارا نکاح نہ پڑھائے تو تم رشتہ ازدواج سے منسلک نہیں ہوسکتے۔ جب تم مرتے ہو تو مولوی تمہاری نماز جنازہ نہ پڑھائے تو تم دفنائے نہیں جاسکتے اور یہی مولوی اگر سیاست کے میدان میں سرگرم نظر آتا ہے تو تمہاری پیشانیوں پر شکنیں پڑتی ہیں تمہارے وجود میں زلزلہ آجاتا ہے تم غیظ وغضب میں کانپنے لگتے ہو تمہارے پیکر میں ارتعاش طاری ہوجاتا ہے اور تمہارے افکار وخیالات میں آندھیاں چلنے لگتی ہیں"۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ ساحرانہ تقریر تھی جو سر چڑھ کر بول رہی تھی۔ مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا ہنگامہ کرنے والے محویت میں ساکت وصامت تھے۔ جنگ آزادی میں علماء کی جدوجہد اور ملک وملت کی تعمیر میں ان کے کردار وعمل پر حضرت شاہ صاحب گل افشانی گفتار کا مظاہرہ فرمارہے تھے۔ ان کی تقریروں کے متعدد مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ "گل افشانی گفتار" اور "خطبات کشمیر

ی'' جسے مولانا محمد اکرم صاحب کشمیری ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان نے مرتب کیا جس میں پاکستان بنگلہ دیش انگلینڈ اور ساؤتھ افریقہ میں شاہ صاحب کی زبان سے نکلے ہوئے مواعظ شامل ہیں۔

تقریر وخطابت کے ساتھ تعلیم وتدریس پر بھی حضرت شاہ صاحب یکساں دسترس اور قدرت کے مالک تھے ان کا درس حدیث امتیازی شوکت وعظمت کا حامل ہوتا تھا۔ دیوبند سے فراغت کے فوراً بعد ہی اعلیٰ حسن استعداد کی بنیاد پر تدریس کے لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ میزان الصرف سے بخاری تک آپ کا کامیاب درس مشہور ہے۔ دیوبند کی درسگاہوں میں اس سعادت مند فرزند نے اپنے نامور باپ کے درس حدیث کی یاد تازہ کردی تھی ملک اور بیرون ملک کے طویل وعریض فاصلوں سے طالبان علوم نبوت صرف آپ سے بخاری شریف پڑھنے کے لیے دیوبند آتے تھے۔ کامیاب تقریر وتدریس کے علاوہ تحریر وقلم کی دنیا میں بھی حضرت شاہ صاحب کی حکمرانی مسلم نظر آتی ہے۔ پچاس سال سے زیادہ ادب وصحافت کے میدان میں آپ کا قلم رواں دواں تھا علم وسخن کی ہر صنف پر بے شمار مضامین ومقالات ہند وپاک کے علمی جریدوں میں شائع ہوچکے ہیں اور آپ کی تالیفات وتصنیفات چھپ کر ملک میں پھیل چکی ہیں، ان میں ''نقش دوام'' ایک شاہکار تصنیف ہے۔ جس میں علامہ انور شاہ کشمیری کے علمی کمالات وتفردات کا تفصیلی تذکرہ ہے اور ان سے منسلک شخصیتوں پر اس کتاب میں ذیلی عنوان کے تحت آپ کے قلم نے وہ گل بوٹے کھلائے ہیں جن سے وہ مرحوم شخصیتیں بھی نقش دوام سے آشنا ہوگئی ہیں۔

اداروں کی طرح حضرت شاہ صاحب کی شخصیت کی تعمیر وتشہیر کے پس منظر میں نہ کوئی ملی تحریک تھی اور نہ جماعتی سرگرمیاں، صرف خداداد صلاحیتوں نے ان کو بام عروج پر پہنچایا۔ حضرت شاہ صاحب آگے بڑھتے رہے عزت ورفعت ان کے قدم چومتی رہی۔ فضل وکمال ان کے اردگرد طواف کرتے رہے ان کی خدمات کا ہر سطح پر ان کی زندگی ہی میں اعتراف کیا گیا صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ سے بھی وہ نوازے گئے۔ سینکڑوں علمی اداروں کی سرپرستی کی۔ یوپی کانگریس کے نائب صدر بھی رہے۔ مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور اقلیتی تعلیمی کمیٹی برائے حکومت ہند کی خیرسگالی برائے حج حکومت ہند اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی باوقار رکنیت بھی ان کو حاصل تھی۔

اس عہد میں علم وعمل فضل وکمال، زبان وبیان اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اکابر دیوبند کی آخری یادگار تھے۔ ۲۹/اپریل ۲۰۰۸ء کو علامہ انور شاہؒ کے اس صلبی اور علمی وارث وجانشین کا انتقال ہوا، وقتِ وفات ان کے چہرے کی بشاشت اور کلمۂ شہادت کے ساتھ اس دنیائے فانی سے رخصتی ان کے حسنِ خاتمہ کی دلیل ہے۔

ان کی وفات پر 29/اپریل 2008ء جامع مسجد دہلی میں آل انڈیا تنظیم علمائے حق کے زیر اہتمام ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا گیا جس میں ان کے سانحہ ارتحال کو ملت اسلامیہ خاص کر ہندوستانی علماء کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے یہ قرارداد پاس کی گئی کہ ان کی وفات سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم بے مثال محدث بے نظیر خطیب، فقید المثال مفسر، صاحب طرز ادیب اور ایک عظیم قائد سے محروم ہوگیا اور اجتماعی دعا کی گئی کہ حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور اسلامی خدمات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مقبولیت سے سرفراز کرتے ہوئے پوری پوری مغفرت فرمائے اور نصف صدی سے زیادہ خدائی احکامات وفرمودات کے اس شارح کو بلندیٔ درجات کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔

(ماہنامہ وفاق المدارس، رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ)

مفسر قرآن

مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ

(وفات: ۶ / اپریل ۲۰۰۸ء)

مولانا محمد فیاض خان سواتی رقمطراز ہیں:

"۲۰۰۳ء سے مسلسل آپؒ کی طبیعت دن بدن گرتی چلی گئی، انسانی کوشش کی حد تک مسلسل علاج چلتا رہا، آب وہوا کی تبدیلی کیلئے معالجین کے مشورہ سے آپ کو اسفار بھی کرائے گئے، لیکن قضاء وقدر کے فیصلوں کے سامنے کون بند باندھ سکتا ہے، ۲۰۰۶ء میں آپؒ بالکل ہی صاحب فراش ہو گئے اور آپ کی یادداشت بھی کافی متاثر ہو گئی تھی، آپؒ کے معالج جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے، اور جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی دوائیاں اور انجکشن استعمال کیے ان کی رپورٹیں شوکت خانم لیبارٹری سے وہ تیار کراتے رہے لیکن،

مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دواء کی

فروری ۲۰۰۸ء میں آپؒ غنودگی میں چلے گئے ڈیڑھ ماہ تک یہی کیفیت رہی جسکا ہمیں زندگی بھر افسوس رہے گا کہ انہوں نے آخر میں ہمارے ساتھ کوئی بات نہیں کی، کوئی نصیحت نہیں فرمائی، ان کی اس کیفیت کی وجہ سے خوراک کی نالی ناک کے راستے لگائی گئی اور پیشاب کی نالی بھی لگائی گئی، اس طرح مسلسل صاحب فراش ہونے کی وجہ سے ان کی کمر پر زخم بھی ہو گئے جس کے لئے انہوں نے بے حد اور ناقابل برداشت تکلیف اٹھائی آخر وہ گھڑی بھی آ گئی جس کا کوئی انتظار کرے یا نہ کرے وہ اپنے وقت پر آ ہی جاتی ہے اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو اس گھڑی کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس کے لئے تیاری کرتے ہیں، ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بمطابق ۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو سحری کے وقت بقول والدہ محترمہ ان کی کیفیت میں فرق محسوس ہوا، انہوں نے آنکھیں بھی

کھولیں اور لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ اللہ اللہ کا ورد بھی کیا، کسے معلوم تھا کہ یہ چراغ سحر بجھنے کو ہے احقر حسب معمول پونے سات بجے مدرسہ کے دارالاہتمام میں گیا ایک سبق مقامات حریری کا پڑھا چکا تھا اور دوسرا سبق ترمذی شریف پڑھانے کیلئے پونے دس بجے کا انتظار کر رہا تھا، عین پونے دس بجے جب پیریڈ کی گھنٹی ہوئی اور احقر اپنی کتاب اور رجسٹر حاضری طلباء اٹھا رہا تھا معاً عزیزم محمد ریاض خان سواتی نے گھر سے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے تیزی سے باہر نکلتے ہوئے مجھے کہا کہ ''ابا جی کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے'' میں نے فوراً کتاب رکھی اور دفتر اہتمام کو بند کر کے گھر پہنچا لیکن آپؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، گھر والوں کو یقین نہیں آرہا تھا، ان کی تسلی کیلئے یکے بعد دیگرے دو ڈاکٹروں ڈاکٹر سراج اور ڈاکٹر شیخ عبدالحمید کو بلایا گیا، لیکن مجھے تو ان کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی یہ کیفیت معلوم ہوگئی، ان کا چہرہ بالکل سفید اور ٹھنڈا ہوگیا تھا، میں نے ان کے ناک پر ہاتھ رکھا تا کہ سانس کی آمدورفت کا احساس کروں، نبض دیکھی، سینہ چیک کیا، ان کی بائیں ٹانگ جو کہ کچھ عرصہ سے سیدھی نہیں ہورہی تھی، اس کے پٹھوں میں کھنچاؤ آگیا تھا، آپؒ اس ٹانگ کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے حتیٰ کہ غنودگی کی حالت میں بھی اگر ان کی اس ٹانگ کو کوئی ہاتھ لگاتا تو کراہنے لگتے، میں نے اس ٹانگ کو بھی تھوڑا زور لگا کر چیک کیا لیکن وہ تو خدا کے حضور پیش ہو چکے تھے، دونوں بلائے گئے ڈاکٹروں نے بھی تصدیق کر دی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر

جس سمت نگاہ اٹھی اک حشر بپا دیکھا
جو شکل نظر آئی غمگین نظر آئی

میری تو کل دین و دنیا کی متاع لٹ چکی تھی، آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے، جی چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر رو دوں اور اپنے وجود کو فنا کر دوں، لیکن انہی کی دی ہوئی تعلیمات کے سامنے مجبور تھا پھر تمام چھوٹے بہن بھائیوں کو دلاسا دینا بھی میری ہی ذمہ داری تھی، میں اپنے زخمی دل کیساتھ آنسوؤں کو پی گیا لیکن جبر کے ساتھ روکے گئے آنسوؤں کو کتنی دیر کوئی روک سکتا ہے اب جب بھی ان کی یاد آتی ہے اور یہ یاد کب آنی ختم ہو سکتی ہے دل خون کے آنسو روتا ہے اور آنکھیں برسات کی طرح خود بخود بہہ پڑتی ہیں اور یہ روگ یقیناً مرتے دم تک ختم نہ ہو سکے گا، عزیزم عرباض نے ان کی آنکھیں بند کیں اور منہ کو رومال سے باندھا، احقر نے ان کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے کیے، گھر میں ایک کہرام مچ گیا، آپؒ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح دنیا بھر میں

پھیل گئی، تمام چینلوں نے اسے نمایاں طور پر نشر کیا، ہر طرف سے آدمیوں کا سیلاب ریلے کی صورت مدرسہ پہنچنا شروع ہوگیا۔

تجہیز و تکفین نماز جنازہ اور تدفین

باہم مشورہ کے ساتھ رات نو بجے جنازہ کا اعلان کیا گیا جو عشا کی نماز کے متصل جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم میں ہی ادا کیا جانا تھا، اس مرد قلندر کی دو خواہشات تھیں جو اللہ رب العزت نے اپنے غیب کے خزانے سے پوری فرمائیں ایک یہ کہ ۱۹۹۹ء میں انہوں نے جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ میرا جنازہ بھی اسی مسجد سے اٹھے" اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات سے ایک دو دن پہلے تیز ترین بارش برسا دی جس کی وجہ سے گوجرانوالہ کے تمام بڑے گراؤنڈ پانی سے بھر گئے اور متوقع ہجوم کے پیش نظر بھی مجبوراً جامع مسجد نور میں ہی آپؒ کا جنازہ پڑھایا گیا، جس کی امامت کی ذمہ داری بھی احباب نے مجھ ناتواں پر ڈال دی چنانچہ ایک لاکھ افراد سے زائد لوگوں نے اس مرد درویش کے جنازہ میں شرکت کی، ان کی دوسری خواہش یہ تھی کہ انہیں مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العزت نے وہ بھی پوری فرما دی گوجرانوالہ کے قدیمی قبرستان میں رات سوا دس بجے انہیں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیا گیا، آپؒ کو قبر میں اتارنے کیلئے عزیزم محمد ریاض، عزیزم محمد عرباض اور مولانا حافظ عبدالقدوس قارن قبر میں اترے، تدفین کے بعد سر کی جانب سورۃ البقرہ کا آغاز شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی نے تلاوت کیا اور پاؤں کی جانب سورۃ البقرہ کا اختتام عزیزم محمد ریاض نے تلاوت کیا اور دُعا حضرت شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی نے کرائی۔

یوں علم و حکمت کا یہ پہاڑ خدا کے حضور پیش ہوگیا، ایسی ہی کسی قبر کے متعلق شاعر نے بجا طور تعجب کا اظہار کیا تھا جو اب یقینی طور پر آنکھوں کے سامنے ہے۔

عجبا لا ربع اذرع فی خمسة

فی جوفها جبل اشم کبیر

تعجب ہے چار فٹ چوڑی اور پانچ فٹ لمبی قبر پر جس کے اندر ایک بڑا بلند پہاڑ دفن ہے۔

قبر سے خوشبو مہک اٹھی

تدفین کے بعد تین دن تک آپؒ کی قبر کی مٹی سے خوشبو مہکتی رہی جو احقر نے خود بھی اور کئی جید علماء کرام اور عوام الناس نے سونگھی اور محسوس کی بلکہ محفوظ کی، وہ اس طرح کہ ہمارے ایک نمازی محمد ریاض بوہڑ ایک شیشی میں وہ مٹی ڈالکر لائے، تاکہ مجھے دکھائیں، پھر احقر نے قبر پر حاضر ہوکر بھی اس کی تصدیق کی اور وہ مٹی کی ایک چٹکی جو شیشی میں محفوظ کی گئی تھی آج ساڑھے تین ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی مہک رہی ہے اور عزیزم محمد ریاض کے پاس محفوظ ہے، اس کرامت کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی اور عقیدت مند وہاں آ کر مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے اور قبر کو زمین کے ساتھ برابر کر دیا، جس کی وجہ سے ہمیں بڑی پریشانی اٹھانی پڑی اور قبر پر متعدد بار مٹی ڈلوائی گئی، لوگوں کو بے حد سمجھایا گیا کہ مٹی نہ اٹھائیں لیکن ایسے میں کون سنتا ہے، آپؒ کی قبر پکی بنائی گئی ہے، لیکن اندھے عقیدت مند از خود ہی وہاں جا کر پھول بھی ڈال آتے ہیں، پانی بھی چھڑک آتے ہیں، پرندوں کے لئے دانا بھی ڈال آتے ہیں، اور کسی نے تو توڑی والی مٹی کے ساتھ لیپ بھی کر دیا تھا، بندہ نے پھر اس پر مٹی ڈلوائی، یہ ان لوگوں کی ذاتی کارروائی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے اور صاحب قبر کے عقیدہ و مشن پر کاربند ہونے اور انکی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ایک خواب

نبی کا خواب حجت اور وہ وحی کی ایک قسم ہوتا ہے لیکن امتی کا خواب حجت نہیں ہوتا تاہم اس کی تعبیر ضرور ہوتی ہے، بعض خوابوں کی تعبیر تو جناب نبی اکرم ﷺ نے خود ہی متعین فرما دی ہے مثلاً ورقہ بن نوفل کو سفید لباس میں دیکھنے کی تعبیر آپ ﷺ نے اس کے جنتی ہونے کی تعبیر ارشاد فرمائی، اس قسم کا ایک خواب حضرت والد ماجدؒ کی وفات سے تیسری رات احقر نے دیکھا جسے بندہ زندگی بھر نہیں بھلا سکتا، جامع مسجد نور میں بے پناہ ہجوم ہے اور وہ کھچا کھچ بھری ہوئی ہے جیسے ایک بڑا جلسہ ہو رہا ہے، مسجد کی محراب کی جگہ سٹیج ہے اور وہیں حضرت والد ماجدؒ تشریف فرما ہیں، احقر بھی ان کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور دیگر کئی احباب بھی ہیں، حضرت نے بالکل سفید لباس پہنا ہوا ہے (ایسا اجلا سفید کہ ایسی سفیدی میں نے کبھی نہیں دیکھی) اور پھر آپؒ کی داڑھی بھی بالکل سفید اور

پہلے سے گھنی لمبی اور گول ہے، جو بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہی ہے، اور آپؒ کا چہرہ بالکل سرخ اور سفید ہے (ایسی کیفیت محسوس ہوئی جیسے آپؒ کے چہرہ پر ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ تھی اس وقت جب سردیوں کے موسم میں آپؒ دھوپ میں بیٹھتے یا ویسے آپ کو غصہ آتا یا بلڈ پریشر ہوتا تو آپؒ کے رخسار انار کی طرح سرخ ہو جاتے جیسے ابھی خون باہر آ جائے گا) مجھ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا یہاں کون کون آیا ہے؟ میں نے کہا ہر قسم کے لوگ آئے ہیں سب مسلکوں والے بھی ہیں، پھر مجھے فرمانے لگے کہ شاہ ولی اللہ مجھ سے حسد کرنے لگا ہے کہ میں اس سے کیوں بڑھ گیا ہوں، یہ بات سن کر میرے دو ہم کلاس ساتھی عبداللہ اور ظفر ہنسنے لگے جو وہاں قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، تو میں نے حضرت والد ماجدؒ سے کہا کہ ان کو ابھی ان باتوں کی سمجھ نہیں ہے، پھر مجھے پوچھنے لگے میں نے بھی کچھ کہنا (بیان کرنا) ہے؟ میں نے کہا ہاں، پھر میں سپیکر کو ان کے سامنے سیٹ کرنے لگا وہ بیٹھے ہوئے تھے، جب سپیکر سیٹ ہو گیا تو خود ہی سپیکر کو پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے سیدھا کر لیا، بڑے صحت مند اور توانا محسوس ہوتے ہیں، بغیر کسی سہارے خود ہی جلدی سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں کھڑا ہو کر بیان کروں گا، آپ سپیکر کے سامنے کھڑے ہیں اور لوگ ہمہ تن گوش بیٹھے ہوئے ہیں اور آپؒ کے دل کی جگہ سے ایک روشنی نکل رہی ہے جو چکور شکل کے باریک پائپ کی طرح سرخ لائٹ اور مربع شکل میں دور تک جا رہی ہے، لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور مسجد کے ہال میں کچھ دوری سے ایک پولیس والا کھڑا ہو کر اپنی گردن کو آگے کر کے بڑے تعجب کے ساتھ اس روشنی کی طرف دیکھ رہا ہے اور میں بھی بیٹھے ہوئے سر اٹھا کر ان کی اسی روشنی کو دیکھ رہا ہوں، اسی دوران میری آنکھ کھل گئی اور طبیعت میں بے حد بشاشت پیدا ہو گئی، واللہ اعلم بالصواب۔

سفید لباس کی تعبیر تو جناب نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دی ہوئی ہے، اس لئے اس پر یقین ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دل سے نکلنے والی روشنی سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے بھی دین کا کام لے لے، آمین یا رب العالمین۔

شب فراق میں بجھے ہوئے چراغوں کو
تیرے خیال کی لو سے جلا رہا ہوں
تیرے خیال کی دنیا میں جلوہ گر ہو کر
تیرے فراق کو ارماں بنا رہا ہوں

(مضمون مولانا محمد فیاض خان سواتی از ماہنامہ نصرۃ العلوم مفسر قرآن نمبر)

حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ

(وفات: ۲۹ / جون ۲۰۰۸ء)

تجوید وقرات کے شہرۂ آفاق استاد حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی قدس سرہ (۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۹ جون ۲۰۰۸) کو مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحبؒ سے تعارف نہ رکھنے والے حضرات شاید اندازہ نہ کر سکیں کہ ان کی رحلت علمی، دینی اور تدریسی حلقوں کا کس قدر عظیم نقصان ہے۔ حضرت قاری صاحب علم وفضل، اخلاص وللّٰہیت اور ذہانت وفطانت میں ممتاز تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے انہیں قابلِ رشک حافظہ عطا فرمایا تھا۔ غیر معمولی ذہانت اور نادر المثال حافظہ کے امتزاج کی وجہ سے انہیں قرات عشرہ، سورۂ فاتحہ کی طرح از بر تھیں اسی طرح درسِ نظامی کی کتابیں اور فنون متحضر تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے جامعہ خیر المدارس ملتان سے ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴ء) میں سندِ فضیلت حاصل کی اس وقت جامع خیر المدارس میں تدریسِ حدیث کی مسندیں استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ ولی کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیرویؒ۔ حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن فیروز پوریؒ جیسی شخصیات سے آباد تھیں۔ ان حضرات کی فیض رسانی حضرت قاری صاحبؒ جیسے جوہر قابل کے لئے سونے پر سہاگہ تھی۔ چنانچہ دورۂ حدیث شریف میں خیر المدارس اور ''وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات میں حضرت قاری صاحب نے پورے پاکستان میں پہلی پوزیشن حاصل کی ''وفاق المدارس العربیہ'' کی سند میں ان کے نام کے ساتھ ''ممتاز مع الشرف'' اور خیر المدارس کی سند میں ''فائق الاقران'' لکھا گیا۔

واضح رہے کہ مدارس کی فضا میں ''فائق الاقران'' کے امتیازی الفاظ صرف اسی فاضل کی سند پر لکھے جاتے ہیں جو علم وفضل، ذہانت وحافظہ، محنت واطاعت، دیانت اور اخلاق میں تمام ساتھیوں سے ممتاز اور فائق ہو۔

حضرت قاری صاحبؒ زمانہ طالب علمی ہی میں اپنے اساتذہ کی نظر میں کس قدر محبوب ومقرب تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ دورۂ حدیث والے سال حضرت قاری صاحبؒ نے حفظ یا قرأۃ کے کسی مقابلہ میں شرکت کے لیے ایک دن کی چھٹی لی، استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ قدس سرہ سبق کا ناغہ گوارا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ شدید علالت ومصروفیات میں بھی تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مگر جماعت میں حضرت قاری صاحبؒ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ''آج طاہر چھٹی پر ہے اس لیے سبق کل ہوگا'' حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ جیسی ہستی کا ''ایک طالب علم'' کی رعایت میں سبق نہ پڑھانا اس ''طالب علم'' کی غیر معمولی محبوبیت کا مظہر ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنے محبوب استاذ، مجدد قرأت حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی کی منشاء کے مطابق تحفیظ وتجوید قرآن کریم کے شعبہ کو اصالۃً اختیار کیا اور اس میدان میں اپنے استاذ ومربی کی طرح بے مثل استاذ بلکہ امام ومجتہد ثابت ہوئے۔ تحفیظ کے ساتھ ساتھ آپؒ نے اپنے ذوق کے مطابق جامعہ قاسم العلوم ملتان میں درسِ نظامی کی کتابیں بھی پڑھائیں۔ حدیث شریف کی اساسی کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' سالہا سال زیر درس رہی۔ اپنے مزاج کے مطابق محنت تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ پڑھاتے اسی اثناء میں آپؒ نے مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح بھی تالیف فرمائی۔ آپؒ کی تالیفات کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے۔ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپؒ نے ''دفاع قرآات'' کے نام سے ایک قابلِ قدر کتاب یادگار چھوڑی ہے جس میں ''قراآت عشرۃ'' پر ایک شخص کے اشکالات واعتراضات کا تحقیقی جواب ہے۔

ملتان میں حضرت قاری صاحبؒ کی تدریس کا زیادہ زمانہ جامعہ قاسم العلوم میں گزرا۔ کچھ وقت جامعہ خیر المدارس میں بھی پڑھایا۔ ۲۶ سال تک پاکستان میں قرآن وسنت اور علوم دینیہ کی خدمت کے بعد حضرت قاری صاحب مستقل ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مدینہ

منورہ ۱۹ سالہ قیام کے دوران دم واپسیں تک قرآن کریم اور علم دین کی خدمت میں مشغول رہے۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد جلد ہی عرب حضرات کو حضرت قاری صاحبؒ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور قراآت عشرہ میں غیر معمولی مہارت مقام کا اندازہ ہوگیا، چنانچہ بہت سے حضرات نے آپؒ سے تلمذ کا رشتہ قائم کیا، دوسرے حضرات بھی انتہائی محبت، احترام اور عقیدت کا معاملہ رکھتے تھے، خاص طور پر امام و خطیب مسجد نبویؐ فضیلۃ الشیخ علی عبدالرحمٰن حذیفی حفظہ اللہ کے حضرت قاری صاحبؒ سے دوستانہ مراسم اور محبانہ تعلقات تھے۔

آپؒ نہایت عابد، زاہد اور متقی انسان تھے۔ پاکستان میں بھی ان کی شب بیداری، تلاوت سے شغف، خدمتِ قرآن، دینی استقامت، نماز باجماعت، صف اول اور تکبیرۂ اولیٰ کی پابندی معروف تھی۔ مگر ہجرۃ کے بعد تو انہوں نے خود کو تمام مشاغل سے یکسو ہو کر عبادت، ریاضت، تلاوت اور مجاہدہ کے لیے وقف کر لیا تھا، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صف اول میں امام صاحب کی بائیں جانب نماز پڑھنے کا معمول تھا، سالہا سال تک آپؒ کا یہ معمول رہا کہ تہجد کے وقت روزہ رکھ کر اس جگہ آکر معروف عبادت ہوتے اور عشاء کی نماز سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد مسجد شریف بند ہونے تک نماز، ذکر تسبیحات اور تلاوت میں مشغول رہتے، مواجہہ شریف پر آپؒ کی محویت، ادب، محبت اور بے خودی دیدنی ہوتی، دو دو تین تین گھنٹے ایک ہی کیفیت میں سر جھکائے درود و سلام میں مشغول رہتے، بالکل وہی کیفیت۔

پھروں پسِ دیوارِ لیلیٰ ، مجنوں
کھڑا ہے تو کھڑا ہے بیٹھا ہے تو بیٹھا ہے

مگر وہ کیفیت نفسانی اور عشق مجازی کی تھی اور یہ کیفیت ایمانی اور عشق حقیقی کی تھی، برادرم حافظ محمد اسحاق ملتانی (ادارہ تالیفات اشرفیہ) سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھے ہوئے کچھ فاصلہ پر میں نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ شخص رکوع میں گیا تو تقریباً گھنٹہ بھر اس نے رکوع سے سر نہیں اٹھایا مجھا میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ حضرت قاری محمد طاہر صاحبؒ نہ ہوں، قریب آکر دیکھا تو میرا خیال درست نکلا، حضرت قاری صاحبؒ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے پروردگار سے راز و نیاز میں مشغول تھے۔

مکہ مکرمہ میں بھی آپؒ کی عبادت اور مجاہدہ درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا، حجاز مقدس میں ۱۹ سالہ قیام کے دوران کئی کئی مہینہ مکہ مکرمہ میں گزارنے کا موقع نصیب ہوا، مکہ مکرمہ میں روزہ کے ساتھ چالیس طواف روزانہ کرنے کا معمول تھا، طواف کے دوران تلاوت میں مشغول رہتے، ایک مرتبہ مطاف میں راقم السطور کی ملاقات بھی ہوئی، بہت ہی محبت و اخلاق سے ملے اور دعاؤں سے نوازا۔

ایک مرتبہ حضرت کی اہلیہ محترمہ (صاحبزادیٔ حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ) بھی ہمراہ تھیں۔ انہوں نے بھی حضرت قاری محمد طاہر صاحبؒ کے ساتھ طواف شروع کر دیا، تین طواف (۲۱ شوط) مکمل ہونے کے بعد انہوں نے کہا کہ اب مجھ سے نہیں چلا جاتا کچھ دیر آرام کرلیں۔ اس پر حضرت قاری صاحبؒ نے ہمت بندھاتے ہوئے فرمایا کہ ''شروع شروع میں ایسے ہی ہوتا ہے پھر ٹانگیں مضبوط ہو جاتی ہیں'' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان جیسا ایمان و مجاہدہ نصیب فرمائیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کو جگر کا عارضہ تھا، بیماری کے آخری ایام میں احباب نے باصرار مُلک چائنہ جانے کا مشورہ دیا اور عرض کیا وہاں اس بیماری کا علاج بہتر طور پر ممکن ہے، حضرت قاری صاحبؒ نے اس مشورہ کو سختی سے مسترد کر دیا اور فرمایا کہ اب زندگی کے جتنے دن ہیں مدینہ منورہ سے جدا ہونا نہیں چاہتا اب مدینہ منورہ کی موت اور جنت البقیع میں تدفین کی تمنا ہے، اللہ تعالیٰ پوری فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول و محبوب بندے کی اس تمنا کو پورا فرمایا اور ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ کی صبح کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں نماز جنازہ کے بعد آپ کو جنت البقیع میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر مبارک کے قریب سپرد خاک کر دیا گیا۔

آخر گِل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

نماز جنازہ امامِ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام شریف فضیلۃ الشیخ عبدالباری حفظہ اللہ نے پڑھائی، نماز جنازہ پڑھنے والوں میں امام شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی بھی اشکبار آنکھوں

کے ساتھ موجود تھے، حضرت قاری صاحبؒ کے صاحبزادے قاری عبدالقادر رحیمی نے بتایا کہ والد صاحبؒ نے آخری وقت میں تیمم کیا اور اذان کے کلمات کا جواب دیتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت قاری صاحبؒ اپنے دادا استاذ امام القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد مہاجر مدنیؒ اور شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے مجاز بیعت تھے، ہم کمزوروں کی بارگاہِ خداوندی میں حضرت قاری صاحبؒ کی مغفرت و رفع درجات کے لیے دل سے دعا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو اس سانحہ پر صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آپؒ کے صاحبزادے قاری عبدالقادر رحیمی اور ان کے دوسرے بھائی، اہلیہ محترمہ اور برادرِ نسبتی مولانا قاری اہل اللہ رحیمی اور قاری محمد نصر اللہ رحیمی ہماری دلی تعزیت کے مستحق ہیں بلکہ حضرت کے تمام تلامذہ اور متعلقین بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کامل ایمان نصیب فرمائیں اور کامل ایمان پر خاتمہ مقدر فرمائیں، آمین۔

(ماہنامہ نقیب ملتان، اگست ۲۰۰۸ء اداریہ تحریر: مولانا محمد ازہر صاحب)

امام اہل السنۃ شیخ الحدیث

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

(تاریخ وفات: ۵/مئی ۲۰۰۹ء)

حضرت امام اہل السنۃؒ کے پوتے احسن خدامی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

دادا جان رحمہ اللہ کو دین سے انتہا درجے کا شغف تھا، تشدید بیماری کے عالم میں جب چلنا پھرنا تو دور معمولی حرکت کرنا بھی دشوار تھا، اس حالت میں بھی دینی شغف ایسا تھا کہ اکثر اوقات مختلف کتب سننے میں گزرتے تھے، بعض اوقات تو تین تین، چار چار گھنٹے مسلسل سنتے رہتے تھے، مجھے بطور سعادت جو کتب سنانے کا موقع ملا ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: بیس بڑے مسلمان۔ یہ تیرے پُر اسرار بندے۔ دنیا میرے آگے۔ جہانِ دیدہ۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم کا مفسر قرآن نمبر۔

اپنی لکھی ہوئی درد بھری داستان جو مفسر قرآن نمبر میں "میں اور صوفی" کے عنوان سے چھپی تھی وہ بلا مبالغہ مجھ سے تین مرتبہ سنی تھی، اور ہر مرتبہ جہاں ان کی والدہ مرحومہ کا تذکرہ آتا وہاں ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ مجھے ماں کی قدر و اہمیت ان آنسوؤں نے بتائی تھی جس سے میں پہلے نا آشنا تھا۔

جو لوگ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے اکثر اُن سے چار سوالات ضرور کرتے (۱) نام کیا ہے؟ (۲) کہاں سے آئے ہیں / گھر کہاں ہے؟ (۳) کیا کرتے ہیں؟ (۴) والدین زندہ ہیں یا نہیں، اگر زندہ ہیں تو کیا کرتے ہیں؟

-میری والدہ ماجدہ اطال اللہ عمرہا نے حضرت دادا جان رحمہ اللہ کے ۹۰/۸۰ کی دہائی کے

معمولات بیان فرمائے جو کچھ اس طرح ہیں:

"رب کریم کی جانب سے آپ کو جو کمالات ودیعت ہوئے تھے ان میں سے چند ایسے ہیں جن کی مثال محال ہے، نظام الاوقات کی پابندی، شریعت مطہرہ پر عمل کے لیے پوری مستعدی و جانفشانی، اپنے لمحات کو لغویات سے بالکل محفوظ رکھنا اور اس کے ساتھ ہی مخلوقِ خدا کے لیے وقت نکالنا حیرت انگیز ہے، اسے کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ

آپ کی زندگی کا تھوڑا بہت مشاہدہ قریب سے جو میں نے کیا، وہ آپ کی صحت کا زمانہ تھا، ادھیڑ عمر تھی، نظام الاوقات پر گرفت بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح مضبوط تھی کہ ایک منٹ ادھر اُدھر نہیں ہوتا تھا، معلوم ہوا ہے کہ جب آپ درس کے لیے مسجد میں یا سبق کے لئے مدرسہ میں تشریف لے جاتے تو لوگ اپنی گھڑیاں درست کر لیتے تھے۔

آپ کے یومیہ معمولات کو مدنظر رکھ کر ہمیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارا کتنا وقت ضائع ہوتا ہے؟ اور یہی ضائع ہونے والے اوقات شاید روزِ قیامت حسرت کا باعث ہوں گے۔

موسم گرم ہو یا سرد، بہار ہو یا خزاں! آپ غسل کر کے تہجد پڑھتے اور خوب طویل تہجد اطمینان سے ادا فرماتے، نمازِ تہجد مکمل ہوتے ہی تلاوت شروع فرما دیتے، پھر فجر کی سنتیں اور ناشتہ ہوتا، معلوم نہیں دوبارہ وضو فرماتے تھے یا نہیں، ہم لوگ تو آپ کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتے کہ سفید لباس، سفید عمامہ، سیاہ بوٹ زیب تن کئے کتاب ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے کو قفل سے مقید کر کے اس کے اوپر شاپر لپیٹتے (تاکہ بارش سے محفوظ رہے) الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی بارُعب صدا بلند کرتے مسجد تشریف لے جاتے۔ وہاں نماز کی امامت کے ساتھ تین دن قرآن مجید، تین دن حدیث شریف کا درس دیتے اور وقتاً فوقتاً سامعین کا امتحان بھی لیا کرتے، پھر مسجد میں مہمان ملاحظہ فرماتے کہ کوئی مہمان تو نہیں! دستیاب ہوتا تو گھر لے آتے، مہمان کو بیٹھک میں بٹھاتے جس کا دروازہ ڈیوڑھی کے اندر ہے، ڈیوڑھی سے صحن میں قدم رکھتے ہوئے بڑے باوقار انداز میں السلام علیکم کی مسنون صدا بلند ہوتی، باورچی خانہ کے

دروازے پر پہنچ کر اہلِ خانہ کو مہمان کی آمد کی اطلاع دیتے، اور مہمان زیادہ ہوتے تو تعداد بتاتے، اہلِ خانہ کی دلجوئی کے لیے ایک دو جملے ادا کرتے اور اپنے کمرے میں تشریف لے جاتے، تازہ وضو کرتے، تیار ہو کر باہر نکلتے، اسی طریقہ پر کمرہ بند کرتے، صحن میں کھڑے ہو کر اہلِ خانہ سے سوال ہوتا آج کیا پکانا ہے اور کیا کیا منگوانا ہے؟ اس کے مطابق رقم دیتے اور پھر سلامِ مسنون کی سنت ادا کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے جاتے۔

جامعہ نصرۃ العلوم سے آپ کے اس تدریسی سفر کے لیے گاڑی مع ڈرائیور دستیاب تھی، اسی پر مدرسہ تشریف لے جاتے، واپسی کا سفر بھی اسی پر ہوتا، اس کے ڈرائیور کا ناشتہ آپ کے گھر ہوتا۔

واپسی پر گھر میں داخل ہوتے وقت پھر وہی سلام کی سنت ادا ہوتی، کبھی مسکراتے ہوئے برآمدے میں بچھی کرسی پر براجمان ہوتے اور تمام اہلِ خانہ آپ کے گرد جمع ہو جاتے، سب کا حال احوال دریافت فرماتے، تھوڑی دیر یہ محفل رہتی پھر اخبار کا مطالعہ کرتے، کھانا لانے کا اشارہ دیتے ہوئے اپنے کمرے میں تشریف لے جاتے، بعض دنوں میں گھر میں قدم رکھ کر سلام کے بعد کھانے کا حکم دیتے ہوئے اپنے کمرہ میں تشریف لے جاتے، کھانا کھا کر کلی وغیرہ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے، ظہر کے وقت دروازہ کھلتا، نماز باجماعت سے فراغت کے بعد اپنے کمرے میں بچھے جائے نماز پر بیٹھ جاتے، عشاء تک سوائے نمازوں کے اوقات کے اسی مصلے پر قبلہ رُخ بیٹھے رہتے، اس دوران اول تلاوت قرآن مجید پھر حدیث شریف کا مطالعہ فرماتے رہتے، آپ کے سامنے لکڑی کا ایک بینچ (تپائی) رکھا ہوتا جس پر قرآن مجید کتب وغیرہ رکھتے، اسی دوران مہمانوں سے ملتے اور دم تعویذ والے بھی آتے رہتے، مہمانوں کے متعلق بہت حساس تھے، ان سے بڑی ہی خندہ پیشانی سے خیریت دریافت فرماتے، قریبی تعلق داروں سے باقی اعزہ واقارب کا نام لے لے کر حال دریافت فرماتے، عادت آپ کی یہ تھی کہ اہلِ خانہ سے مہمانوں کی مدارت کے متعلق تفصیل دریافت فرماتے، اور پھر مہمانوں سے بھی خورد و نوش اور آرام وغیرہ

کے متعلق پوچھتے، پھران کی خاطر مدارت کا احوال سن کر مسرور و مطمئن ہوتے۔ اعزہ کو وداع کرتے وقت نقد یا کپڑے وغیرہ ضرور ہدیہ دینے کا معمول تھا۔ اپنے گھر میں سادگی سے گزارا ہوتا اور مہمانوں سے ایسا رویہ ہوتا گویا شاہی خزانہ دستیاب ہے۔

بعد نمازِ عصر بچیوں کی ایک جماعت آپ سے چند اسباق پڑھتی تھی، اسباق کی تعداد کبھی تین اور کبھی چار ہوتی، بچیاں چھ سات کی تعداد میں ہوتیں، بتایا جاتا ہے کہ ۲۵ سے ۴۰ منٹ تک حضرت ان اسباق کو اس طرح نمٹاتے کہ کم از کم دو مضامین کا سبق تمام طالبات سے سنتے بھی تھے، یہ آپ کی کرامت فی سبیل اللہ اپنے آپ کو وقف کر دینے کی برکت تھی کہ اتنے کم وقت میں یہ تمام اسباق بخوبی نمٹ جاتے، بعد مغرب طعام، اہلِ خانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو، بعد نمازِ عشاء فوری آرام فرماتے۔"

دادا جان رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں تین بار خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی تھی، جن کی تعبیر یہ ممکن تھی کہ شاید آپ کی زندگی میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہو جائے، تعبیر کی غلطی اپنی جگہ لیکن خدا شاہد ہے کہ میرے اپنے تصورات دادا جان کے بارہ میں یہ تھے کہ امام مہدی علیہ السلام کو پہچاننے والوں میں آپ بھی ہوں گے، اور عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کی زندگی میں ہی تشریف لائیں گے، یہی تصورات مجھے مجبور کر رہے تھے کہ میں دادا جان سے سوال کروں کہ آپ نے تو امام مہدی کو پہچاننا تھا، آپ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کرنی تھی پھر آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے؟...... لیکن میرے ان سوالوں کا جواب دینے والے خود میرے ذہن میں سینکڑوں سوالات ڈال کر دارِ فناء سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے
میری دھڑکنوں کی اساس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے

(مجلہ المصطفیٰ بہاولپور کا امام اہل السنۃ نمبر)

۲۰۰۳ء کی گرمیوں کا ایک دن تھا، جب میں مدرسے سے واپس آیا تو گھر کو اُداس اور پریشان پایا، معلوم ہوا کہ دادا جان پر فالج کا شدید ترین حملہ ہوا ہے، جس سے زبان اور جسم پر گہرا اثر پڑا ہے اور دادا جان کو ہسپتال لے گئے ہیں، طبیعت زیادہ بگڑنے پر انہیں لاہور اور پھر کراچی بھی لے جایا گیا۔ جب گھر آئے تو دیکھا کہ تمام جسم مفلوج ہے اور زبان پر بھی شدید اثر ہے، حافظہ پر

بھی اثر ہو چکا ہے، یاد آئی وہ شام! جب تمام اہلِ خاندان دادا جان کی علالت کا سُن کر گھر میں جمع تھے، دادا جان رحمہ اللہ کو کچھ کھلانے کی کوشش جاری تھی مگر دانت اور جبڑے مفلوج ہونے کی بنا پر دقت پیش آ رہی تھی، سب مغموم اور پریشان تھے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ غم اور تکلیفیں اچھوں بُروں سب پر آتی ہیں مگر اہل اللہ اور ابرار کے لئے یہی مصائب، پریشانیاں اور بیماریاں رفعِ درجات کا سبب بنتی ہیں، جبکہ نافرمانوں اور فساق کے لیے یہی تکالیف عذاب کی صورت میں آتی ہیں۔ مصیبت زدہ کا حال دیکھ کر اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تکلیف اس پر عذاب ہے یا محبوبِ حقیقی کی طرف سے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہے۔ اہلِ عذاب اور فساق تو اس تکلیف پر واویلا اور ناشکری کر کے مزید بدبختی کا سامان کرتے ہیں، جبکہ مستانِ مئے اَلست اس نوازش کو سامانِ خوش نصیبی سمجھتے ہوئے وجد میں آ کر پکار اٹھتے ہیں:

لطف و کرم کے پیکر تجھ سے اس کے سوا کیا عرض کروں
مجھ کو جفا کے قابل سمجھا تیری کرم فرمائی ہے

اور محبوبِ حقیقی کی ان خاص عنایات پر ناز کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ:

وہ صرف ہمارے لیے مخصوص رہے ہیں
جو لطف و کرم ان کے جفاؤں کی طرح تھے

دادا جان رحمہ اللہ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا، تمام جسم مفلوج ہے، کھانے پینے کی طاقت نہیں، مگر کوئی حال پوچھے تو بڑی طمانیت اور سکون بھرا جواب ملتا ہے "جس حال میں رب رکھے اس حال میں خوش ہیں"۔

لطفِ سجن دم بدم ، قہرِ سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ ، اوں وی سجن واہ واہ

وہ وقت دادا جان رحمہ اللہ اور آپ کے خدام کے لئے بڑی آزمائش کا تھا، جس صبر سے دادا جان رحمہ اللہ نے یہ چھ سال گزارے، وہ نہایت ہی قابلِ تعجب ہے۔

فالج کے حملے کے بعد پہلے پہل تو یادداشت خاصی متاثر ہوئی، اپنے بیٹوں کے نام بھی یاد نہ رہے، مگر بعد میں بفضلہٖ تعالیٰ حیرت انگیز طور پر یادداشت مکمل لوٹ آئی اور تمام وقت کتابوں

کی ساعت میں گزرنے لگا، فالج کے اس شدید اور جان لیوا حملے کے بعد میں نے اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دادا جان رحمہ اللہ کی قوتِ حفظ کے جو حیرت انگیز کرشمے دیکھے، اُن پر عقل اب تک حیران ہے، میں نے اپنے استاذ مکرم مولانا عبدالباسط صاحب مدظلہٗ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ عام لوگوں کے برخلاف اہلِ علم کے دماغ اور یادداشت پر بڑھاپے کا اثر اکثر نہیں پڑتا، (خادم نے بھی اپنے ایک استاذ مکرم سے سنا تھا کہ "محدث کا ذہن مفلوج نہیں ہوسکتا، یہ قاعدہ ہے"۔ ﴿خادم﴾) حضرت دادا جان رحمہ اللہ اس بات کی سچائی کی واضح دلیل ثابت ہوئے۔

۴ رمئی کی شام کے کھانے کے بعد برادرِ مکرم مولانا رشید الحق صاحب والد محترم کی خدمت میں چلے گئے، تھوڑی دیر گزری تھی کہ اخت نوید نے آکر کہا کہ نانا ابو آپ کو بھی بلا رہے ہیں۔ احقر جب والد محترم کے پاس پہنچا تو برادرِ مکرم کرسی پر تشریف فرما تھے، ناچیز نے والد محترم کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے عرض کیا، جی ابا جان! فرمانے لگے ام نوید اور اختِ نوید گوجرانوالہ اپنے گھر جانا چاہتی ہیں ان کو روک لو، میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ ان کو رکنے کی درخواست کردیتے ہیں۔ چنانچہ والد صاحب کچھ خوش ہوگئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا اور باجی سے بات کی تو انہوں نے کہا صرف ایک دو دن کے لیے جانا چاہتے ہیں تاکہ گھر کے کچھ ضروری معاملات سمیٹ سکیں۔ احقر نے عرض کیا کہ والد صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں، خلافِ طبیعت کوئی کام اور بات نہ کریں اگر کوئی ضروری کام ہے تو میں احقر چلا جاتا ہوں، باجی مسکرائیں اور کہنے لگیں کہ ٹھیک ہے نہیں جاتے۔ پھر برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب احقر کے بیٹے ارسلان کو لے کر برادرِ مکرم قاری حماد الزہراوی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ناچیز عشاء کی نماز کے لیے وضو کرنے لگا، تھوڑی تاخیر ہوگئی اور مسجد میں جماعت ہوگئی۔

احقر نے باجی سے عرض کیا کہ والد محترم کی آنکھ لگی ہوئی ہے آپ لوگ کھانا کھالیں۔ میں والد محترم کے کمرے میں نماز میں مشغول ہوگیا، چوتھی رکعت میں تھا کہ والد نے اُختِ نوید کو آواز دی، جواب نہ ملا تو ادھر اُدھر دیکھا اور پھر مجھے آواز دی۔ میں نے جلدی سے آخری رکعت مکمل کی اور حاضر خدمت ہوا، فرمایا مجھے بٹھادو، میں نے بٹھادیا اور عرض کیا کہ دو مہمان ہیں۔ فرمایا، لاؤ۔ میں نے دونوں مہمانوں کو بلایا ایک کا نام مولانا امداد اللہ صاحب تھا دوسرے کا نام معلوم نہیں، دونوں حضرات کراچی سے جماعت میں وقت لگانے کے لیے رائیونڈ تشریف لائے

ہوئے تھے اور وہاں سے شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے آئے۔ یہ حضرات والد صاحب سے ملے اور حدیث کی اجازت چاہی، حضرت نے اجازت دے دی۔ یہ قبلہ والد محترم کی زندگی کے آخری مہمان اور اجازتِ حدیث لینے والے آخری خوش نصیب تھے۔

جب وہ لوگ چلے گئے تو والد محترم نے فرمایا اُختِ نوید کو بلاؤ، اسے بلایا تو فرمایا مجھے لٹا دو۔ چنانچہ عزیزہ نے والد محترم کو پھر لٹا دیا۔ اس کے بعد عزیزم راشد نے والد محترم کا لباس اور بستر بدلا جو کہ خدمت کے باب میں ایک انتہائی دشوار مرحلہ ہوتا تھا، گھر والوں میں صرف عزیزم راشد ہی ایسے تھے جو مضبوط اور صحت مند ہونے کی وجہ سے اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آٹھ سال تک قبلہ والد محترم کو نہلانا، ان کے کپڑے اور بستر بدلنا اور بیت الخلاء سے فراغت جیسی ذمہ داری کو نبھانا انہی کا خاصہ تھا، بہرکیف اس کے بعد باجی اور اختِ نوید والد محترم کے کمرے میں چلی گئیں، تقریباً 11:30 پر برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب واپس تشریف لے آئے اور آرام کی غرض سے اوپر کمرے میں تشریف لے گئے، باقی گھر والے بھی اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے، اور احقر قبلہ والد محترم کے کمرے کے سامنے برآمدے میں ایک چارپائی پر لیٹ کر اس دن کے اخبار پڑھنے لگا۔

تقریباً 12 بج کر 7 منٹ پر عزیزہ اُختِ نوید دوڑتی ہوئی باہر آئی اور کہا ماموں جلدی آئیں نانا جان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ احقر دوڑتا ہوا اندر گیا تو دیکھا والد محترم پھر خون کی قے کر رہے تھے مگر مقدار بہت تھوڑی تھی، ہم نے پیچھے تکیے رکھ کر بٹھایا، والد صاحب کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔ میں نے کہا جلدی سے عزیزم راشد اور بھائی جان رشید الحق صاحب کو اٹھا دو، وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ میری اہلیہ اور عزیزم راشد کی اہلیہ اور ان کی ہمشیرہ جو مہمان آئی ہوئی تھیں سب آناً فاناً جمع ہوگئے۔ ڈاکٹر حضرات کو فون کیے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور حاجی لقمان اللہ صاحب جو کہ گوجرانوالہ شہر میں رہتے ہیں نے فرمایا ہم ابھی پہنچ رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد جب ہاتھ پاؤں کی مالش کی تو طبیعت قدرے بحال ہوگئی۔ سب نے اطمینان کا اظہار کیا کہ بحمد اللہ طبیعت بہتر ہوگئی۔ چنانچہ والد صاحب کو سیدھا لٹا دیا گیا، سب نے دیکھا کہ والد صاحب ٹکٹکی باندھے چھت کی طرف دیکھ رہے تھے اور منہ سے کچھ بول رہے تھے۔ ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی مگر ہم لوگ سمجھ نہیں سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد قے کے لیے ابکائی آئی اٹھا کر بٹھایا مگر قے نہ آ سکی، احقر نے پوچھا ابا جان تکلیف ہے؟ فرمایا، ہاں۔ پوچھا کس جگہ؟ کوئی جواب نہیں دیا۔ احقر نے باری باری سر سینہ اور بازوؤں کی طرف اشارہ کیا تو فرمایا نہیں۔ جب پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو فرمایا ہاں، برادر مکرم مولانا رشید الحق صاحب فرمانے لگے نیم گرم پانی میں شہد ملا کر لاؤ، چمچ کے ذریعے پلانے کی کوشش کی مگر نہ پیا، احقر اور برادر مکرم رشید الحق سامنے تھے، دائیں جانب اخت نوید اور بائیں جانب اُم نوید تھیں۔ عزیزم راشد بیچارہ شٹل کاک کی طرح کبھی اندر کبھی باہر، ڈاکٹروں کے انتظام میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ اس اثناء میں عزیزم مولانا مدثر صاحب جو کہ والد محترم کے پرانے خدمت گزار تھے بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے سر توڑ کوشش کی کہ کوئی ڈاکٹر مل جائے مگر بدقسمتی سے رات کی وجہ سے کوئی ڈاکٹر نہیں مل رہا تھا۔ اسی اثناء والد محترم نے باجی کو آواز دی جو بائیں جانب تھیں، انہوں نے کہا جی ابا جان! پھر اُخت نوید کو آواز دی، پھر اس حال میں کہ دایاں ہاتھ عزیزم راشد کے ہاتھ میں تھا ایک نظر سب کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دائیں کندھے کے بالکل سامنے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور آسمانِ علم کا وہ آفتاب جو برسوں جہالت کی ظلمتیں مٹاتا رہا، اُفق میں غروب ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے بڑے سٹیتھ سکوپ کے ذریعے دل کی دھڑکن جانچنے کی بڑی کوشش کی مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، اس اثنا گکھڑ کے ڈاکٹر عصمت اللہ علوی صاحب تشریف لائے، انہوں نے چیک کیا۔ عزیزم راشد نے ان کے کہنے پر مصنوعی تنفس کی بھی کوشش کی مگر بے سود۔ پھر ڈاکٹر صاحب ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے، زبان سے کچھ نہ کہہ سکے مگر ان کا چہرہ وہ سب کچھ کہہ گیا جو زبان نہ کہہ سکی۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور حاجی صاحب بھی تشریف لے آئے، چیک کیا "انا للہ" پڑھا اور آنکھوں کی برسات میں ہمیں وہ سندیسہ دے دیا جو رہتی دنیا تک ہمیں تڑپاتا رہے گا۔

رات دن محنت سے جس کو اس جہاں میں کام تھا
ہر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغلِ عام تھا
زندگی میں اپنی جو وقفِ غم و آلام تھا

چین سے سوتا نہ تھا بے گانۂ آرام تھا
وہ گیا ہے عالمِ برزخ میں سونے کے لئے
رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کے لئے

آخری دیدار

تقریباً پونے دو بجے خادم، اپنے چھوٹے بھائی عزیزی عبدالرحمٰن خان انس سلمہٗ کے ہمراہ گکھڑ پہنچا تو عزہ نے ہمیں آتا دیکھا تو ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ جلدی آؤ! ہم دوڑتے ہوئے ڈیوڑھی کے راستے اندر داخل ہوئے، بیگ ایک جانب پھینکے اور دادا جان رحمہ اللہ کی چارپائی کی طرف لپکے، چہرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا...... اس قدر سفید رنگت تو آپ کی نہ تھی، پھر یہ نور میں لپٹی سفیدی کہاں سے آ گئی؟ اس قدر شفاف اور روشن چہرہ تھا کہ خادم نے کبھی اس قدر چمکتا چہرہ نہ دیکھا اور دیکھتا بھی کیسے؟...... جنت کے رنگ دنیا میں ہر ایک کو تو نصیب نہیں ہوتے، یہ کسی کسی کی شان ہوتی ہے۔

چند لمحوں بعد چارپائی کو سیدھا کر کے دروازے کے قریب رکھ دیا گیا۔

تایا جان مولانا عبدالقدوس خان قارن دامت برکاتہم العالیہ کے توجہ دلانے پر نمازِ ظہر ادا کی، اتنے میں چارپائی گھر کے اندر رکھ دی گئی تا کہ رشتہ دار خواتین زیارت کر لیں۔ تین بجے کے قریب عم مکرم مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہٗ نے آواز دی کہ آؤ! چارپائی اٹھانی ہے۔ اُف اللہ!...... کس قدر اذیت ناک مرحلہ ہے، کل تک تو ہم آپ کو ایک چارپائی سے اٹھا کر دوسری چارپائی یا کرسی پر بٹھاتے اور آپ کی چارپائی و کرسی کو خوشی خوشی اٹھاتے، اور آپ کی خدمت میں راحت اور اطمینان محسوس کرتے تھے۔ لیکن آج...... یا اللہ کیسے اٹھاؤں......! مجھ سے زیادہ قرب اور تعلق تو چاچو راشد کا تھا، اُن پر کیا بیت رہی ہوگی...... مگر وہ صبر و تحمل کے پہاڑ بنے ہوئے مجھے جھنجھوڑ رہے تھے، میں نے دل کو تسلی اور دلاسہ دیا اور آگے بڑھ کر چارپائی کو اُٹھا لیا...... بچیوں کی آوازیں دل کو چیر رہی تھیں مگر دادا جان نے تو ساری زندگی ہمیں صبر و شکر کا سبق دیا تھا، یہی سوچ کر میں آنسوؤں کے اُمڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ چارپائی کو گلی میں رکھا گیا اور بانس باندھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر چارپائی کو اٹھایا اور کندھوں سے اوپر کر لیا، خادم بھی چارپائی

کے ایک (سر کی جانب کے دائیں) کونے کو مضبوطی سے تھامے سکول گراؤنڈ پہنچ گیا۔

چارپائی کو دروازہ کے اوپر سے اندر لے جایا گیا اور سکول عمارت کے برآمدے میں رکھ کر زیارت شروع کرادی گئی۔ ترتیب یہ تھی کہ برآمدے کی ایک جانب سے لوگ اندر داخل ہوتے اور زیارت کرتے ہوئے دوسری جانب سے نکل جاتے۔ چند منٹ زیارت ہوتی رہی تقریباً نصف گھنٹہ۔ آپ کا چہرۂ اقدس منور تھا کہ نظر ہٹانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ بعض احباب نے ضد کی اور مخالف سمت سے زیارت کے حصول کے لئے برآمدے داخل ہوگئے۔ معلوم نہیں ان کو زیارت ہوسکی یا نہیں۔ مگر برآمدے میں ایک طوفانِ بدتمیزی پیدا ہوگیا، شور، رش، گھٹن اور گرمی کی شدت سے بُرا حال ہوا جارہا تھا، کئی بزرگ بڑے اشتیاق اور بے حد کوشش کے بعد اندر داخل ہوتے ہی واپس پلٹتے نظر آئے۔ احباب کو سمجھایا گیا، منتیں کی گئیں، خدا کے واسطے دیے گئے، بعض سے ذرا سختی بھی برتی گئی مگر لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو کسی طرح بھی قابو میں نہیں آرہا تھا۔ ہر ایک زیارت کا خواہش مند تھا مگر نظم وضبط نہ ہونے کی بناء پر کوئی بھی زیارت نہیں کر پا رہا تھا، محض دھکم پیل جاری تھی۔ اس صورتِ حال سے ہم انتہائی سخت پریشان ہوئے۔ بالآخر مجبوراً چارپائی کو اُٹھا کر سٹیج کی طرف لے جانا پڑا۔ چارپائی کا برآمدے سے نکلنا تھا کہ لوگ دیوانہ وار چارپائی کی طرف دوڑے۔ ان میں علماء بھی تھے، صلحاء بھی، خطباء بھی تھے اتقیاء بھی، مدرسین بھی تھے، مصنفین بھی، مناظرین بھی، طلباء اور کثیر تعداد میں عوام الناس بھی...... ہر ایک کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح سے چارپائی کو یا اس سے بندھے ہوئے بانس کو ہاتھ لگالوں، ورنہ کم از کم اپنا رومال ہی اس سے مس کرلوں، بہت سے مستانے دور سے اپنے رومال چارپائی اور اس سے بندھے بانسوں سے لگانے کی کوششیں کررہے تھے۔ بندہ نے اور بھی اکابرین کے جنازے پڑھے، ان کی چارپائی کو کندھا دیا، ابھی گذشتہ سال ہی تو دادا جان رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی اور زندگی بھر کے شریکِ سفر، مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی کی رحلت ہوئی تھی، اور ابھی چند ماہ قبل ہمارے پھوپھا جان مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ بھی آخرت کو روانہ ہوگئے تھے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابرین، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا عبداللطیف جہلمی، مولانا قاضی مظہر حسین رحمہم اللہ کے جنازے بھی دیکھے، مگر ایسی دیوانگی، وارفتگی اور کثرتِ ہجوم کہیں نظر نہ آیا، ایک صاحب فرمارہے تھے کہ ہم نے بڑا جنازہ مولانا درخواستی رحمہ اللہ کا دیکھا تھا مگر یہ تو اس سے بھی بڑا جنازہ تھا۔ آج تو عجیب ہی منظر تھا۔ بڑی ہی

مشکل اور دِقت سے جبراً چارپائی کو سٹیج تک پہنچا کر ہجوم کو پیچھے روکا گیا صفوں سے آگے بانس باندھے گئے تھے، مزید وہاں احباب کو بھی متعین کر دیا گیا۔ سٹیج پر بھی رش تھا، ملک بھر سے بڑے بڑے علماء لگا تار آتے جا رہے تھے، ہر ایک مائیک پر آ کر اپنے غم اور جذبات کا اظہار کرتا اور پیچھے ہٹ کر غم والم کی تصویر بنا رہ جاتا۔

جنازہ میں تاخیر کے مطالبے

جنازے کا وقت قریب تھا، ملک بھر کے علماء طلباء اور عوام جنازہ میں شرکت کے لئے رواں دواں تھے۔ ہر جانب سے فون پر فون آ رہے تھے کہ حضرت! ہم جامعہ خالد بن ولید ؓ ٹھینگی سے اتنی بسوں میں آ رہے ہیں آپ نصف گھنٹہ تاخیر فرما دیں، ہم جامعہ عمر ابن خطاب ملتان سے اتنے سو ساتھی آ رہے ہیں، ہم جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا سے اتنے ساتھی پہنچنے والے ہیں۔ مگر حال یہ تھا آنے والے احباب نے اپنی گاڑیاں جی ٹی روڈ کے کنارے کھڑی کر دی تھیں، (اور انتظامیہ سے بار بار درخواست کے باوجود ان کی طرف سے ٹریفک کنٹرول کرنے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا) جس وجہ گکھڑ سے دس دس کلومیٹر دور تک ٹریفک بری طرح جام ہو چکی تھی۔ لوگ گاڑیاں چھوڑ کر پانچ پانچ، دس دس کلومیٹر سے دوڑ لگا کر جنازہ میں شرکت کے لئے دیوانہ وار آ رہے تھے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ کے انتہائی قریبی فاصلے پر صفیں بننے کے باوجود 21 ایکڑ کے رقبے پر محیط ڈی سی سکول کا گراؤنڈ آنے والوں کے لئے اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کر رہا تھا۔ گراؤنڈ کے اردگرد خالی کھیت جہاں گاڑیاں کھڑی کرنے کے لئے جگہ چھوڑی تھی پُر ہو چکی تھی۔ جی ٹی روڈ جام ہو چکا تھا۔ چھتوں اور دیواروں پر بھی لوگ موجود تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اڑھائی لاکھ سے زائد افراد جنازے میں شریک تھے جبکہ ایک لاکھ سے زائد حضرات ٹریفک جام اور تاخیر ہونے کی بنا پر گکھڑ کے قرب وجوار میں ہونے کے باوجود جنازہ نہ پڑھ سکے۔

نماز جنازہ

جنازہ کا ٹائم 5:30 رکھا گیا تھا۔ ٹائم ہوتے ہی تایا جان مولانا زاہد الراشدی مدظلہٗ نے مائیک سنبھالا اور جنازہ کا اعلان کرتے ہی جنازہ شروع کر دیا۔ چونکہ حضرت دادا جان رحمہ اللہ وقت کے بہت ہی زیادہ پابند تھے۔ مقرر کردہ نظام الاوقات پر سختی سے عمل پیرا ہوتے اور ایک منٹ

بھی آگے پیچھے نہ کرتے۔ لہٰذا تایا جان نے ان کی اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے عین وقت پر جنازہ شروع کر دیا۔

تدفین

جنازہ کے بعد آپ کی چارپائی کو بڑی ہی مشکل اور بہت زیادہ کوشش کے بعد دیوانے عقیدت مندوں کے ہجوم سے بچا کر گاڑی کے ذریعے گکھڑ کے عام قبرستان میں لے جایا گیا۔ خادم اس گاڑی میں بھی آپ کے پاؤں کی جانب چارپائی کو سہارا دیے بیٹھا رہا۔ قبرستان میں بھی ایک کثیر تعداد میں خلقت موجود تھی۔ مولانا عبدالقدوس قارن، مولانا منہاج الحق خان راشد، میر لقمان اللہ صاحب اور خادم (راقم) نے لحد میں اتارا۔ پھر تایا جان مولانا زاہدالراشدی، مولانا عبدالقدوس خان قارن وغیرہ نے اینٹیں اور گارا لگایا۔ اور عین غروبِ آفتاب کے وقت علم و فضل کے اس آفتاب کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ دفن کرنے اور مٹی ڈالنے کے بعد خادم کے والد مکرم نے البقرہ کا اول رکوع اور خادم (راقم) نے آخری رکوع پڑھا۔ اور پھر تایا جان مولانا زاہدالراشدی مدظلہٗ نے سنت کے مطابق قبر پر دعا کرائی۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی　　اک مسافر کی رہ تمام ہوئی
شب سیہ پوش ہو گئی غم سے　　صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن رحمہ اللہ

سابق صوبائی وزیر اوقاف پنجاب

(وفات: ۶؍جولائی ۲۰۰۹ء)

جس زمانے میں حضرت کامل پوری قدس سرّہٗ مظاہر علوم سہارنپور میں فیض رسانی فرما رہے تھے، اُسی زمانے میں مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحبؒ کی ولادت ہوئی، اور انہوں نے حفظ قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد حضرت کامل پوری قدس سرّہٗ پہلے خیر المدارس ملتان میں، اور اس کے بعد دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں مصروف تدریس رہے، اور قاری صاحب نے بھی حضرتؒ کے زیر نگرانی انہی دونوں مدرسوں میں تعلیم حاصل کی، اور بالآخر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں اپنے والد ماجدؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم محدثین سے حدیث شریف پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب نے راولپنڈی صدر میں کشمیر روڈ پر واقع ایک مسجد میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی، اور یہی مسجد اور مدرسہ ان کی دینی خدمات کا آخر وقت تک مرکز رہا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحبؒ کو ایسی خوش الحانی سے نوازا تھا کہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے تو دل چاہتا تھا کہ انسان سنتا ہی رہے۔

اُن کا قائم کیا ہوا جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ ملک بھر کے اجتماعی کاموں اور ملی تحریکات کا مرکز رہتا تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں حضرت مولانا عبداللہ شہید رحمہ اللہ خطیب لال مسجد اور راولپنڈی میں حضرت قاری صاحبؒ ہی علماء دیوبند کے نمائندہ اور ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ ملک

بھر کے اکابر علماء کرام حضرت قاری صاحبؒ سے محبت رکھتے اور ان پر بھرپور اعتماد کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی عوامی تحریکات کی بھی قیادت کی، اور اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں، اور ایک موقع پر صوبائی انتخابات میں حصہ لے کر نامور سیاسی لیڈروں کو شکست دی، اور بالآخر صوبائی اسمبلی میں پہنچ کر صوبائی وزارت اوقاف کے منصب کو بھی رونق بخشی، لیکن ہر حال میں اُن کے درویشانہ طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

وہ جامعہ اسلامیہ کے بانی و مہتمم بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی۔ اساطینِ محدثین سے براہِ راست کسبِ فیض کے نتیجے میں ان کے درسِ حدیث کی سند بہت عالی تھی، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی ''تجلیاتِ رحمانی'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب میں قلمبند فرمائے ہیں جو حضرتؒ کی سوانح کے علاوہ حضرتؒ کے افادات کا بھی گرانقدر مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کی تقریرِ ترمذی بھی ''معارفِ ترمذی'' کے نام سے انہوں نے ہی مرتب فرمائی، یہ دونوں کتابیں اُن کے علمی مذاق کی آئینہ دار ہیں، اور ان کے افادات کی یادگار۔

ان کی عمر ستر سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اس کے باوجود اُن کی بشاشتِ طبع، اُن کی قوتِ کار اور عزم و حوصلہ کو دیکھ کر ان کی عمر کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا تھا لیکن اس دنیا میں کوئی ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آتا۔ مئی کے مہینے میں اُن پر دل کا حملہ ہوا، بائی پاس آپریشن کے باوجود طبیعت پوری طرح نہ سنبھل سکی، کئی روز سے بے ہوشی بھی طاری رہی، لیکن سنا ہے کہ جب ذرا ہوش آتا تو تلاوت شروع ہو جاتی تھی۔ بالآخر ۶ر جولائی ۲۰۰۹ء کی دوپہر اُن کا وقتِ موعود آ گیا، اور وہ اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

(ماہنامہ البلاغ کراچی۔ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ)

حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ

تکونڈی تحصیل نکودر ضلع جالندھر کی آرائیں فیملی کے چشم و چراغ مولانا محمد علی جانبازؒ تھے۔ جو پہلے مجلس احرار اسلام اور پھر مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ رہے۔ بہت ہی محنتی و جفاکش درویش منش رہنما تھے۔ تقسیم ہند کے بعد سمندری ضلع فیصل آباد بخاری مسجد کے خطیب رہے۔ مرحوم کے صاجزادگان میں سے مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ نے بڑا نام و مقام پایا۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ شہادت کے عالی مرتبہ سے سرفراز ہوئے۔ ان کے برادر مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ بھی ۱۶ جولائی ۲۰۰۹ء کو دل کے دورہ سے داغ جدائی دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ نے جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور دار العلوم کبیر والا سے اکتساب علم کیا اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں دورۂ حدیث کیا۔ فراغت کے بعد والد صاحب کی زیر نگرانی سمندری میں خطابت کے جوہر دکھائے۔ پھر یکدم معلوم ہوا کہ گلگت چلے گئے۔ وہاں بہت عرصہ رہے۔

آپ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد سپاہ صحابہ شعبہ تبلیغ کے نگران بنائے گئے، مشن اور موقف کو دلائل سے منوانے کا ملکہ رکھتے تھے، کارکنوں سے بھرپور محبت کرتے اور ان کی سرپرستی کرتے۔ صحابہ کرام کی مدح سرائی زندگی کا جزو لاینفک تھی۔ آخری ایام میں حیات النبی کا موضوع آپ کی پہچان بن چکا تھا، جس پر آپ مدلل انداز میں گھنٹوں بول لیا کرتے۔

مولانا عطاء الرحمٰن شہبازؒ نے گوجرانوالہ میں ۱۶ جولائی کو بعد از ظہر مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ عقیدہ حیات النبیؐ پر دھواں دھار خطاب کیا۔ گرمی کی حدت و شدت سے نڈھال، پسینہ سے شرابور، اختتام بیان پر مسجد کے ہال سے برآمدۂ مسجد میں آئے تو دل کے دورے دراز ہو گئے۔ ایمبولینس منگوائی گئی۔ ہسپتال لے جایا گیا۔ لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کے بیان کے بعد مناظر اسلام مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہٗ کا خطاب شروع تھا کہ ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔ عشاء کے بعد نصرۃ العلوم میں نماز جنازہ حضرت تونسوی مدظلہٗ کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ جنازہ سمندری لایا گیا۔ اگلے روز سمندری میں نماز جنازہ کے بعد والد گرامی مرحوم کے پہلو میں سپرد خاک ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

حضرت مولانا محمد فیروز خان ثاقبؒ

(وفات: ۹ر مارچ ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا محمد فیروز خان ثاقب بھی انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ لکھتے ہیں:

وہ شاید فضلائے دیوبند میں سے ہمارے علاقے میں آخری بزرگ تھے، اب کوئی فاضل دیوبند اس علاقے میں میرے علم میں موجود نہیں ہے۔ اس سے چند ماہ قبل مولانا لالہ عبدالعزیز سرگودھوی کا بھی انتقال ہوگیا ہے، جو فاضل دیوبند تھے۔ وہ ایک عرصہ تک مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے ناظم اور محکمہ اوقاف کے ڈسٹرکٹ خطیب رہے ہیں۔ گلی لانگریاں والی گوجرانوالہ کی مسجد کے امام وخطیب تھے۔ میں نے مدرسہ نصرۃ العلوم میں طالب علمی کا سارا دور انہی کی نظامت میں گزارا ہے اور وہ میرے درس نظامی کے ابتدائی اساتذہ میں سے بھی ہیں۔ ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

ان کے بعد ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اب دیوبند کی آخری نشانی ہمارے پاس حضرت مولانا محمد فیروز خان رہ گئے ہیں، وہ بھی آج (9 مارچ کو) ہم سے رخصت ہو گئے۔

گزشتہ جمعہ کو میں ان کی عیادت کے لیے ڈسکہ حاضر ہوا تھا، کچھ عرصہ سے وہ بیمار تھے مگر بیماری کے باوجود 5 فروری کو یوم کشمیر کے جلوس سے خطاب کیا اور اس روز جمعۃ المبارک کے اجتماع میں بھی اسی مسئلہ پر تقریر کی، جس کے بارے میں ان کے بعض سامعین کا کہنا ہے کہ انہوں نے جوانی کے دور کی یاد تازہ کردی۔ یہ ان کا آخری عمومی خطاب تھا۔ بیماری کے ایام میں بھی اسباق پڑھاتے رہے اور بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے دارالعلوم مدنیہ میں 28 فروری بدھ کو بخاری شریف کا آخری سبق پڑھایا۔ ریڑھ کی ہڈی کی تکلیف تھی، اور جگر کا عارضہ بھی تھا۔ گزشتہ ہفتے ایک شب

چارپائی سے اٹھتے ہوئے گر گئے، جس سے ریڑھ کی ہڈی کی تکلیف بڑھ گئی، پھر باقی ایام بے چینی اور اضطراب میں ہی بسر کیے۔ لاہور کے میو ہسپتال میں لے جایا گیا، چند دن رہے، مگر واپسی کے لیے بے تاب رہے اور گزشتہ بدھ کو انہیں واپس ڈسکہ لایا گیا۔ میں جمعہ کی شام کو عزیزم عمار خان اور ڈاکٹر محمد رفیق کے ہمراہ حاضر ہوا۔ بے چینی کی حالت میں تھے، بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، چند لمحے ہم نے ان کی زیارت کی اور پھر دعائے صحت کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ہماری ان سے رشتہ داری بھی تھی کہ ان کے برادر نسبتی مولانا مفتی محمد رویس خان ایوبی آف میرپور آزاد کشمیر میرے حقیقی خالو ہیں، جبکہ میری خالہ زاد بہن مولانا محمد فیروز خان کی بہو ہیں۔ ان کا تعلق آزاد کشمیر کی وادی نیلم سے تھا۔ غالباً 1956ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے اور ان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں آگئے اور دارالعلوم مدنیہ کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا، جو اب ضلع سیالکوٹ کے بڑے دینی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور قادیانی امت کے عالمی لیڈر چودھری ظفر اللہ خان کا تعلق بھی ڈسکہ سے تھا اور ان کا خاندان ایک عرصہ تک یہاں آباد رہا ہے۔ مولانا فیروز خان نے ظفر اللہ خان کی خاندانی حویلی کے سامنے ایک خالی جگہ پر ڈیرہ لگالیا، مزاج میں جلال غالب تھا، متحرک اور فعال عالم دین تھے اور دینی حمیت وغیرت کا مجسمہ تھے، اس لیے خوب گہما گہمی رہی اور "اِٹ کھڑکا" وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔

ہمارا طالب علمی کا دور تھا اور دارالعلوم مدنیہ کا سالانہ جلسہ خاصا معرکے کا ہوتا تھا۔ ہم بائیسکلوں پر گوجرانوالہ سے جلسہ سننے جایا کرتے تھے۔ میں نے خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے دو ہی خطاب سنے ہیں، ایک شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں اور دوسرا دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ میں۔ ڈسکہ کے خطاب کا آغاز حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے اس دلچسپ جملہ سے کیا تھا کہ

"آپ کے شہر کا نام بھی عجیب ہے، کہاں چلے ہو؟ ڈس کے!"

مولانا محمد فیروز خان کا بھرپور جوانی کا دور تھا اور وہ ہاتھ میں رائفل پکڑے پوری تقریر کے دوران حفاظت کے لیے اسٹیج پر کھڑے رہے۔ اس دور میں علماء کرام عام طور پر ہتھیاروں سے

نا آشنا تھے، زیادہ سے زیادہ کسی کے ہاتھ میں کلہاڑی ہوتی تھی، صرف حضرت مولانا بشیر احمد پسروری ہاتھ میں تلوار رکھتے تھے اور صاحب السیف کہلاتے تھے۔ اس زمانے میں کسی عالم دین کے ہاتھ میں ریوالور یا رائفل کا ہونا بہت رعب اور دبدبے کی بات سمجھی جاتی تھی اور مجھے بھی اسٹیج پر مولانا فیروز خان رائفل بدست کھڑے بڑے بارعب لگے، جس کا نقشہ ابھی تک ذہن میں موجود ہے۔

دار العلوم مدنیہ کے جلسے کا اسٹیج چودھری ظفر اللہ خان کی خاندانی حویلی کے سامنے ہوتا تھا، اس لیے اس اسٹیج پر احراری خطابت کی گھن گرج عجیب سماں پیدا کرتی تھی۔ میں نے اسی اسٹیج پر سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی کا پہلا خطاب سنا، جو کئی گھنٹوں پر مشتمل تھا اور ان کے خطیبانہ جوش وخروش اور مناظرانہ کروفر کے بارے میں اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ چودھری ظفر اللہ خان کی خاندانی حویلی کے سامنے کھڑے خطاب کر رہے تھے۔

حضرت مولانا محمد فیروز خان ثاقب اعلیٰ پائے کے مدرس تھے، بالخصوص ادب اور معقولات میں چوٹی کے اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ میں نے ان سے کوئی باقاعدہ سبق نہیں پڑھا، البتہ مدرسہ نصرۃ العلوم کے سالانہ امتحان میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے اور میں نے انہیں بعض کتابوں کا امتحان دیا ہے، اس لیے میں نے ہمیشہ انہیں اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور زندگی بھر ان سے اسی نوعیت کی نیازمندی رہی ہے۔ وہ بھی ہمیشہ شفقت فرماتے تھے، دعاؤں سے نوازتے تھے، سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے اور غلطیوں پر ٹوکتے بھی تھے۔ ایک موقع پر حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری نے شاہی مسجد پسرور کے سالانہ جلسہ میں مجھے بھی خطاب کا حکم دیا، میرا نوجوانی کا دور تھا، حضرت مولانا بشیر احمد پسروری صدارت فرما رہے تھے، مولانا محمد فیروز خان بھی اسٹیج پر تھے، مجھے خطاب کے لیے کہا گیا تو حضرت مولانا محمد فیروز خان مجھے ایک طرف لے گئے اور فرمایا کہ یہاں سوچ سمجھ کر بولنا، بابا جی جلالی بزرگ ہیں کوئی بات غلط ہو جائے تو تقریر کے درمیان کھڑے ہو کر ٹوک دیا کرتے ہیں۔ میں بحمد اللہ تقریر میں ویسے ہی محتاط رہتا ہوں، مگر اس تقریر میں مجھے بہت زیادہ محتاط ہونا پڑا۔ حضرت مولانا محمد فیروز خان نے یہ بات حضرت پسروری کے بارے میں کہی تھی، مگر میں خود مولانا محمد فیروز خان کی موجودگی میں بھی محتاط رہتا تھا کہ اس طرح کے جلال کی جھلک کبھی کبھی وہ بھی دکھا دیا کرتے تھے۔

جمعیت علماء اسلام میں ان کے ساتھ طویل جماعتی رفاقت رہی۔ وہ ایک عرصہ تک

جمعیت علماء اسلام سیالکوٹ کے ضلعی امیر رہے۔ ضلعی سیالکوٹ سے متعلقہ جماعتی معاملات کے لیے زیادہ تر انہی کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔ دینی تحریکات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ خود ان کا اپنا مزاج تحریکی تھی، جب تک صحت نے ساتھ دیا دینی معاملات میں کسی نہ کسی حوالہ سے پیش رفت کرتے رہتے تھے۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت، 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ، 1984ء کی تحریک ختم نبوت اور 1987ء کی شریعت بل کی تحریک میں ہمارا ساتھ رہا۔ ان کا جوش وجذبہ اور عزم واستقلال دیکھ کر مایوس دلوں میں حوصلہ پیدا ہو جاتا تھا اور خاموش مزاج لوگوں کا بھی بولنے اور کچھ کر گزرنے کو جی چاہنے لگتا تھا۔ وہ بے باک اور دبنگ مقرر تھے، پبلک اجتماع ہو یا خصوصی محفل، کارکنوں کا اجلاس ہو یا اعلیٰ سطح کی شورائی میٹنگ ہر جگہ وہ دوٹوک اور بے لچک بات کرتے تھے، غیر ضروری مصلحتوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرتے تھے اور جہاں ضرورت محسوس کرتے ڈٹ جاتے تھے۔ وہ قید وبند کی صعوبتوں سے کئی بار دوچار ہوئے مگر ہر آزمائش سے سرخرو نکلے۔ سرکاری افسران کے ساتھ امن کمیٹیوں میں بیٹھتے تھے اور مختلف معاملات میں مذاکرات کرتے تھے مگر عالمانہ وقار اور قائدانہ بے نیازی کا دامن ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتا تھا اور اس موقع پر وہ حکمت وتدبر اور جرأت وجسارت کا عجیب سا امتزاج بن جاتے تھے۔

والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کے ساتھ ان کا ہمیشہ قریبی تعلق رہا۔ مسلکی، جماعتی اور تعلیمی معاملات میں مشاورت وتعاون کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تینوں فضلاء دیوبند تھے اور تینوں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے۔ اس نسبت کا رابطہ الگ سے لطف دیتا تھا۔ میری ہمیشہ ان سے نیازمندی رہی ہے اور میں نے ان سے نہ صرف بہت سے معاملات میں استفادہ کیا ہے، بلکہ راہ نمائی بھی لی ہے۔ آج اس روایت ومزاج کے حضرات کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں اور میں ذاتی طور پر اب زیادہ تنہائی محسوس کرنے لگا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں، جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ سے نوازیں اور ان کے فرزندوں اور اہل خاندان کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق دیں، آمین یارب العالمین۔

میر کاروانِ تحفظِ ختم نبوت، خواجۂ خواجگان

حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ

(وفات: ۵ رمئی ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خان محمد بن ملک خواجہ محمد عمر بن ملک مرزا خان بن ملک غلام محمد۔ قوم تلوکر۔ جو راجپوت برادری کی ایک شاخ ہے۔ تلوکر قوم کا قدیم پیشہ زمیندارہ ہے۔ خواج محمد عمر صاحب خدا ترس، نیک خصلت، سادہ منش زمیندار تھے۔ خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے سراج الاولیاء حضرت خواجہ سراج الدینؒ سے بیعت کا تعلق تھا۔ آپ ان کے خدمت گار، محبّ و مخلص مرید تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ آپ کو ''نکا'' مرید سے یاد فرماتے تھے۔ نکا مرید یعنی چھوٹا مرید۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ خواجہ محمد عمر صاحب، حضرت خواجہ ابوالسعد احمد خانؒ بانی خانقاہ سراجیہ کے چچازاد بھائی تھے۔ خواجہ ابوالسعد احمد خانؒ کی بیعت بھی حضرت خواجہ سراج الدینؒ سے تھی۔ وہ بڑے مرید اور آپ کے چچازاد بھائی خواج محمد عمر صاحب کو شاید اسی نسبت سے نکا مرید (چھوٹا مرید) کے نام سے یاد فرماتے۔

خواجہ محمد عمر کو اللہ تعالیٰ نے چار صاحبزادے بالترتیب ملک شیر محمدؒ، مولانا خواجہ خان محمدؒ، ملک فتح محمدؒ، ملک محمد افضلؒ ودیعت فرمائے۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ کی تاریخ پیدائش حتمی طور پر متعین کرنا مشکل ہے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۹۰۹ء اور دوسری روایت کے مطابق ۱۹۲۰ء آپ کا سنِ پیدائش ہے۔ موضع کھولہ بستی ڈنگ نزد کندیاں میں آپؒ کی پیدائش ہوئی۔ یہاں پر ہی خواجہ محمد عمر اور آپ کا پورا خاندان آباد تھا۔ چشمہ بیراج کی تعمیر پر وہاں سے نقل مکانی کر کے اکثر خاندان خانقاہ سراجیہ میں آ کر آباد ہوا، خانقاہ سراجیہ کی بعد میں بنیاد رکھی گئی۔

آپ نے چھٹی کلاس تک بنیادی تعلیم بستی ڈنگ کے قریب موضع کھولہ کے لوئر مڈل سکول میں حاصل کی۔ بعد میں سکول چھوڑ کر دینی تعلیم کے لئے وقف ہو گئے۔ آپ نے مولانا عبداللطیف شاہؒ سے قرآن مجید اور ابتدائی کتب اور مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ المعروف حضرت ثانی سے صرف ونحو کی تعلیم مکمل کی۔ قرآن مجید، فارسی، نظم ونثر، صرف ونحو کی تکمیل کے بعد بھیرہ ۱۹۳۷ء میں بقیہ تعلیم کے لئے تشریف لے گئے۔

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں مولانا نصیرالدین بگویؒ، مولانا ظہور احمد بگویؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ اور علامہ رحمت اللہ ارشدؒ بہاولپوری جیسے حضرات کے زیر تدریس آپ نے تین سال تک دیگر علوم کی تحصیل کی۔ بھیرہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت صوبہ گجرات انڈیا میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا۔ یہ آپ کی تعلیم کا موقوف علیہ کا سال تھا، آپ نے تفسیر جلالین، مشکوٰۃ، ہدایہ اور مقامات حریری ایسی کتابیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس سکروڈھویؒ، حضرت مولانا عبدالعزیز کیمل پوریؒ (اٹک) ایسے یگانہ روزگار اساتذہ سے پڑھیں۔ مزید یہ کہ ڈابھیل سے دیگر اساتذہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ڈابھیل کے بعد دارالعلوم ٹنڈو الہ یار خان سندھ میں تدریس فرماتے رہے بعدازاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی میں قائم کیا جو آج جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نام سے چہار دانگ عالم میں مشہور یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

حضرت خواجہ خان محمدؒ نے ڈابھیل سے اگلے سال ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کے لئے داخلہ لیا۔ تب دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث وصدر مدرس کی سیٹ پر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ براجمان تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت مدنیؒ نے بخاری شریف کا افتتاحی سبق پڑھایا اور پھر تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے باعث حوالۂ زنداں ہو گئے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور دیگر ذی قدر مشائخ وقت سے آپ نے صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی پڑھ کر دارالعلوم دیوبند سے تحصیل

علوم کی سند فراغ حاصل کی۔ آپ ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ جب کہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان آپ کے مربی، سرپرست اور مرشدِ اول کا انتقال بھی ۱۹۴۱ء میں ہوا۔

پھر خانقاہ سراجیہ تشریف لائے، حضرت ثانیؒ سے تصوف کی تکمیل کی، آپ کی رحلت کے بعد خانقاہ سراجیہ کی مسند نشینی پر فائز ہوئے۔ حضرت ثانیؒ کی فکر احسان نے مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کو مرشد العلماء والصلحاء اور شیخ الشیوخ بنادیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء......

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علاقے میں بہت کام کیا۔ آپ نے پورے علاقے کے دورے کئے، دیہات کے علماء کو تحریک کا ہم نوا بنایا، دور دراز کی بستیوں اور فوجی چکوک میں لوگوں کو ختم نبوت کا رضا کار بنایا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی ملک محمد افضل صاحب کو رضا کاروں کے ساتھ گرفتاری دینے کے لئے میانوالی بھیجا اور انہوں نے ۱۴؍مارچ ۱۹۵۳ء کو جلوس کے ساتھ گرفتاری پیش کی۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی گرفتاری

حضرت خواجہ صاحبؒ نے میانوالی میں تحریک ختم نبوت کی قیادت سنبھالی۔ ۱۵؍اپریل ۱۹۵۳ء کو گرفتاری دی اور میانوالی جیل میں رہے۔ پھر ۲۵؍اپریل کو لاہور سنٹرل جیل منتقل ہوئے اور بعد میں ۲۸؍اپریل کو بورسٹل، ۱۱؍اگست کو پھر سنٹرل جیل منتقل ہوئے۔ کئی ماہ سنت یوسفی کو ادا کیا۔ اس قید میں تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں حضرت امیر شریعتؒ، مولانا ابوالحسنات قادریؒ، مولانا خلیل احمد قادریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، صاحبزادہ فیض الحسنؒ، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہم اللہ کے ساتھ جیل میں وقت گزارا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کو جب مجلس تحفظ ختم نبوت کا امیر منتخب کیا گیا تو مولانا بنوریؒ نے سب سے پہلے اپنے نائب کا تقرر کیا...... اور وہ تھے حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ۔ ۹؍اپریل ۱۹۷۴ء کو مجلس تحفظ ختم نبوت کی حضرت بنوریؒ نے امارت اور حضرت قبلہ خواجہ صاحبؒ نے نائب امارت سنبھالی۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کو مجلس کا امیر منتخب کیا گیا۔

آپ کے دورِ امارت میں مجلس تحفظ ختم نبوت کو لندن میں بارہ ہزار مربع فٹ پر مشتمل ایک گرجا گھر خرید کر کے انٹرنیشنل مرکز قائم کر کے عالمی مجلس کا درجہ دیا گیا۔ لندن میں سالانہ کانفرنس شروع کی گئی۔ الحمد للہ! چوبیس سال سے یہ کانفرنس جاری ہے۔

حضرت کے دورِ امارت میں دفتر مرکزیہ ملتان کی تکمیل ہوئی۔ چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر محمدیہ مسجد اور مسلم کالونی میں عظیم الشان جامع مسجد ختم نبوت، مدرسہ، دفاتر تعمیر کئے گئے اور چناب نگر کو سب ہیڈ کوارٹر کا درجہ دیا گیا۔ نیز چناب نگر میں ١٦ کنال پر مشتمل قطعہ اراضی خریدا گیا۔ جس میں تعمیرات کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت والا نے اپنے ٣٣ سالہ دورِ امارت میں سینکڑوں سے متجاوز ختم نبوت کانفرنسوں کی صدارت فرمائی اور آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس چناب نگر آپ کے بابرکت دور میں شروع کی گئی اور ستائیس اٹھائیس سال سے یہ کانفرنس بلاانقطاع جاری وساری ہے۔ تمام تر عوارض کے باوجود گذشتہ سال تشریف لے گئے اور دو اجلاسوں کی صدارت فرمائی۔

آپ نے بلاناغہ ٦٥ حج ادا کیے، آپ کی ساری زندگی دعوت وتبلیغ، تزکیہ واحسان اور تمام دینی تحریکوں کی سرپرستی میں گزری۔ آپ بیک وقت مختلف الخیال لوگوں کے پیر ومرشد، محسن ومربی تھے۔ ہر دینی تحریک کے کارکنوں سے برابر محبت فرماتے۔ سرپرستی فرماتے۔ ڈھیروں دعاؤں سے ڈھارس بندھواتے اور روتے ہوئے آنے والے کارکنوں کی تسلی وتشفی فرما کر انہیں ہنستا ہوا روانہ کرتے۔

آخری علالت وسانحۂ وفات

مولانا اللہ وسایا صاحب آخری علالت اور وفات کے سانحہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

٢٧ راپریل ٢٠١٠ء کو ظہر کے قریب پہلے مخدوم گرامی صاحبزادہ مولانا عزیز احمد صاحب کا پھر تھوڑی دیر بعد مخدوم گرامی جناب صاحبزادہ نجیب احمد صاحب کا فون آیا۔ مصروفیت کے باعث فقیر دونوں فون نہ سن سکا۔ فراغت پر دونوں نمبروں کو بار بار ملایا۔ پہلے صاحبزادہ نجیب احمد صاحب پھر صاحبزادہ مولانا عزیز احمد صاحب سے بات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور وہ آپ کو چھوٹے طیارہ سے ملتان لے جا رہے ہیں۔ فقیر نے

عرض کیا، اس وقت چناب نگر ہوں، ایبٹ آباد جانا تھا اب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کل دوپہر تک ملتان حاضر ہو جاؤں گا۔ ٹھیک ہے۔ یہ کہہ کر مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب نے فون بند کر دیا۔ اب فقیر نے ملتان مرکزی ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کو صورت حال سے مطلع کیا۔ آپ نے بھی چناب نگر تشریف لانا تھا۔ چنانچہ ۲۸ راپریل ظہر تک ملتان حاضر ہوئے۔ عصر کے وقت ملتان سیال کلینک جا کر تمام صاحبزادہ صاحبان سے ملاقات ہوئی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کی بھی عیادت کا شرف حاصل کیا۔ معلوم ہوا کہ بخار، یرقان، بلڈ پریشر کئی عوارض نے گھیر لیا۔ تو چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الٰہی صاحب سے ان کا ذاتی طیارہ مانگا اور قبلہ حضرت صاحب کو لے کر ملتان سیال کلینک آ گئے۔ چیک اپ اور علاج شروع ہوا۔ جملہ ٹیسٹ ٹھیک اور طبیعت اب بہت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے پھر ملے، اجازت طلب کی، دفتر آ گئے۔ ملک بھر سے مہمانوں کا تانتا بندھ گیا۔ میاں خان محمد سرگانہ کی کوٹھی اور دفتر ختم نبوت مہمانوں کا پہلا اور آخری پڑاؤ تھے۔ دوست یہاں تشریف لاتے، مختصر قیام کے بعد ان کی واپسی ہو جاتی۔ فقیر ۲۹ راپریل کو پھر حاضر ہوا۔ طبیعت میں بہت حد تک بہتری کے آثار تھے۔ معلوم ہوا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ نے مغرب کی نماز خود پڑھائی۔ زیارت ہوئی واپس آ گئے۔ ۳۰ راپریل جمعہ بوسن روڈ ملتان پڑھ کر ۳ ربجے کے قریب سیال کلینک حاضر ہوا۔ قاری عبدالرحمٰن رحیمی ملتان، قاری عبدالرحمٰن ضیاء سرگودھا والوں سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ بیماری کوئی نہیں صرف کمزوری ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے۔ اب قبلہ حضرت صاحبؒ آرام فرما رہے ہیں۔ ہڑپہ کے جناب محمد رمضان بھمبلہ نے فقیر کو دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے۔ اشارہ سے مجھے بلایا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے کمرہ میں لے گئے۔ محترم ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب، محترم صاحبزادہ نجیب احمد صاحب، محترم حکیم سلطان صاحب کمرہ میں موجود تھے۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی صاحبزادہ نجیب احمد صاحب نے قبلہ حضرت صاحبؒ سے عرض کیا کہ اللہ وسایا آیا ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے دائیں ہاتھ کو جنبش دی۔ فقیر نے فوراً مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔

باہر کے لوگوں کے لئے دیوار میں لگے ہوئے شیشے کے پردے ہٹا دیے گئے۔ باہر سے دوستوں نے زیارت کے لئے لائن بنائی اور زیارت شروع ہو گئی۔ فقیر دس منٹ قریباً قبلہ حضرت صاحب کے رخ مبارک کو تکتا رہا۔ اب قبلہ حضرت صاحب نے اشارہ کیا آپ کو بٹھا دیا گیا۔ قبلہ

حضرت صاحب نمازِ عصر کے لئے تیاری کا فرما رہے تھے۔ صاحبزادہ نجیب احمد صاحب نے عرض کیا کہ ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ پھر عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ اس دوران حضرت قبلہؒ اپنے بیڈ پر بیٹھے ہوئے اور پاؤں نیچے لٹکائے ہوئے۔ صاحبزادہ نجیب احمد صاحب نے فقیر کو حکم کیا کہ کوئی بات کرنی ہو تو موقع ہے۔ یہ سن کر قبلہ حضرت صاحبؒ نے بھی فقیر کی جانب نظرِ عنایت فرمائی۔ فقیر قریب ہوا تو قبلہ حضرت صاحبؒ کے پہلو میں بیڈ پر صاحبزادہ صاحب نے بٹھا دیا۔ فقیر نے سکھر و سیالکوٹ کی عظیم الشان ختم نبوت کانفرنسوں کی رپورٹ پیش کی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ ہر بات پر "اللہ تعالیٰ قبول فرمائے" فرماتے رہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آج سفر کرنا ہے۔ چناب نگر جانا ہے۔ پھر ایبٹ آباد کا سفر ہے۔ ایبٹ آباد کانفرنس کی تیاری کی بھی رپورٹ پیش کی۔ تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا فرمائے"۔ اجازت لی اور پندرہ بیس منٹ کے بعد فقیر کمرہ سے باہر آ گیا۔

اب کمرہ کے باہر لگی کرسیوں پر جناب ڈاکٹر پروفیسر عنایت اللہ صاحب، صاحبزادہ نجیب احمد صاحب اور فقیر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب سے قبلہ حضرت صاحبؒ کی طبیعت کی بحالی کی بابت معلومات حاصل کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد باہر کھڑے ہو کر شیشہ سے قبلہ حضرت صاحبؒ کو دیکھا اور واپس دفتر چلا آیا۔ آتے ہی سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستہ میں صاحبزادہ صاحبان مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، مولانا صاحبزادہ خلیل احمد، صاحبزادہ حافظ رشید احمد، جناب صاحبزادہ سعید احمد سے سفر کی اطلاع عرض کی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے اجازت کی رپورٹ پیش کی۔

۳رمئی کی صبح چناب نگر سے چل کر داتہ ضلع مانسہرہ میں مغرب کے بعد پہلا بیان مولانا عزیز الرحمٰن ثانی کا اور دوسرا فقیر کا ہوا۔ رات مانسہرہ آ گئے۔

۴رمئی کو ظہر کے بعد شنکیاری، مغرب کے بعد ہری پور کی ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت کی۔

۵رمئی کو تناول کی کانفرنس میں بیان ہوا۔ واپس آئے مغرب کے بعد مولانا عزیز الرحمٰن ثانی کا جامع مسجد ناڑی مانسہرہ میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس میں بیان شروع ہوا۔ فقیر کا قیام جناب عبدالرؤف صاحب روفی کے مکان پر تھا۔ آٹھ بجے انہوں نے کانفرنس میں شمولیت کے لئے تیاری کا فرمایا۔ فقیر اٹھا، فون پر گھنٹی بجی، آن کیا تو دفتر مرکزیہ کے عبدالناصر جمال نے کہا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کا وصال ہو گیا ہے اور یہ کہ میں اس وقت ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ اس

افسوسناک خبر سننے کے لئے پہلے سے تیار نہ تھے۔ یکدم طبیعت بجھ گئی۔ بالکل سمجھ نہ آیا کہ کیا ہوا۔ وضو کے لئے جاتے ہوئے عبدالرؤف صاحب سے صورتحال عرض کی وہ بھی ششدر رہ گئے۔ وضو کر کے آیا تو صاحبزادہ مولانا عزیز احمد صاحب کو فون کیا۔ وہ اتنا ہی فرما سکے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون، پھر فون منقطع ہو گیا۔ کانفرنس میں گیا۔ ثانی صاحب بیان کر رہے تھے۔ ان کے بیان کو روکا۔ ایبٹ آباد کانفرنس کی تیاری پر ۳، ۴ منٹ معروضات پیش کیں۔ پھر قبلہ حضرت صاحبؒ کی رحلت کی خبر سنائی۔ اجتماع انا للہ و انا الیہ راجعون کی صدا سے گونج اٹھا۔ فقیر نے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کو دعاء کے لئے عرض کیا۔ عبدالرؤف صاحب کے گھر آئے۔ کھانا کھایا۔ عشاء پڑھی، ایبٹ آباد اور پھر وہاں سے خانقاہ شریف کے لئے سفر شروع ہوا۔

ادھر ملتان سے قبلہ حضرت صاحبؒ کے جسدِ خاکی کو لے کر جملہ صاحبزادہ صاحبان اور قاری عبدالرحمٰن ضیاء، بمع دیگر احباب کے ملتان سے سڑک کے راستے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دو تین بار مظفر گڑھ، چوک اعظم کے قریب ان حضرات سے رابطہ ہوا۔ جنازہ بعد از ظہر خانقاہ شریف ہوگا۔ اس فیصلہ کی اطلاع بھی ملی۔ اب فون تو چپ ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ ساتھیوں کو جنازہ کے وقت کی اطلاع کرتا رہا۔ تعزیتیں وصول ہوتی رہیں۔ پریشانی کا سفر کتنا مشکل سے کٹتا ہے۔ بوجھل دل سے سفر کی کوفت بھی دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ جیسے کیسے خانقاہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ جسدِ خاکی بھی پہنچ گیا ہے۔ مسجد و مدرسہ کا پورا احاطہ مہمانوں کی آمد سے اٹا ہوا تھا۔ اندازہ ہوا کہ جس ساتھی کو بھی قبلہ حضرت صاحبؒ کے وصال کی اطلاع ملی جو جس حال میں تھا سنتے ہی سفر پر روانہ ہو گیا۔ نماز فجر با جماعت پڑھی۔ در و دیوار، مسجد کی ایک ایک اینٹ سے اداسی ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ اب سمجھ میں آیا کہ پریشان خیال آدمی پورے ماحول کو پریشان خیال کر دیتا ہے اور آج تو پریشان خیالی ہر شخص کے چہرہ اور ماحول کے ہر ذرہ سے عیاں تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر دائیں جانب نظر پڑی تو میاں خان محمد سرگانہ کے عزیز نوعمر جناب طاہر صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ سلام پھیر کر مصافحہ کے لئے تشریف لائے۔ فقیر نے ان سے عرض کیا کہ صاحبزادہ مولانا عزیز احمد صاحب سے عرض کرنا ہے کہ "اللہ وسایا عرض کرتا ہے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کے غسل و کفن کے عمل میں اگر سہولت سے ممکن ہو تو مجھے بھی شریک کیا جائے۔" اب مسجد میں قاضی احسان احمد اور دوسرے حضرات سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت ناظم اعلیٰ صاحب کا

بھی معلوم ہوا کہ وہ تشریف لا چکے ہیں۔ مسجد سے قبلہ حضرت صاحبؒ کی مسند نشینی کے کمرہ کے دروازہ پر آیا۔ وہ مقفل...... چاروں جانب ساتھیوں کا ہجوم، وہیں قبلہ حضرت صاحبؒ کے کمرہ کے دروازہ پر برآمدہ میں بیٹھ گیا۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ مولانا محمد کامران شریک دورۂ حدیث باب العلوم کہروڑپکا، جو قبلہ حضرت صاحبؒ کا خادم بھی رہا ہے، وہ آیا اور اکیلے مجھے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ وہاں سے مدرسہ، وہاں سے ڈیرہ، وہاں سے صاحبزادہ سعید احمد صاحب کے گھر کے سامنے کے راستہ سے قبلہ حضرت صاحبؒ کے کمرہ میں لے گیا۔ وہاں مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کے علاوہ چاروں صاحبزادگان، یوسف صاحب، حکیم سلطان صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب اور کوئی ایک آدھ ساتھی اور بھی ہوگا موجود تھے۔ اب قبلہ حضرت صاحبؒ کے جسد خاکی کو جہاں غسل دینا تھا وہاں لے گئے۔ صاحبزادہ رشید احمد، صاحبزادہ نجیب احمد صاحب اوّل سے آخر تک غسل کے عمل میں شریکِ کار رہے۔ پانی ڈالنے کی ڈیوٹی قاری عبدالرحمٰن نے لی۔ وضو کرانے کی سعادت فقیر کے حصہ میں آئی۔ صابن لگانے میں یوسف، حکیم صاحب، فقیر اور دوسرے احباب شریک رہے۔ اس دوران میں کافی عمل مکمل ہوگیا تو فقیر نے پاؤں دھونے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے پانی ڈالا۔ فقیر نے پانی میں آنسوؤں کی آمیزش شامل کر کے صابن لگایا۔ لو صاحب! اس عمل سے بھی فارغ ہوگئے۔ اب جسم مبارک کو خشک کرنے کے لئے سر مبارک سے کندھوں تک کا حصہ فقیر نے سفید کپڑے سے خشک کیا۔ باقی بھی ہر ساتھی اس سعادت میں شریک رہا۔ اب آپ کو کفنانے کے لئے پہلے سے تیار شدہ چارپائی پر لایا گیا۔ کیا خوبصورت لگ رہے تھے۔ کیا سفید کپڑے کفن کے آپ پر سج رہے تھے۔ اب دوبارہ آپ کو آپ کے کمرہ میں لایا گیا۔ آخری بار پھر شربت دیدار نصیب ہوا اور پھر دل ترساں، چشم بریاں سے واپس خانقاہ شریف حضرت قبلہؒ کے کمرہ کے باہر برآمدہ میں آ بیٹھا۔ کراچی سے حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مفتی خالد محمود، حضرت مولانا سلیم اللہ خان، حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی بمعہ جملہ برادران، مولانا محمد انس جلالپوری اور دیگر بہت سارے حضرات کے آنے کی لحہ لحہ کی خبر اور فون، معلوم ہوا کہ بلا مبالغہ درجنوں دوست تو عشاء سے فجر تک جتنے جہاز کراچی سے لاہور یا راولپنڈی آئے سب پر آتے گئے۔ اب مولانا محمد یحییٰ صاحب کی خبر سن کر نوتعمیر شدہ مدرسہ کے مہمان خانہ میں گئے۔ وہاں حضرت ناظم اعلیٰ صاحب، مولانا محمد عبداللہ بھکر والے اور دیگر بہت

سارے حضرات کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ اتنے میں جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا کے شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ بمع رفقاء تشریف لائے۔

قارئین! اب ناموں کے شمار کی بحث کو یہاں ختم کرتا ہوں کہ کون کون آئے۔ یہاں یہ بحث اصولاً غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ سوال نہیں کہ کون آیا؟ اگر یہ سوال ہو تو بہت آسانی ہو جائے گی کہ کون نہیں آسکا؟ میرے خیال میں کوئی قابلِ ذکر بزرگ جسے بروقت اطلاع ہوئی اور وہ جنازہ میں شامل ہونے پر قادر تھا، وہ پیچھے نہیں رہا۔

مہمان خانہ میں رش ہوا تو فقیر پھر خانقاہ شریف آ گیا۔ قبرستان کی چاردیواری پر اینٹیں دیکھیں تو سمجھ میں آیا کہ قبر مبارک کی تیاری کا کام شروع ہے۔ وہاں چلا گیا تو ساتھیوں نے کرم کیا۔ اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ اعلیٰ حضرتؒ کے پڑپوتے اور صاحبزادہ محمد حامد سراج کے بڑے صاحبزادے جناب محمد اسامہ کی سربراہی میں قبر مبارک کی کھدوائی و تیاری کا عمل جاری تھا۔ اب بہت دیر وہاں پر کھڑے ہونے کا موقعہ مل گیا۔ ایک بجے واپس آ کر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ کے ہمراہ مولانا عبدالقدوس قارن کی امامت میں ظہر کی نماز مدرسہ کے مہمان خانہ میں پڑھی۔ اب جو نکلے تو رش اتنا بڑھ گیا تھا کہ بہت ہی مشکل سے قبرستان خاص کے شرق سے جنازہ گاہ کی طرف گئے۔ تیس ایکڑ سے زائد جگہ جنازہ پڑھنے کے لئے مختص تھی۔ وہاں تو رش الامان والحفیظ۔ لیجئے قارئین! اب میرے حضرت قبلہ کا سفرِ آخرت کا یہ مرحلہ بھی آپ کی آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ توجہ فرمایئے:

۱۔ تیس ایکڑ سے زائد جگہ جنازہ پڑھنے کے لئے مختص کیا گیا۔ لیکن جب صفیں بنیں تو خانقاہ شریف کے شرق میں واقع نہر و سڑک تک جا پہنچیں۔

۲۔ بہت سارے دوست ٹالی کے درختوں پر چڑھ کر صفوں کو دیکھنے لگے تو انہوں نے گواہی دی کہ چہار جانب تا حد نگاہ انسان ہی انسان تھے۔

۳۔ میانوالی ٹول پلازہ پر پنڈی سرگودھا سے آنے والوں کی صرف کاروں کا چند گھنٹوں میں شمار پینتیس ہزار سے زائد شمار ہوا۔ ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ اسماعیل خان، بھکر، ڈیرہ غازی خان کی طرف سے آنے والی کاریں جن کا ٹول پلازہ سے تعلق نہ تھا انکی بھی اتنی تعداد تسلیم کر لی جائے تو ستر ہزار سے زائد صرف کاریں تھیں۔

۴۔ یہی وجہ ہے کہ کندیاں موڑ سے خانقاہ شریف تک سڑک کے دونوں جانب گاڑیوں کو پارک کیا گیا۔ خالی کھیتوں کے درمیان جو گاڑیاں تھیں وہ علاوہ ازیں۔

۵۔ ایک مرحلہ آیا کہ میانوالی سے چشمہ تک ٹریفک میں گاڑیوں سے گاڑیاں مل گئیں اور بجائے چلنے کے، رینگنے لگیں۔ کئی کئی گھنٹے وہاں پہنچنے میں لگے۔

۶۔ پھر یہ بھی ہوا کہ کندیاں موڑ سے خانقاہ شریف لوگوں کو پیدل سفر کرنا پڑا اور اس رش و ہجوم کو جس نے بھی دیکھا یہی کہا کہ کندیاں تا خانقاہ خلقِ خدا ایک دوسرے سے ملے ہوئے چل رہے تھے۔

۷۔ پنجاب، بہاولپور سے پنڈی، اسلام آباد، اٹک، اکوڑہ خٹک، کشمیر، قصور، فیصل آباد، لاہور تک ہمارے دینی جامعات سے کئی کئی بسوں پر اساتذہ وطلباء نے سفر کیا۔ ان کی تعداد بھی ستر ہزار کاروں کے ساتھ شامل کی جائے۔ تو سامعین کی تعداد لاکھوں پر مشتمل جا بنتی ہے۔ ستر ہزار کاریں ہوں، فی کار اوسطاً چار آدمی ہوں تو دو لاکھ اَسی ہزار افراد تو یہ بنتے ہیں۔ پیدل، بسوں، ٹرینوں، ویگنوں پر جو لوگ آئے انکو بھی شامل کریں تو یہ بات درختوں پر چڑھنے کی صحیح لگتی ہے کہ چاروں جانب تا حد نگاہ انسان ہی انسان تھے۔ ایک سیلاب تھا جو اُمڈ آیا تھا۔

۸۔ رب کریم کی شان بے نیازی کہ گذشتہ سال ۵رمئی کو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا وصال اور اس سال ۵رمئی کو حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کا۔

۹۔ یہ بھی عجیب تر ہے کہ جنازہ کی نماز سے کچھ دیر قبل گویا جوں ہی جنازہ کی گاڑی پنڈال میں آئی، اگلی صفوں کے سروں پر ابابیلوں جیسے چھوٹے چھوٹے پرندوں نے پرواز شروع کی۔ جونہی جنازہ ختم ہوا جنازہ گاڑی، جنازہ کو لے کر قبرستان کی جانب چلی تو پنڈال سے وہ پرندے بھی غائب ہو گئے۔

۱۰۔ مئی اپنی گرمی کے اعتبار سے گرم، پھر میانوالی کی گرمی۔ لیکن اس دن صبح سے شام تک موسم ایسا دلنواز و دل پسند، ٹھنڈا، روح افزا کہ رب کریم کی سخاوت پر ہر شخص جھوم اٹھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم!

چلئے صاحب! جنازہ ۲ بجے کا اعلان تھا ایک بجے سے لوگوں نے صفوں میں کھڑا ہونا شروع کر دیا دو بجے تو تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ اتنا وسیع پنڈال، سپیکر کا بھرپور خوبصورت جامع

انتظام، اتنے ہجوم کی صف بندی پر پون گھنٹہ صرف ہوا۔ پونے تین بجے مو۔ نا صاحبزادہ خلیل احمد نے جنازہ کے لئے تکبیر تحریمہ کہی۔ اللہ اکبر! واقعی اللہ ہی بہت بڑا ہے۔

جنازہ ختم ہوا۔ اب واپسی قبرستان کی جانب کا تو تصور بھی نہ تھا۔ پرانے مدرسہ کی غربی جانب سے پھر مشرق کی جانب، مسجد و خانقاہ سے ہوتے ہوتے قبرستان پہنچا تو کسی اللہ کے بندہ کو ترس آ گیا اور میرا مقدر جاگ اٹھا۔ دروازہ کھلا تو قبرستان میں جا پہنچا۔ اس وقت میرے حضرت قبلہ کو لحد میں لٹایا جا چکا تھا۔ سر مبارک سے پاؤں مبارک تک اس حالت میں پھر آخری دیدار، ہر چند کہ ضبط کے بندھن ٹوٹے۔ لیکن سوائے صبر کے چارہ نہ تھا۔

صاحبزادہ سعید احمد قبر میں کھڑے اینٹیں ہموار رہے تھے۔ نجیب میاں پاؤں کی جانب بیٹھے محو دیدار۔ خلیل احمد مشرق کی جانب، رشید احمد مغرب کی سائیڈ پر رہے۔ صاحبزادہ عزیز احمد تو وہ مہمانوں میں گھرے، اب ہر لمحہ ہم اپنے حضرتؒ سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے اور ہمارے حضرت قبلہؒ اللہ تعالیٰ کے حضور قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ اب اینٹوں کی لگوائی کا عمل مکمل ہوا۔ مٹی ڈالنے کا مرحلہ آیا تو صاحبزادہ عزیز احمد بھی پہنچ گئے۔ خانقاہ شریف کے احاطہ میں ہر شخص کو مٹی ڈالنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کوئی مٹھی بھر کر، کوئی لپ بھر کر، کوئی بیلچہ سے تو کوئی کسی سے مٹی ڈال رہا ہے۔ بڑے سکون محبت و احترام کے اس منظر پر دل پسیجا کہ کیا ہو رہا ہے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا وہ قول یاد آیا کہ جب آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم کیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو مٹی سے بھرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ تم نے یہ کیسے گوارا کر لیا؟ لیکن جب سے دنیا بنی ہے، جب تک رہے گی، یہ عمل بھی برابر دہرایا جاتا رہے گا۔ ہر شخص اپنی سب سے قریبی شخصیت کو رحمتِ حق کے سپرد کرتا چلا جائے گا۔ آخر اس کے بغیر چارہ ہی کیا ہے۔ آدھی مٹی ڈل چکی تو فقیر وہاں سے پھر خانقاہ شریف آ گیا۔

اب جب قبر مبارک تیار ہو گئی تو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادہ مولانا عزیز احمد نے الوداعی دعا کرائی۔ قبرستان و خانقاہ شریف، کے احاطہ میں موجود ہزاروں نے اس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اتنی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا!

کل جس ذات گرامی سے ہر شخص دعا کراتا تھا۔ آج سبھی ان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی ان کا ساتھ نصیب فرما دے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم۔

(ماہنامہ لولاک جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ سے معمولی تغیر سے)

شہداء گرامی

مولانا سید شمس الدین شہیدؒ

مولانا سید شمس الدینؒ ماضی کی نامور شخصیات میں سے تھے، آپ کا تعلق بلوچستان سے تھا۔ ایک حق گو خطیب کی حیثیت سے آپ کا تعارف ملکی سطح پر موجود ہے۔

جب قومی اسمبلی نے قرآن پاک کی طباعت و کتابت کو تحریف و اغلاط سے پاک رکھنے کا بل منظور کیا تو مولانا شمس الدین شہید فورٹ سنڈیمن اپنے گھر میں تھے کسی نے خبر دی کہ قادیانیوں نے قرآن پاک کے وہ نسخے فورٹ سنڈیمن میں تقسیم کرنا شروع کر دیے جو انتہائی دجل و فریب کے ساتھ قرآن کے معنی و مفہوم میں ملحدانہ تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے بطور خاص شائع کیے ہیں۔ تو مولانا کی غیرت ایمانی جوش میں آئی، حکام سے رابطہ قائم کر کے اُنہیں یہ بات سمجھائی کہ قادیانیوں کی یہ حرکت غیور مسلمانوں کو اشتعال دلا سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوگا اس لیے فوری طور پر تحریف شدہ قرآن کریم کے نسخے ضبط کیے جائیں اور قادیانیوں کو ضلع سے نکال دیا جائے۔ حکام نے اسے معمولی بات سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ اس ناپاک حرکت پر فورٹ سنڈیمن کے غیور مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ عوام نے اپنے عقائد کی کھلم کھلا توہین کے خلاف احتجاج کے لیے 15/جولائی 1973 ایک مقامی پارک میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔ جلسہ میں عوام کے جذبات عروج پر تھے وہ کسی مقرر کی تقریر سننے کے روادار نہ تھے۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا کہ تقریروں کی بجائے عملی قدم اُٹھاؤ جلسہ کے بعد ایک منظم اور پرامن جلوس پولیٹکل ایجنٹ کو اپنے جذبات و مطالبات سے آگاہ کرنے لیے اس کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک عاقبت نااندیش قادیانی دکان کھولے بیٹھا تھا لوگوں نے بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کے جذبات سے نہ کھیلو مگر وہ ضد پر اڑا رہا۔ نتیجتاً اپنی ہٹ دھرمی کی بھینٹ چڑھ کر جہنم

رسید ہو گیا اور مولانا شہیدؒ، مولانا محمد خان شیرانی اور صاحبزادہ نور الحق سمیت 36 سرکردہ حضرات رضا کارانہ طور پر گرفتاری کے لیے پیش ہوئے۔ ان سب حضرات کو تھانہ لے جایا گیا اور رات اُنھوں نے تھانہ ہی میں گزاری۔ حکام نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مولانا شہیدؒ اور صاحبزادہ نور الحق کو قیدیوں سے الگ کر کے واپس بھجوا دیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب کو تو اس بہانہ نکال دیا کہ آپ کے والد صاحب باہر ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں مگر مولانا شہید کسی طور پر ساتھیوں سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ رات کو 2 بجے مولانا شہید کو جگا کر کہا کہ ان کی گاڑی ۔ دروازہ پر کھڑی ہے۔ آپ اپنی گاڑی کسی اور جگہ کھڑی کر دیں۔ لیکن یہ حیلہ بھی اس مرد درویش پر نہ چل سکا وہ یہ کہہ کر پھر لیٹ گئے کہ جہاں گاڑی کھڑی ہے وہیں رہنے دو اور رات بھر ساتھیوں کے ہمراہ رہے۔ صبح ہوئی تو کچھ دیر بعد ڈی آئی جی بھی آ گئے، یہ بھی صاحب مبینہ طور پر قادیانی تھے اُنھوں نے ڈرانے کی کوشش کی مگر بات نہ چلی۔ اسی تھانہ میں قادیانی بھی زیر حراست تھے۔ جنھیں پولیس کسی اور جگہ منتقل کرنا چاہتی تھی۔ مسلمان قیدیوں نے مشورہ دیا کہ اُنھیں دن کے بجائے رات کو یہاں سے نکالا جائے ورنہ مسلمانوں کے اشتعال کی زد میں آ جائیں گے۔ پولیس نے حسب ہدایت بات نہ مانی قادیانی اسیروں کو دن کی روشنی میں تھانہ سے باہر نکالا۔ ایک قادیانی جو لٹریچر کی تقسیم میں نمایاں آیا کرتا تھا کسی نامعلوم شخص کی گولی کا نشانہ بن کر زخمی ہو گیا اور پولیس ان قادیانیوں کو پھر تھانہ لے جانے پر مجبور ہو گئی۔

دوسرے روز پولیس مسلمان قیدیوں کو منتقل کرنا چاہتی تھی اُنھیں گاڑی پر سوار کر کے باہر نکلے تو غیور مسلمانوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ مولانا شہید کو پتہ چلا تو وہ بھی آ گئے اور حکام سے کہا کہ مجھے آگے جانے کی اجازت دو میں آپ کو راستہ لے کر دیتا ہوں اس پر قادیانی، ڈی آئی جی طیش میں آ گیا اور مولانا شہید کا گریبان پکڑ لیا۔ موقع پر موجود مسلمان اس حرکت کو گوارا نہ کر سکے۔ بات آگے بڑھی مجسٹریٹ نے گولی چلانے کا حکم دیا مگر پولیس نے گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ مجسٹریٹ چیخ چیخ کر گولی کا آڈر دیتا رہا مگر خود اسے ہی موقع سے بھاگنا پڑا۔

رات ایک بجے مجسٹریٹ نے ملیشیا اور پولیس کی بھاری نفری مولانا شہید کی گرفتاری کے لئے بھیج دی، پولیس نے جا کر ان کو سوتے ہوئے گرفتار کر لیا، مولانا گرفتاری کی حالت میں والدہ کی چارپائی پر گئے ان سے اجازت طلب کر لی اور ماں کی دعاؤں کے ساتھ گھر سے رخصت ہوئے۔ اس گرفتاری کے بعد ایک ماہ تک عوام کو کوئی پتہ نہیں چلا کہ مولانا کہاں ہیں اس بنا پر فورٹ

سنڈیمن میں 2 ہفتے ہڑتال رہی۔ غیور نوجوانوں نے مولانا سید شمس الدین شہیدؒ کی گمشدگی کے خلاف احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کر دی۔ جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی امیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمود صاحب بھی بلوچستان تشریف لائے بھوک ہڑتال کرنے والوں سے ملاقات کر کے حوصلہ دیا۔ آخر کار بہت تکلیفوں کے بعد حکومت کے لیے مولانا کی رہائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو 18 راگست کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد مولانا شمس الدین نے اپنی گرفتاری کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی۔

''وہ مجھے 45 میل دور افغانستان سرحد کی طرف لے گئے کیونکہ باقی تمام راستے ہمارے نواجوانوں نے بند کر رکھے تھے۔ 25 میل دور ایک گاؤں میں پہنچے اور لوگوں کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے گھیرا ڈال دیا ان کے دو نمائندے آئے اور کہا کہ تم مولوی شمس الدین کو واپس لے جاؤ یا پھر ہم مریں گے یا تم مرو گے۔ بہرحال مجھے وہاں سے پھر فوجی چوکی میں واپس لائے اور وہاں سے مجھے بذریعہ ہیلی کاپٹر میوند لے جایا گیا۔ فوج جس کی تعداد 800 تھی اس کے محاصرہ میں مجھے رکھا گیا مجھ پر پہلے چار دن فوج کے آٹھ افراد متعین رہے۔ میں اُنہیں تبلیغ کرتا رہا وہ بہت غور سے سنتے رہے لیکن جب حکومت کو معلوم ہوا تو روزانہ نئی گارڈ آتی لیکن میں نے پھر بھی تبلیغ کا سلسلہ بند نہ کیا۔ وہاں پر گورنر اور وزیر اعلیٰ کی طرف سے مختلف پیغامات کے ذریعے وزارت اعلیٰ منہ مانگی دولت اور عہدہ قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن میں نے جواب دیا کہ میں آج تو ایک قیدی ہوں ایک قیدی کیسے وزیر اعلیٰ بن سکتا ہے۔ ایک دفعہ وزیر اعلیٰ میرے پاس خود آیا مگر میں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا''۔

مولانا شمس الدینؒ 13 رمارچ کو کوئٹہ سے فورٹ سنڈیمن کے لیے روانہ ہوئے۔ مبینہ طور پر روانگی کے موقعہ پر فورٹ سنڈیمن ہی کا ایک شخص شاہ وزیر سوار ہوا یہ شخص خود بھی سمگلر تھا اور خاندان کے دوسرے افراد بھی جرائم پیشہ ہیں۔ یہ آدمی پہلے پشتون خواہ میں تھا بعد میں پیپلز پارٹی میں چلا گیا۔ مولانا شہیدؒ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا بہت سے افراد نے بلکہ خود مولانا کے بھائی سید ضیاء الدین صاحب نے جو ایک ٹینکر پر سوار فورٹ سنڈیمن سے کوئٹہ آ رہے تھے۔ ابھی بمشکل 120 میل کا فاصلہ طے کر پائے ہوں گے کہ موضع ''خل گئی'' کے قرب اس شقی القلب نے پیچھے سے مولانا شمس الدینؒ کی کنپٹی پر پستول کی نالی رکھ کر فائر کر دیا اس نے تین گولیاں چلائیں۔

انا للّٰه و انا الیه راجعون نور اللّٰه مرقدهٗ.

خون میں خوشبو

مولانا سید امام شاہ اور خان محمد زمان خان نے بتایا کہ مولانا شمس الدین شہیدؒ کے خون مقدس سے ایسی خوشبو آرہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کسی چیز میں نہیں دیکھی حتیٰ کہ بعض افراد نے جن کے ہاتھوں کو خون لگ گیا تھا سارا دن ان سے خوشبو آتی رہی یہ خوشبو لوگوں نے عام طور پر محسوس کی۔ امیر مرکزیہ حضرت درخواستیؒ دامت برکاتہم اور قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمود صاحب جمعہ کے روز جب کوئٹہ پہنچے تو جان زمان خان اچکزئی نے جماعتی کارکنوں کے ہمراہ انتہائی سوگوار فضا میں قائدین کا خیر مقدم کیا۔ ہوائی اڈہ سے فورٹ سنڈیمن کے لیے روانگی عشاء سے قبل وہاں پہنچے۔ حضرت مولانا سید محمد زاہد صاحب مدظلہ اور دیگر خاندان کے افراد سے قائدین نے اظہار تعزیت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح دس بجے جمعیۃ علماء اسلام فورٹ سنڈیمن کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔ عوام کا بے پناہ ہجوم قائدین کے ارشادات سے مستفید ہونے اور محبوب رہنما کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قبل فورٹ سنڈیمن میں اتنا بڑا جلسہ نہیں دیکھا گیا تھا۔

متعدد حضرات نے راقم الحروف کو بتایا کہ جب قائدین جمعیت مولانا شہیدؒ کے مزار پر دعا میں مصروف تھے اس وقت مزار پر سفید رنگ کے پھول برس رہے تھے جو کئی لوگوں نے اُٹھائے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید ہوا کے ساتھ قریبی باغ سے بادام کے درختوں کے پھول اُڑ کر آرہے ہیں لیکن جب ان پھولوں سے موازنہ کیا گیا۔ تو یہ پھول بادام کے پھولوں سے قطعی مختلف تھے لوگوں نے بجا طور پر اسے شہید کی کرامت سمجھا۔ مزار سے فارغ ہو کر قائدین فورٹ سنڈیمن سے کوئٹہ واپس آگئے۔

اے جان دینے والے محمدؐ کے نام پر
ارفع بہشت سے بھی تیرا مقام ہے

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی۔ جلد 4 شمارہ 46 از قلم سید حبیب اللہ شاہ)

مولانا محمد مجاہد شہیدؒ

(شہادت: ۱۹۹۷ء)

گزشتہ جمعۃ المبارک 3 بجے فیصل آباد کی ایک معروف سڑک پر ممتاز عالم دین نوجوان محقق مولانا محمد مجاہد اوران کے شاگرد مولانا محمد کو گولیوں سے چھلنی کر کے شہید کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ رکشہ ڈرائیور کو بھی گولیاں سے چھلنی کر دیا گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولانا محمد مجاہدؒ کو کس جرم میں شہید کیا گیا؟...... اس کا جواب کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی حکمران اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ مولانا حق نواز جھنگوی کو شہید کیا گیا، مولانا ایثار القاسمیؒ کو شہید کیا گیا۔ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ کو شہید کیا گیا، قاری سعید الرحمٰنؒ کو شہید کیا گیا مولانا احسان اللہ فاروقیؒ کو شہید کیا گیا۔ مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مولانا عبدالسمیع (رحمہم اللہ) کو شہید کیا گیا اور اب مولانا محمد مجاہد کو شہید کیا گیا لیکن آج تک نہ حکمران جواب دے سکے اور نہ ہی پاکستانی مسلمان اس کا جواب پا سکے کہ آخر ان علما کرام کا قصور کیا تھا؟ ان کو کس جرم کی پاداش میں شہید کیا گیا؟ اور قیامت کے دن بھی یہ علماء کرام اسی سوال کا جواب طلب کریں گے۔

مولانا محمد مجاہد صاحب ایک علمی شخصیت تھے ان کے والد جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے بانی و مہتمم ہیں اور ان کا تعلق کسی سیاسی اور مذہبی جماعت سے بھی نہیں بلکہ وہ گوشہ نشین ہو کر علمی کام میں مصروف تھے۔ برادر عزیز مولانا محمد مجاہد 23 سال کے نوجوان ایک محقق عالم تھے۔ اُنھوں نے اپنی جوانی کو علوم دین کے لیے وقف کیا تھا کسی قسم کے جھگڑے سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جمعۃ المبارک کی نماز ادا کر کے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ان کے قتل سے علمی حلقوں میں اضطراب کی

لہر دوڑ گئی ہے۔ جناب شہباز شریف صاحب وزیر اعلیٰ پنجاب جواب دیں گے کہ ان کے دور اقتدار میں علماء کرام کو اس بے دردی سے کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ کیا ان کو اس کے باوجود حکومت کرنے کا حق باقی ہے؟ ابھی مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کی شہادت کا غم ختم نہیں ہوا تھا کہ مولانا مجاہد کو شہید کر دیا گیا۔

قاتلین انشاء اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تو نہیں بچیں گے لیکن ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ فوری طور پر ان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

(ماہنامہ بینات کراچی ذوالقعدہ 1418ھ)

بانیٔ جامعہ فریدیہ، خطیب لال مسجد اسلام آباد

شہید اسلام مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ

(شہادت: ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

عالم ربانی، فاضل یزدانی ہر وقت ذکرِ الٰہی میں اور تبلیغ دین میں مصروف مولانا محمد عبداللہ ۱۸/ اکتوبر دن ۱۱ بجے آپ اپنے مرکز علم جامعہ فریدیہ سے واپس تشریف لائے، مسجد کے اندر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ اور قاتل واردات کے بعد سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ مولانا محمد عبداللہ کا تقرر محدث وقت علامہ محمد یوسف بنوری کے مشورہ اور تجویز سے ہوا۔

مردِ قلندر کا حسنِ انتخاب ایسا رنگ لایا کہ عمر کے آخری لمحے تک وہ قال اللہ وقال الرسول کا ورد کلمہ حق کا اعلان فرماتے رہے۔ راقم تحریر کی پہلی ملاقات دارالعلوم حسینیہ دریا نزد حضرو میں راقم اور شیخ الحدیث مولانا صابر حال مقیم جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان ایوبی دور میں کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں نظر بند تھے۔

مولانا عبداللہ مرحوم حاجی اختر مرحوم وزارت داخلہ کے ایک افسر آئے۔ ملاقات کے دوران مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث کے سامنے ذکر کیا کہ قبوری شریعت کے پیروکار مسجد میں اذانِ بلالی اور درودِ نبوی میں ملاوٹ کرنے کے لئے مجھے راستہ کی رکاوٹ سمجھ کر ہٹانا چاہتے ہیں۔ حضرت شیخ القرآن نے اپنے درجہ سے محافظ مدرس بمع ۱۰ طلباء ان کی مسجد میں بھیج دیے، وہ پانچ ماہ سے زیادہ وہاں رہے۔

مولانا عبداللہ شہید اوقاف کے خطیب ہونے کے باوجود حق گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ بھٹو دور میں ایف ایس ایف والے مولانا مرحوم کو گرفتار کر کے آنکھوں پر پٹی باندھ کر نامعلوم مقام پر لے گئے، آنکھوں پر پٹی باندھ کر کہنے لگے اب گولی مارتے ہیں۔ مولانا نے قرآن عزیز پڑھنا شروع کر دیا۔ کئی ماہ حراست کے بعد بالآخر انہیں رہا کر دیا گیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت

میں آپ دوسرے علماء کرام کے ساتھ جیل میں رہے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ میں بھی آپ گرفتار رہے۔ ۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جب صدر ضیاء الحق مرحوم نے اپنے قلم سے یہ فیصلہ لکھا کہ قادیانی کافر ہیں اور وہ اسلام کے نام پر تبلیغی کام نہیں کر سکتے، اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد نہیں رکھ سکتے، مولانا مرحوم نے وہ قلم صدر سے مانگ لیا جس سے یہ مبارک اور تاریخی فیصلہ کیا گیا۔

مولانا مرحوم کا وعظ بہت متاثر ہوتا تھا۔ سینکڑوں عیاش شرابی افسروں نے آپ کا وعظ سن کر گناہ کی زندگی سے توبہ کر لی اور غلط رسومات بدعات میں ملوث اور قبر پرستی میں مبتلا افراد نے عقیدۂ توحید اپنایا۔ کسی سرکاری تقریب میں آپ نے خلاف شرع کی ہرگز تائید نہ کی۔ اسلام آباد کے بڑے بڑے افسران آپ کے عقیدت مند تھے، لیکن آپ نے کسی سے تعلقات کو دنیاوی مفاد کے لئے استعمال نہ کیا۔

سپاہِ صحابہ کی تحریک کے آپ پُر جوش حامی تھے۔ مجاہدین افغانستان کی آپ مالی اور اخلاقی مدد فرماتے۔ مرحوم نے ۴۰ کے قریب حج کئے اور ۶۰ سے زیادہ عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ ایک دفعہ پاکستانی علماء کا ایک وفد جس میں ترجمان مولانا عبداللہ تھے اور امیر کارواں قاری سیف اللہ سابق صوبائی وزیر پنجاب اور راقم التحریر (مولانا عبدالسلام۔ اشاعت القرآن حضرو) شامل تھا، اسلامی امارت افغانستان گئے۔ مجاہد کبیر شیخ اسامہ بن لادن سے ملاقات ہوئی۔ گورنر قندھار سے بھی ملاقات ہوئی اسی سفر میں مولانا مرحوم کی خوش طبعی تا زندگی یاد رہے گی۔

مولانا عبداللہ شہیدؒ نے علومِ اسلامیہ کی حفاظت کے لئے عظیم الشان دینی ادارہ جامعہ فریدیہ اسلام آباد قائم کیا جس میں ایک ہزار سے زیادہ مسافر طلبہ کرام قیام پذیر ہوتے ہیں۔ حفظ تجوید کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۸/۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں مولانا شہید جامعہ فریدیہ سے ۱۱ بجے کے قریب اپنی مسجد کے صحن میں داخل ہوئے، ایک شقی القلب نے آپ سے ہاتھ ملایا۔ جب مسجد کے راستے سے گھر کی جانب روانہ ہونے لگے اس نے آپ کے پانچ گولیاں ماریں جس سے آپ موقع پر شہید ہو گئے۔ وصیت نامہ میں پہلے فرما چکے تھے کہ میری شہادت پر ہنگامہ نہ کیا جائے۔ رات کو جنازہ ہوا۔ اسلام آباد کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ آپ کو جامعہ فریدیہ کے باہر دفن کیا گیا۔ کئی دن تک ان کی قبر سے خوشبو آتی رہی۔ سابق حکمران جو آج کل عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں انہوں نے قاتل پکڑ کر چھوڑ دیا۔ اور اتنے عظیم عالم کی شہادت پر ایک لفظ بھی تعزیت نہ کیا۔ مولانا شہید مر کر بھی زندہ ہیں۔ اور ظالم حکمران زندہ درگور ہیں۔

شہید بن شہید (فرزند مولانا محمد صدیق شہیدؒ)

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی شہیدؒ

(۱۳رستمبر ۲۰۰۱ء)

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی شہید، علامہ شعیب ندیم شہید، ثناء اللہ شہید ڈرائیور، محمد رضوان زمان شہید گن مین...... چاروں شہداء ناموسِ صحابہ، واہ کینٹ سے دفاعِ صحابہ کانفرنس مری میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، اسلام آباد ایئرپورٹ سے ان کا تعاقب مسلح افراد نے دو گاڑیوں میں کیا۔ اسلام آباد ہائی وے پر ان پر حملہ کیا گیا، چاروں شہداء کو بیس سے زیادہ گولیاں ماری گئیں۔ صرف گن مین رضوان شہید زخمی حالت میں کمپلیکس ہسپتال اسلام آباد پہنچایا گیا اس نے تعاقب اور حملہ کی داستانِ ظلم سنائی اور اپنے شہید رفقاء سے جا ملا...... اناللہ وانا الیہ راجعون!

قاری حبیب الرحمٰن کو ناموسِ صحابہ پر شہادت ورثہ میں ملی۔ آپ کے والد مرحوم مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ ان کا درسِ قرآن اور توحیدِ باری تعالیٰ پر بیان ٹیکسلا میں مشہور تھا۔ مولانا محمد صدیق علاقہ پنج کھٹہ کی مشہور روحانی علمی شخصیت اور بزرگ حضرت مولانا محمد جان المعروف سموں والے استاد کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد تھے۔ جامع مسجد عنایت شاہی ٹیکسلا جس میں ۱۹۳۵ء میں روافض نے قبضہ کر لیا تھا اذانِ بلالی اور اہل السنّت کو نماز سے روک دیا گیا تھا، انگریز کا دور تھا۔ علاقہ بھر کے سنی مسلمان ہر گاؤں کے لوگ ایک ایک دن جلوس نکال کر مسجد کو روافض کے تسلط سے آزاد کرانے

آتے تھے، پولیس سخت لاٹھی چارج کرتی جلوس منتشر ہو جاتا۔ آخری جلوس گڑھی افغانان کے دیندار مسلمان لائے، پولیس کے سخت لاٹھی چارج کے باوجود مسجد میں سنی مسلمان داخل ہو گئے۔ ایک مسلمان نے اذان دے دی۔ انگریز نے اس مسجد کو رافضی اور سنی کے درمیان مشترک کر دیا۔ آج بھی وہاں اہل السنّت کی پانچ نمازوں کی باجماعت نماز ہوتی ہے اور روافض کی جمع بین الصلوٰتین کی وجہ سے تین باجماعت اور تین اذانیں ہوتی ہیں، اس متنازع اور ہر وقت جنگ کی صورت حال کی مسجد میں مولانا محمد صدیق شہید تیس سال کے قریب امامت، خطابت اور تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے ساتھ تعلیم القرآن ہائی سکول ٹیکسلا میں عربی معلم کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ مولانا محمد صدیق شہید جمال صدیقی کا نمونہ تھے۔ نرمی، برداشت، عجز وانکسار اور خوش اخلاقی کا آپ نمونہ تھے۔

مولانا محمد صدیق اپنے چھوٹے صاحبزادے قاری عمر فاروق کے ساتھ تعلیم القرآن ہائی سکول سے واپس گھر آ رہے تھے کہ راستے میں ایک نوجوان رافضی تاک میں کھڑا تھا، اس نے پستول سے فائر کیا، گولی آپ کے سینہ میں لگی اور آپ اسی جگہ شہید ہو گئے۔ مرزا مظہر جان جاناں شہید کو بھی ایک رافضی نے سینہ پر گولی مار کر شہید کیا تھا۔

ان کی قبر کے کتبہ پر یہ شعر درج ہے:

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہے نیست تقصیرے

مولانا محمد صدیق شہیدؒ اس شعر کے صحیح مصداق ہیں۔

قاری حبیب الرحمٰن صدیقی اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ایک جھوٹے مقدمہ قتل کی وجہ سے جیل میں تھے، ایک سال جیل میں رہنے کے بعد وہ رہا ہوئے۔ اپنے والد کی جگہ تعلیم القرآن ہائی سکول میں عربی واسلامیات کے معلم مقرر ہوئے۔ حالات کی نزاکت کی وجہ سے ٹیکسلا چھوڑ کر آپ براہمہ گاؤں نزد واہ کینٹ آ گئے، مدرسہ تدریس القرآن کی بنیاد رکھی۔ حفظ و ناظرہ اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب شروع کی گئیں۔ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی میں غیرت دینی، جرأت اور ہر باطل کے خلاف جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قبور کی شریعت والوں نے مرکزی

جامع مسجد لالہ رُخ واہ کینٹ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے بعد قبضہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ قاری حبیب الرحمٰن صدیقی نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اس عظیم مرکز پہ قبضہ کرنے کے لئے واہ کینٹ کی انتظامیہ میں افسران کا قومی اتحاد تھا۔ اس مسجد سے حق وصداقت کی آواز کو دبانے کے لئے تمام باطل متفق تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد صابر مہتمم جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو نے سب سے زیادہ مالی تعاون فرمایا۔

مرکزی جامع مسجد لالہ رخ کے خطیب پروانہ ختم نبوت مولانا محمد اسحاق کی جرأت اور استقامت کا بھی اس مسجد کے دفاع میں زبردست کردار رہا ہے۔ الحمدللہ آج یہ مرکز علماء دیوبند کا سپاہِ صحابہ کا تبلیغی، علمی، دینی اور جہادی مرکز ہے۔

سپاہِ صحابہ کے قیام کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی صحابہ کرامؓ سے طبعی محبت کی وجہ سے سپاہِ صحابہ میں شامل ہوگئے: ضلع راولپنڈی کے آپ صدر منتخب ہوئے۔ بارہا اڈیالہ جیل آپ کو ناموسِ صحابہ کی خاطر جانا پڑا۔ انتظامیہ سے مذاکرات میں آپ کا لہجہ جرأت مندانہ اور استغناء والا ہوتا۔ خوشامدانہ لہجہ، یا سردار، جناب کے آداب سے آپ کو نفرت تھی۔ براہمہ گاؤں میں رافضی جلوس کی راہ میں آپ ہمیشہ سدِ راہ رہے۔ مرکزی جامع مسجد لالہ رخ واہ کے پاس ایک رافضی گھر سے جلوس نکالنے کی ہر سال کوشش کی جاتی۔ مولانا محمد اسحاق خطیب اسے روکتے، علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی اور علامہ شعیب ندیم شہیدؒ اس میں دست راست کے طور پر آپ کے ساتھ ہوتے۔ یاد رہے کہ سپاہِ صحابہ کے زیر اہتمام عظیم الشان تاریخی کانفرنس واہ میں ہوئی، جس میں مؤرخ اسلام علامہ فاروقی شہید کے مثالی اور تاریخی خطاب ہوئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی شہادت والے سال حج بیت اللہ کی سعادت کے لئے حرمین شریفین گئے۔ پیچھے جلوس نکالنے کی کوشش کی گئی تو آپ کے برادر صغیر قاری عمر فاروق نے طلباء کرام کے ساتھ یہ کوشش ناکام بنادی۔ واہ انتظامیہ نے ان کو ۹۰ دن قید بامشقت اور بیڑیاں پہنا کر اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ راقم تحریر، شیخ الحدیث مولانا محمد صابر، مولانا محمد امتیاز، حاجی محمد ایوب کے ہمراہ مولانا صدیقی سے ملنے گئے۔ راقم نے کہا اے اللہ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لئے دعا مانگی تھی اے اللہ قریش کے پہلوں کو تو نے عذاب دیا پچھلوں کو انعامات عطا فرما! یہی دعا ہم ان کے لئے کرتے ہیں۔ اے اللہ! اب ان کی

آزمائش ختم فرما اور ان کو آسانی و آسائش عطا فرما۔

ہمیں کیا علم تھا کہ اللہ کریم کو دنیا کی آسائش کی بجائے آخرت کی آسائش شہادت سے سرفراز فرمانا تھا۔

۶ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں امریکہ مردہ باد کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ٹیکسلا مسجد قبا میں اسی نام سے کانفرنس مجلس عمل پاکستان کے اراکین سید عطاء اللہ ہاشمی، قاری عبدالجلیل اور عبدالرؤف صدیقی نے کرائی۔ ۱۳ر ستمبر واہ سے مری جاتے ہوئے ہائی وے اسلام آباد پر آپ شہید ہوئے۔ ۲۶ کے قریب گولیاں انہیں لگیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کا صدقہ جاریہ مدرسہ تدریس القرآن براہمہ ان کے بھائی قاری عمر فاروق کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔ آپ نے ایک بیوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا اسامہ نامی سوگوار چھوڑا ہے۔ بیٹا عمر آٹھ سال دینی مدرسہ میں زیر تعلیم ہے۔

علامہ شعیب ندیم شہیدؒ

(شہادت: ۱۳؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

علامہ شعیب ندیم جواں سال خوبصورت، ذہین نوجوان تھے۔ میٹرک اعلیٰ نمبروں میں پاس کرنے کے بعد جامعہ صدیقیہ لالہ رخ واہ کینٹ میں آنا جانا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی سربلندی اور اصحابِ رسول کے دفاع کا کام لینا تھا۔ شعیب شہید نے واہ کینٹ میں ہر دینی تحریک میں بڑی جرأت اور گرم جوشی سے حصہ لیا۔ علامہ شعیب ندیم اس وقت ایک نوخیز جوان تھے فون پر اور گاڑی لے کر واہ کے قریب غیرت مند مذہبی گاؤں گڑھی افغانان وغیرہ میں خود جاتے تھے اور حضرو میں فون کرتے ان کی اطلاع سے حضرو، واہ اور گردونواح کے دیندار مسلمان پہنچے۔ نتیجہ اس مرکز پر اہلِ باطل قبضہ نہ کر سکے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی۔ سپریم کورٹ کے فیصلے سے یہ مرکز علماء دیوبند کو مل گیا۔

واہ میں کوئی دینی جلسہ ہوتا خلفاء راشدین کے نام سے پروگرام ہوتے علامہ شعیب ندیم اس میں شرکت کرتے اور بیان کرتے۔ سپاہِ صحابہ کے قیام پر آپ اس میں شامل ہو گئے اور خداداد صلاحیتوں، برق رفتاری سے سپاہِ صحابہ کے ڈپٹی جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر پہنچ گئے۔ آپ کا باقی وقت مدرسہ تدریس القرآن واہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد امتیاز کے ہاں گزرتا۔ اسی دوران مرحوم نے حدیث کی اکثر کتب کا سماع کیا۔ علامہ شعیب ندیم اعلیٰ درجہ کے ذہین تھے جو بات سنی ذہن میں نقش کر لیتے۔ خطابت کا ملکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ اکابر علماء ان کے بولنے کے وقت جرأت مندانہ خطاب، برمحل اور برموقع جملوں، تقریر کی روانی پر سر دھنتے اور سپاہِ صحابہ کی ترقی و عروج اور قبولیت کا دور ہے کہ سرکردہ حضرات علامہ حق نواز شہیدؒ، علامہ ایثار القاسمی شہیدؒ، علامہ

ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ اور سینکڑوں کارکنوں کی شہادتوں سے یہ تحریک بین الاقوامی تحریک بن جاتی ہے جس سے دشمن اسلام کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ سپاہ صحابہ کی مقبولیت کے ساتھ علامہ شعیب ندیم ایک نوعمر عظیم لیڈر کی طرح اُبھرتے ہیں۔ رافضی کیڈٹ راولپنڈی میں دن دیہاڑے قتل کیے جاتے ہیں، ہر مقتول رافضی کا قتل نواز حکومت سپاہ صحابہ کے ذمہ ڈالتی ہے۔ اس قتل میں علامہ شعیب ندیم کو بھی ایک ماہ سے زیادہ بدنام زمانہ ٹارچر سیل چوہنگ میں رکھا گیا۔ ہر تکلیف سے اقرار جرم پر مجبور کیا گیا۔ راقم تحریر شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحب پروانہ ختم نبوت مولانا محمد اسحاق اور علماء کرام مخلص رفیق حاجی محمد ایوب کے ساتھ ایس ایس پی راولپنڈی سے ملے۔ علامہ شعیب ندیم مرحوم سے ہماری ملاقات کرائی۔ ایک ماہ سے چوہنگ سنٹر میں تشدد کا وقت گزارنے کے بعد مرحوم کے چہرہ پر سکون اور مسکراہٹ انکی جرأت واستقامت کی گواہی دے رہا تھا۔

بچپن سے شہادت تک کا وقت علامہ شعیب ندیم کا تبلیغی اشعار، فکر دین میں بسر ہوا۔ رجل شاب نشانی عبادت اللہ کا وہ صحیح نمونہ تھے۔ جرنیل سپاہ صحابہ علامہ محمد اعظم طارق سینکڑوں جھوٹے مقدمات سے جیل میں بند تھے۔ سپاہ صحابہ کی عظیم الشان تاریخی کانفرنس میں علامہ شعیب ندیم شہید کا خطاب ان اکابر لیڈروں کی کمی پوری کرتا تھا۔ نواز حکومت نے علامہ ندیم کے ڈنکے کی چوٹ پر تنقید کرنے پر آپ کی حیات مستعار کا آخری خطاب ملتان چوک رشید آباد پر دفاع صحابہ کانفرنس میں ہوا۔ جس کا ایک ایک جملہ جرأت مندانہ، للکار، صحابہ کرام کی جانثارانہ وکالت، وقت کے فرعونوں کے خلاف کلمہ حق ہے۔ وہ کیسٹ سن کر یہ گمان مشکل ہے کہ یہ ایک نوجوان شعیب ندیم کا خطاب ہے۔ یہ ساری تقریر توحید باری تعالیٰ، رسول اور اصحاب رسول کے شیدائی وفدائی کا مظہر ہے۔ اس سے پہلے ۶ ستمبر کو مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں شہید اسلام مولانا عبداللہ کی مسجد میں امریکہ مردہ باد کانفرنس ہوئی، علامہ شعیب ندیم نے مختصر خطاب میں فرمایا: ''امریکہ کافر اعظم اور ایران منافق اعظم ہے''۔ اس کے بعد جلوس جس میں راولپنڈی، اسلام آباد کے تمام علماء کرام مولانا قاری سعید الرحمٰن، مولانا اشرف علی، مولانا عبداللہ شہید، علامہ حبیب الرحمٰن شہید، علامہ شعیب ندیم، خان عبدالرحمٰن وغیرہ شریک تھے امریکن سنٹر تک گیا۔ رات مسجد قبا ٹیکسلا میں امریکہ مردہ باد کانفرنس ہوئی جس میں علامہ عطاء المومن شاہ صاحب مہمان خصوصی تھے۔ اسلام آباد کانفرنس میں ہی امریکہ، ایران اور دیگر تنظیموں نے ان مجاہدین کو راہ حق سے ہٹانے کا منصوبہ بنالیا

تھا۔ چنانچہ ۱۳/ستمبر علامہ شعیب ندیم، علامہ حبیب الرحمٰن شہید، ثناء اللہ شہید (ڈرائیور) اور رضوان زمان شہید گن مین کو دن دیہاڑے شہید کر دیا گیا۔ ۱۸/اکتوبر کو مولانا عبداللہ شہید کو مسجد لال اسلام آباد میں شہید کیا گیا۔ علامہ شعیب ندیم شہید نے دن رات کی ان دینی مصروفیات سے شادی نہ کی تھی، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں حورانِ جنت سے ملا چکا ہوگا۔ ..

علامہ شعیب ندیم نے دو بھائی ماسٹر صالح عزیز، بابر ندیم، چار بہنیں اور والدہ سوگوار چھوڑیں۔ والدہ ماجدہ کا حوصلہ جوان سال بیٹے کی شہادت پر قابلِ داد تھا۔ ۲۷/رجب بروز جمعہ وہ خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ جنازہ کی امامت علامہ اعظم طارق جرنیل سپاہِ صحابہ نے کی۔ علاقہ چھچھ، واہ، راولپنڈی کے کثیر علماء کرام شریک ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

گن مین رضوان زمان شہیدؒ

رضوان زمان مولانا حبیب الرحمٰن کا قلبی دوست، خادم، دن رات کا ساتھی تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن جہاں جاتے وہ ساتھ ہوتا۔ مرحوم کی والدہ نے انہیں تاکید کی ہوئی تھی، مولانا حبیب الرحمٰن کہیں اکیلے نہ جائیں، تم ان کے ساتھ رہو۔ والدہ کی نصیحت اور فرماں بردار اور صالح بیٹے کی تعمیل رنگ لائی، وہ شہادت کے وقت بھی اپنے استاد کے ساتھ تھا۔ اسے بھی ۲۰ سے زیادہ گولیاں لگیں وہ ایک گھنٹہ زندہ رہنے کے بعد ہسپتال میں شہید ہوا۔ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ علماء کرام کا ایک وفد شہادت کے بعد مرحوم کے گھر گیا۔ والد اور والدہ کا صبر و حوصلہ قابلِ تحسین تھا۔ دونوں نے کہا ہمارے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام اور امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ناموس پر قربان کیا ہے۔ ہم خوش ہیں۔ اللہ کریم اس کی شہادت کو قبول فرمائے۔ آمین

مرحوم کی قبر مولانا حبیب الرحمٰن شہید کے ساتھ براہمہ گاؤں نزد واہ کینٹ میں ہے۔

ڈرائیور ثناء اللہ شہید

راہِ وفا کا یہ مجاہد قلعہ دیدار سنگھ کا رہنے والا ہے۔ فی سبیل اللہ تمام خطرات کو مول لے کر قلعہ سے واہ محض خدمت کے لئے ایک ایک ماہ آتا۔ ایک دفعہ علامہ شعیب مرحوم نے بتایا "واہ اڈہ سے کوئی گاڑی منگواؤں، گاڑی والا پہنچ کر جب دیکھتا ہے شعیب ندیم نے جانا ہے واپس چلا جاتا ہے کہ یہاں تو جان کا خطرہ ہے۔"

ثناء اللہ شہید قلعہ دیدار سنگھ سے اس خدمت کے لئے آتا ہے۔ بالآخر شہادت والے دن چھ گولیاں ثناء اللہ شہید کو لگیں جس سے گاڑی ایک کھڈ میں گر گئی۔ اس کے بعد باقی تین حضرات کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا۔ مرحوم نے ایک بیوہ تین معصوم بچے سوگوار چھوڑے۔ ایک بچہ شہادت کے بعد پیدا ہوا۔ مرحوم کے گھرانے کا کفیل اللہ کریم کی ذات ہے۔ اللہ کریم ان چاروں شہداء کو درجات عالیہ سے نوازے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ خلافت راشدہ۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء۔ ص ۳۹ تا ۴۱)

مولانا عبید اللہ چترالی شہیدؒ

(شہادت: ۱۹/اگست ۱۹۹۹ء)

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک کے مسترشد و شاگرد رشید، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایہ ناز سپوت جمعیت علمائے اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری مدرسہ تعلیم القرآن باڑہ گیٹ پشاور کے بانی و مہتمم محسن چترال حضرت اقدس حافظ مولانا عبید اللہ چترالی کو بروز جمعرات ۷/جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ مطابق 19/اگست 1999ء ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ان کے آبائی گاؤں زیت تحصیل مستوج ضلع چترال میں شہید کر دیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون.

مولانا عبید اللہ چترالیؒ 1951ء میں ایک باخدا عالم دین اور تقویٰ وطہارت کے علم بردار حضرت مولانا فیض اللہ چترالیؒ کے گھر میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد نے اپنے اس اکلوتے بیٹے کی شروع سے اس انداز کی تربیت کی کہ آگے چل کر وہ بہترین عالم اور بے مثال مجاہد ثابت ہوئے آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور علاقہ کے ابتدائی مدارس میں ہوئی۔ بڑی کتابوں اور فنون کے اسباق کے لیے شب قدر چکیسر، مارتونگ دار العلوم سرحد کا سفر کیا، دورہ حدیث شریف کے لیے دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اساتذہ علم وفضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور 1975ء میں سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور سرحد کے متعدد دینی وعلمی مراکز میں مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس کر کے اپنی علمی وتدریسی استعداد کا لوہا منوایا اور بالآخر آپ نے پشاور شہر میں "مدرسہ تعلیم القرآن باڑہ گیٹ" کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی اور تادم واپسیں اس کے مہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے اس سے منسلک رہے۔

مولانا مرحوم چونکہ چترال کے اس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے جہاں آغا خانیوں کی اسلام کش تحریک عروج پر تھی اور مسلمان دشمنی کے مظاہر عام تھے آغا خانی نہایت منظم طور پر مسلمانوں کا استحصال کرتے نظر آتے تھے اس لیے مولانا مرحوم کے دل میں شروع سے ہی اس باطنی تحریک کے خلاف نفرت اور مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس لیے مولانا موصوف نے زمانہ تعلیم سے مسلمانوں کو اس خطرناک تحریک کے بھیانک نتائج ومقاصد اور اس کے بدترین عواقب سے آگاہ کرنا اپنا دینی وملی فرض سمجھا۔

شہید اسلام حضرت مولانا عبید اللہ چترالی قدس سرہ چونکہ ایک باخدا عالم دین اور قوم وملت کا درد رکھنے والے عظیم انسان تھے اس لیے ان سے مسلمانوں کی بے بسی اور اسلام دشمن قوتوں کی چابکدستی دیکھی نہ گئی اور نہایت مشکل حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں آپ قوم وملک کی خدمت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وقت کے طاغوت، نہایت منظم ومال دار تحریک اور سازشی گروہ کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے آپ نے آغا خانیوں اور باطنیوں سے ٹکر لی ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے ان کے خطرناک عزائم اور اسلام کش حربوں کو ناکام بنادیا۔

آغا خانی اور اسماعیلی دنیا کی وہ مال دار قوم ہے جو اپنا ہر کام مال ودولت کے زور پر کرنا جانتی ہے۔ یہ قوم اپنی سازشوں اور منافقانہ کردار میں یہودیوں سے کسی طرح کم نہیں حسن بن صباح کی اس ذریت نے اپنی راہ کی رکاوٹ کو کبھی برداشت نہیں کیا ضرورت ہو تو یہ قوم اپنے مال وزر سے اقوام وممالک اور حکومتوں کو خریدنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

آغا خانیوں کا منصوبہ تھا کہ کسی طرح پاکستان میں ان کی آزاد اور خود مختار ریاست قائم ہو جائے اُنھیں ان کے آقاؤں کی آشیر باد حاصل تھی، چترال، گلگت اور ہنزہ کی شاندار پٹی پر ان کی نگاہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں کی مسلمان آبادی وسائل کی قلت اور علم وآگہی کی کمی کا شکار ہے۔ ان کو بآسانی شکار کیا جاسکتا ہے اس لیے اُنھوں نے وہاں اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ امریکہ بہادر اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر ان کی پشت پر تھا۔ رفاہی کاموں، اسکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور مختلف ناموں سے اپنے منصوبوں کو پروان چڑھانے کے لیے دن رات ایک کردیا۔

آغا خان فاؤنڈیشن کے نام سے اُنھوں نے مسلمانوں کے دین وایمان اور غیرت و

حمیت کو خریدنے کے لیے اپنی دولت کے منہ کھول دیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شہید اسلام حضرت مولانا عبید اللہ چترالی کو جنھوں نے اس سفید ہاتھی کا مقابلہ کیا اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کا خیال کیے بغیر خم ٹھونک کر ان کے مقابلہ میں آ گئے اور ان کے ہر حربے کو ناکام بنا دیا۔

مولانا مرحوم کو اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور مسلسل اٹھارہ سال تک چترال بدری کی اذیت ناک زندگی گزارنا پڑی۔ مگر وہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے چترال سے دور رہ کر آپ نے مسلمانانِ چترال کے دین و ایمان کا تحفظ کیا اور نئی نسل کے دلوں میں آغا خانیوں کے خلاف وہ نفرت بٹھا دی کہ آج آغا خانی اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہیں اور آغا خانی چترال میں اچھوت کی زندگی گزار رہے ہیں، آغا خانی، مولانا کو اپنی تحریک اور اپنے عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اس لیے اُنھوں نے اپنی سابقہ تاریخ کو دہراتے ہوئے اُنھیں شہید کر دیا۔

اخباری اطلاعات اور ڈپٹی کمشنر چترال جناب شیر محمد صاحب کے بیان کے مطابق ان کے قاتل کو اس کے اپنے ساتھیوں نے ہی قتل کر کے اس قتل کو ہضم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر انشاء اللہ حقائق نہیں چھپ سکیں گے۔ آج نہیں تو کل، ایک نہ ایک دن یہ سربستہ راز ضرور کھلیں گے۔ کیونکہ مولانا چترالی کا کوئی دشمن نہ تھا۔ وہ سرزمین چترال کے بے تاج بادشاہ اور مسلمانان چترال کے دلوں کی دھڑکن تھے آغا خانیوں نے یہ قتل کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کی ہیں۔ مولانا نے جس خلوص و اخلاص سے نوجوان نسل کی تربیت کی ہے وہ اپنے پیچھے ہزاروں اور لاکھوں "مولانا چترالی" چھوڑ گئے ہیں جو ان کے جلائے ہوئے چراغ ہدایت کو کبھی گل نہیں ہونے دیں گے۔

حکومت پاکستان کو چاہیے کہ اس درندگی کا سد باب کرے اور ناحق بہنے والے اس خون کا فوراً بدلہ چکائے ورنہ اگر یہ روش چل نکلی تو قوم و ملک، حکومت پاکستان اور آغا خانی اقلیت کے لیے نہایت نقصان دہ ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو گوناگوں خصوصیات و کمالات سے نوازا تھا۔ مولانا جہاں بہترین سیاست دان تھے۔ وہاں ایک بہترین مدبر و منتظم بھی تھے۔ مولانا کا مدرسہ اور اس کا حسن انتظام ان کی لیاقت و مدبیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مولانا اپنی سیاسی اور ملی مصروفیات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کے میدان میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے آپ کا شرح جامی کا درس نہایت مشہور

تھا۔ سینکڑوں طلبہ صرف آپ کے شرح جامی کے سبق میں شرکت کے لیے مدرسہ میں آتے۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ اکابر اساتذہ کے سامنے اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھتے تھے اور اپنی شخصیت وحیثیت کو صفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہمارے رفیق اور دوست مولانا قاری فیض اللہ چترالی صاحب نے بتلایا کہ ان کے مدرسہ میں کئی سال سے مشکوۃ شریف تک کے اسباق ہورہے ہیں ان سے کسی نے کہا کہ آپ کے پاس مشکوۃ کا درجہ مضبوط ہے۔ آپ دورہ حدیث کیوں شروع نہیں کرلیتے؟ آپ نے فرمایا: جب تک میرے اساتذہ حدیث موجود ہیں ان کے سامنے میں اپنے مدرسہ میں درس بخاری شروع کرنے کو بے ادبی سمجھتا ہوں۔ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میرے اکابر جو عالی سند کے حامل ہیں ان کی موجودگی میں اپنی سند حدیث بیان کرنا شروع کردوں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیأت کو مبدل بہ حسنات فرما کر ان کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے ان مفاخر علمی کی حفاظت فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الاخریٰ 1420ھ)

علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ کے والدِ ماجد

سائیں محمد وارث شہیدؒ

(شہادت: ۲۲/اپریل ۲۰۰۴ء)

۲۲/اپریل بروز جمعرات صبح تقریباً ۱۲ بجے جامعہ حیدریہ کے سامنے جامعہ کے مہتمم اور حضرت اقدس قائدِ محترم علامہ علی شیر حیدری دامت برکاتہم العالیہ کے والدِ ماجد جناب محمد وارث کو شہید کردیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ○

خالق کائنات نے دین حق کی آبیاری کے لئے جن پاکیزہ نفوس کو چنا، ان میں جماعت علماء دیوبند ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ دینِ حق کے ہر شعبے میں ان کی خدمات جلیلہ مسلمہ ہیں۔ ان میں مفسر بھی ہیں، محدث بھی، مدرس بھی، زاہد بھی، مجاہد بھی، شہید بھی، باطل کے لئے للکار بھی ہیں ......غرض ہمہ صفت موصوف شخصیات ہیں۔

زمانہ حال کی عظیم دینی شخصیت، قائد ملت اسلامیہ، علامہ علی شیر حیدری کے والد بزرگ جناب محمد وارث چانڈیہ شہیدؒ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں۔

جناب محمد وارثؒ ۷۔ جنوری ۱۹۴۰ء کو ضلع خیر پور کے گاؤں موسیٰ خان میں جناب رئیس الٰہ داد کے گھر پیدا ہوئے۔ جناب محمد وارثؒ نے اپنی ساری زندگی اپنے آبائی گاؤں میں رہ کر گزاری۔ آپ عالم و فاضل تو نہیں تھے لیکن دین اور دینی شخصیات سے مثالی محبت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ بیٹے عطا کئے اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلا کر انہوں نے اپنی آخرت کو سنوار لیا۔ آج ان کے بڑے فرزند علامہ علی شیر حیدری مدظلہ العالی کا شمار دنیائے اسلام کے عظیم سپوتوں میں ہوتا ہے۔ جناب محمد وارثؒ ایک درویش صفت انسان اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔ اور

روزانہ پانچ وقت کی اذان جامعہ حیدریہ کی مسجد میں پابندی سے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی صبر عطا فرمایا تھا۔

مرکزی رہنما علامہ محمد احمد لدھیانوی کے بقول جب علامہ علی شیر حیدری گوجرانوالہ جیل میں بند تھے، اس وقت جناب محمد وارثؒ اپنے بیٹے سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے اور میں سوچ رہا تھا کہ آج باپ اور بیٹا جب آپس میں گلے ملیں گے تو اس وقت ان کے جذبات کیسے ہوں گے اور ردعمل کیا ہوگا۔ لیکن جب انہوں نے اپنے بیٹے کو پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھ میں ہتھکڑیاں دیکھیں تو اپنے بیٹے سے ہنس کر ملے اور مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے باپ اور بیٹے کو کتنا صبر کا مادہ عنایت فرمایا ہے۔ علامہ علی شیر حیدری نے فرمایا کہ بابا جان ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ میں عالم تو نہیں ہوں لیکن میرے دل میں خواہش ہے کہ میرا اشمار بھی شہیدوں کی جماعت میں ہو۔

حدیث پاک میں بھی یہ ذکر اسی طرح آتا ہے کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو سچے دل سے اللہ جل شانہٗ سے شہادت کی دعا مانگتا ہے تو اللہ جل شانہٗ اس کو شہدا کے مرتبوں پر پہنچا دیتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص سچے دل سے شہادت کا طلب گار ہو تو اس کو یہ دے دی جاتی ہے۔ (مسلم)

اور اللہ تعالیٰ نے جناب محمد وارثؒ کی دعا کو شرف قبولیت سے نواز کر انہیں شہادت جیسی عظیم نعمت سے مالا مال فرمایا۔ اور اسی طرح یہ عظیم قائد کا عظیم شہید والد ۲۲ ؍اپریل ۲۰۰۴ء کو جمعرات کے دن صبح دس یا گیارہ بجے کے قریب اپنے مدرسہ کے طلباء کو ظالم صفت درندوں سے چھڑاتے ہوئے ظالموں کے ہاتھوں گولی لگنے کی وجہ سے اپنی امیدوں میں کامیاب ہو کر دار فانی سے دار بقا کی طرف چل بسے۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مدرسہ کے قریب ایک پلاٹ جناب دین محمد نامی ایک شخص کا تھا، اس نے اپنا پلاٹ علامہ حیدری صاحب کو اڑھائی لاکھ میں بیچ دیا۔ علامہ حیدری مدظلہ العالی مدرسہ کی توسیع کے لئے یہ پلاٹ خریدنا چاہتے تھے۔ علامہ حیدری نے بدھ کی رات کو نماز عشاء کے بعد سائیں محمد پریل شاہ صاحب اور علامہ عبدالکریم مری والے اور پلاٹ دینے والے سارے حضرات کو پلاٹ کی طرف دعا مانگنے کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد جمعرات کی صبح کو اساتذہ سے فرمایا

کہ طلباء کی تعلیم اس جگہ میں ہونی چاہیے۔ سارے طلباء اور اساتذہ کرام وہاں چلے گئے۔

طلباء اپنی تعلیم میں مشغول تھے کہ باہر سے چند شر پسند عناصر نے پولیس کی موجودگی میں ہاتھوں میں ڈنڈے لے کر اس جگہ میں داخل ہو کر طلباء اور اساتذہ کرام پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے۔ طلباء بے چاروں کے ہاتھوں میں کچھ نہیں تھا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تو شر پسند عناصر نے باہر نکل کر طلباء اور اساتذہ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ مقامی پولیس اور ایس ایچ او تماشائی بن کر یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔

طلباء اپنے زخمی اساتذہ اور طلباء کو ہسپتال لے گئے اور علامہ حیدری نے پولیس افسران کی طرف فون کیا اور یہ سارا واقعہ ان کو بتایا۔ لیکن افسران نے اپنی پرانی روایت پر چلتے ہوئے بات کو ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایس ایچ او اپنی پولیس کی نفری کو لے کر طلباء کی طرف آیا اور ان کو دھکے دے کر باہر نکال رہا تھا تو حیدری صاحب کے والد بزرگوار نے حیدری صاحب کو کہا کہ آپ بیٹھیں، میں پولیس والوں سے بات کرتا ہوں کہ کیوں طلباء سے لڑ رہے ہو حیدری صاحب سے بات کرو۔

جیسے ہی جناب محمد وارثؒ وہاں پہنچے تو پولیس والوں نے طلباء پر ڈنڈے برسانے اور شیلنگ شروع کر دی۔ جناب محمد وارثؒ نے ایس ایچ او کو کہا کہ طلباء پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، تو ایس ایچ او نے رومال جناب محمد وارثؒ کے گلے میں ڈال کر ان کو گھسیٹا، انہوں نے ایس ایچ او کو دھکا دیا تو ایس ایچ او نے حکم کیا پولیس والوں کو کہ گولی چلاؤ۔

جیسے ہی گولیاں چلیں تو جناب محمد وارثؒ وہاں اسی وقت شہید ہو گئے اور علامہ حیدری صاحب کے برادر حافظ علی حیدر اور ایک طالب علم میر حسن کو بھی گولی لگی۔ فوراً ایس ایچ او نے اپنی ٹانگ میں ایک گولی لگا دی اور پولیس والے اسے اٹھا کے بھاگ گئے۔ پھر کیا تھا، ہر طرف خوف و ہراس تھا۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا اور محمد وارث شہید کو پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے ہسپتال لے گئے۔

یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گیا اور خیر پور، لقمان اور گرد و نواح کے سارے کاروباری ادارے بند ہو گئے۔ اس کے بعد کارکنوں کی بڑی تعداد علامہ حیدری صاحب کے مدرسے میں جمع ہونے لگی۔ جنازہ کا اعلان کر دیا کہ رات کو نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ عشاء کے بعد جنازہ کو زیارت کے لئے باہر لایا گیا اور لوگوں نے محمد وارث شہیدؒ کی زیارت کی۔

نماز جنازہ علامہ حیدری صاحب کے استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام قادر میمن ٹھیڑھی والوں نے پڑھائی اور جنازہ میں سیاسی، سماجی، مذہبی شخصیات کے علاوہ ایس پی خیر پور نے شرکت کی۔ علامہ حیدری صاحب کا صبر اور تحمل اس وقت قابل دید تھا۔ قائد محترم نے فرمایا کہ شہید کامیاب ہے اور میرے والد ہمیشہ شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا کو قبول کرلیا۔ اور فرمایا کہ اس جھگڑے کو چانڈیہ اور جاگیرانی جھگڑا نہ تصور کیا جائے اور نہ ہی شیعہ سنی جھگڑا ہے۔ بلکہ ہمارا دشمن قلندر بخش جاگیرانی ہے اور ہم قانون کے سہارے سے اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔

بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ عظام نے حضرت حیدری صاحب سے تعزیت کی۔

جناب حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی، حضرت مولانا عالم طارق، ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں، ڈاکٹر خالد نواز فاروقی، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مرشد الموحدین ولی ابن ولی حضرت مولانا سائیں عبدالصمد ہالیجوی، خلیفہ عبدالقیوم صاحب کے علاوہ جناب صدرالدین پھلپھوٹہ، مولانا عبدالحمید لنڈ، انجینئر الیاس زبیر، اورنگزیب فاروقی، مولانا مسعود الرحمان عثمانی اور بہت سارے علماء کرام نے حضرت سے تعزیت کی۔

نیز سردار امتیاز احمد گلپوٹہ اور حاجی امداد اللہ، سید غازی عبداللہ شاہ بخاری اور خیر پور کے سارے تاجروں نے حضرت سے تعزیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ شہید کی روح کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمادے۔ آمین

مفسر القرآن، شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ

(شہادت: ۲۴؍جون ۲۰۰۵ء)

۲۳؍اور ۲۴؍جون کی درمیانی شب نمازِ عشاء کے بعد کراچی میں جامعہ بنوریہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن کو سندھ سیکرٹریٹ کے عقب والی گلی میں جہاں ہمہ وقت ہائی سکیورٹی کا انتظام ہوتا ہے، گھات لگائے ہوئے چند ملزموں نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ اس واقعہ میں شدید زخمی جناب ارشاد الحق نے بھی اگلے روز ہسپتال میں دم توڑ دیا۔ جبکہ مفتی صاحب شہیدؒ کے فرزند محمد حماد تا حال ہسپتال میں داخل ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان للّٰہ ما اعطٰی ولہٗ ما اخذ ولکل شیءٍ عندہٗ اجلٌ مسمّٰی

مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے علاوہ مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) کے بھی فاضل تھے، مدینہ یونیورسٹی سے ان کی شاندار کامیابی پر یونیورسٹی انتظامیہ نے انہیں چودہ ہزار ریال ماہانہ تنخواہ کے عوض مدینہ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات کی پیشکش کی تھی، جسے مفتی صاحب نے انتہائی غربت کے باوجود یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ اپنے وطن میں ہی دین کی خدمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ گذشتہ آٹھ برسوں سے جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی میں تدریس کے علاوہ روزنامہ اسلام میں کالم نگاری اور جامع مسجد مدینہ برنس روڈ میں درسِ قرآن کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ گذشتہ برس ۱۴۲۵ھ کے رمضان المبارک میں روزنامہ اسلام کے صفحات پر ان کے قلم سے قرآنِ مجید کے تفسیری خلاصے نے ہزاروں تشنہ قلوب کو سیراب کیا۔ اللہ نے انہیں جو صلاحیتیں اور مقبولیت عطا فرمائی تھی وہ اگر اشارہ کر دیتے تو

کراچی میں انہیں عالیشان بنگلے مل سکتے تھے۔ جبکہ صورتحال یہ تھی کہ وقتِ شہادت ان کے چھوٹے سے مکان میں سے سوائے کتابوں کے کچھ برآمد نہ ہوا۔ جبکہ ان کی رہائشگاہ عصرِ حاضر کی جدید آسائشوں مثلاً اے سی وغیرہ سے بھی پاک وصاف نکلی۔

مفتی عتیق الرحمان شہیدؒ کا قتل حق وصداقت، دیانت وشرافت اور دینی بصیرت کا قتل ہے، انہیں جس جرم کی سزادی گئی وہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔ ۶ رجون کو وزارت داخلہ کی طرف سے اسلام آباد میں کرائسز مینجمنٹ سیل کے سربراہ بریگیڈیئر جاوید اقبال چیمہ کی دعوت پر سنی شیعہ تنازعہ کے حل کے موضوع پر بلائے گئے ایک اجلاس، جس میں اہلسنت تنظیموں کی طرف سے حضرت قائد ملت اسلامیہ علامہ علی شیر حیدری، قائد اہلسنت مولانا محمد احمد لدھیانوی، جناب ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں، مولانا مسعود الرحمان عثمانی، مولانا سید پریل شاہ بخاری اور جناب ڈاکٹر خالد نواز نے بھی شرکت کی تھی، مفتی عتیق الرحمان شہیدؒ نے انتہائی جرأت وصداقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت مدلل گفتگو کی اور فسادات کے خاتمے کے لئے گرانقدر تجاویز دی تھیں۔ اور آئندہ بھی اس مسئلہ پر اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ دین دشمن قوتیں ہمیشہ کی طرح دلیل کا جواب گولی سے دینے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ان کی جان کے درپے ہوئیں۔ چنانچہ ۱۲ رجون بروز منگل کے روزنامہ اسلام کراچی کی خبر کے مطابق "سی آئی ڈی پولیس کے باخبر ذرائع اور ذمہ دار ذرائع نے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ واقعہ بری امام اسلام آباد اور امام بارگاہ مدینۃ العلم گلشن اقبال کراچی میں خودکش حملوں کے واقعات کے بعد کالعدم سپاہ محمد کے انتہائی سرگرم روپوش کارکنان دوبارہ فعال اور متحرک ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے کراچی سمیت ملک کے کسی بھی حصے میں ٹارگٹ کلنگ اور دہشت گردی کی بڑی وارداتوں کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے، سی آئی ڈی پولیس ذرائع کے مطابق کالعدم سپاہ محمد کے سرگرم رہنماؤں وکارکنوں نے پاسبان اسلام نامی ایک بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم میں شمولیت اختیار کر رکھی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر ایک یورپی ملک میں واقع ہے جبکہ تنظیم کو از سر نو فعال کرنے اور دہشت گردی کے بعض منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایران فرار ہونے والے بعض سرگرم تنظیمی رہنماؤں کارکنوں کو کراچی طلب کر لیا گیا ہے، سی آئی ڈی پولیس ذرائع کا دعویٰ ہے کہ کراچی میں کالعدم سپاہ محمد کی بنیاد رکھنے اور اسے فعال کرنے والا سید ذوالقرنین حیدر نقوی جو تھانہ گلبرگ کی ایف آئی آر نمبر 109/95،111/95،110/95 سمیت دہشت گردی کے کئی مقدمات میں مطلوب ہونے کے بعد

ہالینڈ فرار ہو گیا تھا واپس کراچی پہنچ چکا ہے اور اس وقت پاسبانِ اسلام کے ماسٹر مائنڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ دہشت گردی کی سنگین وارداتوں میں مطلوب سید ذوالقرنین حیدر نقوی ولد غلام حیدر نقوی ایران سے تعلیم یافتہ ہے اور اردو، فارسی، پشتو، پنجابی روانی سے بولتا ہے، اس کی ابتدائی رہائش ٹھوکر نیاز بیگ لاہور میں تھی۔ بعد ازاں وہ محلہ سادات کلورکوٹ ضلع بھکر منتقل ہو گیا، اب اس کی حالیہ رہائش انچولی کراچی میں ہے۔ جبکہ حکومت سندھ نے اس کے سر کی قیمت دس لاکھ روپے مقرر کر رکھی ہے۔ سی آئی ڈی پولیس ذرائع کے مطابق کالعدم سپاہ محمد اور پاسبانِ اسلام نامی تنظیم کا ایک اور سرگرم رکن علی متحسن ولد علی حسن عرف شبن بھائی سکنہ مکان نمبر 50/B سوکوارٹر کورنگی جو تھانہ شاہ فیصل کالونی میں بجرم دفعہ 302/34 کے تحت ایف آئی آر نمبر 11/2001 میں مفرور ہے، ایران سے تعلیم یافتہ ہے اور اس وقت دوبارہ متحرک ہو چکا ہے جبکہ حکومت سندھ نے اس کے سر کی قیمت 5 لاکھ روپے مقرر کی ہوئی ہے۔ سی آئی ڈی پولیس ذرائع کے مطابق کالعدم سپاہ محمد اور پاسبان اسلام کے ایران فرار ہونے والے جن سرگرم کارکنوں کی گرفتاری کے لئے اقدام کیے جا رہے ہیں، ان میں انتہائی مطلوب رضا امام عرف منظر محمد راشد عرف حسن، موٹا عرف علی اسد عرف اسد موٹا اور آصف زیدی عرف قریشی سمیت دیگر کے نام شامل ہیں۔ سی آئی ڈی پولیس ذرائع کے مطابق رضا امام عرف منظر ولد جعفر علی نقوی کی رہائش پہلے مکان نمبر 2280/20 گلبہار کراچی میں تھی بعد ازاں اس نے فلیٹ نمبر 16 علی سینٹر بالمقابل ٹو ڈی (2-D) بس اسٹاپ انچولی کراچی میں اختیار کر لی تھی۔ انکشاف کیا گیا ہے کہ رضا امام پاک فضائیہ کے پی اے ایف مسرور بیس کا سابق ملازم ہے اور اکثر واردات کے بعد ایران چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی اس کی ایران میں موجودگی کی اطلاعات ہیں۔ رضا امام کو شاہ فیصل کالونی میں علماء قتل کیس کے مقدمہ الزام 11/2001 اور تھانہ سولجر بازار کے مقدمہ الزام نمبر 354/97 کے تحت علیحدہ علیحدہ سزائے موت کا حکم سنایا جا چکا ہے جبکہ حکومت سندھ نے اس کے سر کی قیمت 10 لاکھ روپے مقرر کی ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ کالعدم سپاہ محمد اور پاسبانِ اسلام کا سرگرم رکن محمد راشد عرف حسن موٹا عرف علی اسد عرف اسد موٹا ولد کلو بھائی کی رہائش مکان نمبر 381 پیتل والی گلی نزد جعفریہ امام بارگاہ گلبہار کراچی میں ہے۔"

سی آئی ڈی پولیس کی ان ہوشربا اطلاعات اور تمام تر معلومات کے باوجود کسی بھی واردات سے قبل ایسے سنگین مجرموں کی گرفتاری کے لئے کوئی کوشش نہ کرنا، حکومت کی طرف سے

سنی شیعہ تنازعہ کے خاتمے کی کوششوں میں خلوصِ دل سے اپنا کردار ادا کرنے والی اہم شخصیات کی حفاظت کے لئے کوئی بندوبست نہ کرنا، اور سندھ سیکرٹریٹ جیسے اہم اور فل سیکورٹی والے علاقے میں دہشت گردوں کا کامیاب کارروائی کے ذریعے ملک وقوم کو ایک مفسرِ قرآن، شیخ الحدیث، مفتی و متکلم، ماہرِ تعلیم، زبان دان اور صاحبِ قلم صحافی کے وجود سے ٹارگٹ کلنگ کے ذریعے محروم کر دینا، حالات و واقعات کی نوعیت کے اعتبار سے حکومتِ وقت کو براہِ راست اس المیے میں ملوث گردانتا ہے۔ ماضی میں بھی اس طرح کے واقعات ملک وقوم کے حق میں انتہائی خطرناک ثابت ہوتے رہے ہیں۔ اور اب نوبت بہ ایں جا رسید کہ ملک کی حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں پارٹیوں کے اعلیٰ وادنیٰ مناصب پر براجمان بعض روسیاہوں نے دہشت گردی کی سرپرستی میں اسرار واخفاء کی تمام حدود تک کراس کر ڈالی ہیں ان حالات میں محبِ وطن عناصر اور بالخصوص اہل اقتدار واختیار کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ معاملے کی حساسیت کو سمجھیں اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سنی وشیعہ کے باہمی مذاکرات کے ذریعے مسائل کا حل نکالیں۔ حکومتی ارکان کا اس تجویز سے متفق ہونے کے باوجود لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کو مزید التواء میں ڈالنا مزید اور شدید خطرات کا باعث ہو سکتا ہے۔

آج جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اخبارات میں وزیراعظم پاکستان جناب شوکت عزیز صاحب کا بیان نمایاں ہے کہ "فرقہ واریت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں گے"۔ ہم اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی گزارش یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فرقہ واریت کو جڑ سے اکھاڑنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حکومت جن فریقوں کو متحارب قرار دیتی ہے انہیں اپنی موجودگی میں ایک ہی فورم پر اکٹھا کرے، دونوں کی بات سنے اور سمجھے، بعد ازاں عدل وانصاف کے ذریعے دونوں کی حیثیت متعین کرے۔ صرف "حکومت" ہی تمام مسائل کا حل نہیں بلکہ "حکمت" بھی اس کے ازالے کیلئے ضروری ہے۔

مولانا ڈاکٹر ہارون قاسمی شہیدؒ

(شہادت: ۳۰ جنوری ۲۰۰۵ء)

۳۰ رجنوری بروز اتوار کو ظہر کی نماز کے وقت کراچی میں طارق روڈ کی جامع مسجد معمور کے امام وخطیب، فاضل نوجوان ڈاکٹر علامہ محمد ہارون القاسمیؒ کو اس وقت گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا جب وہ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد مسجد کے قریب واقع اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ واقعہ تقریباً اُسی جگہ پر پیش آیا جہاں چار سال قبل آپؒ کے والدِ ماجد، بزرگ عالمِ دین، فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا محمد اسحاق قاسمیؒ کو بھی اسی طرح کی ایک واردات میں گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔ یوں چار سال کے وقفے سے جواں سال صاحبزادہ اپنے بزرگ والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے اپنے والدِ ماجد کے قدموں میں جا سویا اور ''شہید ابنِ شہیدؒ'' کے خوبصورت لقب کا مستحق ٹھہرا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا ہارون القاسمی شہیدؒ اعلیٰ تعلیم یافتہ، انتہائی باکردار اور ہر لحاظ سے اُجلے شخص تھے، ان کی شکل وصورت سے معصومیت ٹپکتی تھی، اور ان کی گفتگو سننے والوں کے دل موہ لیتی تھی۔ تحفظِ ناموسِ صحابہؓ کے مسئلہ پر ان کی دلچسپی اور امیر عزیمت شہیدؒ کے کاروانِ حق سے ان کی وابستگی اصحابِ رسولؐ سے والہانہ وارفتگی کی دلیل تھی۔ وہ جرنیل اہلسنت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ کے قریبی ساتھیوں اور شیر اسلام علامہ علی شیر حیدری کے معتمدین میں شمار ہوتے تھے۔ کاروانِ حق کے مظلوم اور ستم رسیدہ ساتھیوں کی قانونی اور مالی معاونت میں پیش پیش رہتے تھے، غالباً اُن کے یہی اوصاف دشمنانِ صحابہ کے نزدیک ناقابلِ برداشت ٹھہرے اور انہوں نے دن دیہاڑے انہیں گولیوں کا نشانہ بنا ڈالا۔

مولانا ڈاکٹر محمد ہارون القاسمی، جنہیں شہید لکھنے کی قلم میں طاقت ہے نہ زبان میں سکت۔ کسی درندہ صفت، دشمن دین وملت، سفاک اور ظالم کی گولیوں کا نشانہ بن کر ہم سے جدا ہو گئے...... ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے ان کی ذات تعارف کی محتاج نہیں...... آپ نے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی، والد ماجد حضرت مولانا قاضی محمد اسحاق القاسمی شہیدؒ فاضل دیوبند اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد خاص تھے...... آبائی وطن میرٹھ ہندوستان تھا لیکن کراچی میں آباد تھے۔ علمی گھرانے کے اس فرزند نے دینی دنیاوی تعلیم کراچی سے ہی مکمل کی...... دورۂ حدیث تک جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی میں پڑھا...... حضرت اقدس مفتی محمد زرولی خان مد ظلہٗ کی خصوصی توجہ اور خاندانی اثرات کی بدولت علم کی تکمیل کی پیاس آخر وقت تک باقی رہی...... دوران تعلیم ہی مشن جھنگوی سے وابستہ ہوئے...... دورۂ حدیث کے علاوہ دنیاوی تعلیم بھی خوب حاصل کی کراچی یونیورسٹی سے اسلامیات، تاریخ اور سیاسیات میں ایم اے کیا...... پھر ایس ایم لاء کالج سے ایل ایل بی کی بھی ڈگری حاصل کی...... اور اب ہائی کورٹ (سندھ) کراچی میں وکالت بھی کر رہے تھے۔ ان کی علمی معلومات، تاریخ پر عبور، اور جدید علوم سے آگاہی کے معترف ان کے اساتذہ کرام ہی تھے۔ زمانہ طالب علمی سے ہی مشن جھنگوی سے عملی وابستگی اختیار کی...... پھر سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس کے قیام کے بعد اس میں شمولیت اختیار کی، وہ ڈویژنل وصوبائی ذمہ داریوں کے بعد مرکزی جنرل سیکرٹری بنے، دو سال اسی حیثیت سے کام کیا۔ ملک کے کونے کونے میں تعلیمی اداروں میں مشن جھنگوی کی ترویج آپ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۹۹۶ء میں سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس کے مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ اسی دوران کراچی میں قیادت کی مسلسل گرفتاریوں کے سبب مقامی طور پر جماعت کو خوب سہارا دیا۔ جیل سے لے کر کچہریوں تک اور اسیران کے قانونی معاملات سے لے کر ان کی گھریلو ضروریات تک ہر قدم پر اسیران کی خدمت کی۔ میرا ان سے اس وقت تعلق قائم ہوا جب میں کراچی میں زیر تعلیم تھا اور وہ سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس کے مرکزی جنرل سیکرٹری تھے۔ ذمہ داری کے دوران ان کی زندگی ایک فعال اور متحرک انسان کی زندگی تھی۔ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ مشن پر اس قدر توجہ اور محنت کسی کسی کا کام ہے...... عموماً طلبہ تنظیموں میں کام کرنے والے خصوصاً قائدین تعلیمی لحاظ سے کمزور اور نا قابل ہوا کرتے ہیں لیکن انہوں نے ہر امتحان میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر حافظہ دیا ہوا تھا کہ

کتابوں کے حوالے ان کو اس طرح یاد رہتے جس طرح کسی گھر کے فرد کو افرادِ خانہ کے نام یاد ہوں۔ ان کی علم دوستی کا ایک بہت بڑا ثبوت ان کی ذاتی لائبریری ہے جس کا مقابلہ بلا مبالغہ ملک کی چند بڑی ذاتی لائبریریاں ہی کر سکتی ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لائبریری میں کوئی جدید یا قدیم کتاب ایسی نہیں جس کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ مجھے بڑا عرصہ ان کے ساتھ گزارنے کا شرف ملا۔ کبھی کبھار لائبریری سے باہر ہوتے اور کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو مجھے یہ کہہ کر بھیج دیتے تھے کہ لائبریری کی فلاں الماری میں فلاں خانے میں دائیں یا بائیں طرف سے اتنے نمبر پر فلاں کتاب رکھی ہوئی ہے...... ہزاروں کی تعداد میں موجود کتابوں میں اسی طرح کتابوں کی ترتیب تک یاد رکھنا عصرِ حاضر کے کسی دماغ یا حافظہ میں شاید ہو...... لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے۔ آپ کو شیعیت کی موضوع پر بڑی معلومات تھیں، دورانِ طالب علمی ہی آپ نے متعدد بار شیعہ مناظروں سے بڑے بڑے مناظرے کئے اور ہر دفعہ فتح حق کی ہوئی۔ فنِ مناظرہ آپ نے رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد عبدالستار تونسوی، مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ، مولانا محمد منظور چنیوٹی" اور علامہ ڈاکٹر جسٹس خالد محمود (پی ایچ ڈی لندن) جیسے اکابر مناظرین سے سیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی گفتگو، خطابت اور طرزِ زندگی میں استدلال کے ساتھ استقلال اور عزم کے ساتھ عزیمت کا رنگ جھلکتا تھا۔

شہیدؒ کے بارے میں مفسرِ قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہٗ کا ایک یادگار مضمون ملاحظہ فرمائیں:

یہ طارق روڈ کراچی میں واقع جامع مسجد معمور ہے۔ میں چند ساتھیوں کے ہمراہ یہاں تعزیت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ گذشتہ اتوار کو اس مسجد کے امام وخطیب مولانا ہارون القاسمی رحمہ اللہ کو دن دیہاڑے شہید کر دیا گیا۔ پچھلے چند سالوں سے ملکِ عزیز کی سرزمین پر علماء حق کی شہادتوں کا جو سلسلہ جاری ہے، یہ المناک شہادت بھی اسکی ایک کڑی ہے۔ قتل وغارت گری کی اس بلاخیز لہر نے ہمیں ایسے بیسیوں اربابِ علم وقلم اور اصحابِ منبر ومحراب سے محروم کر دیا ہے جو مسلک کی آبرو اور اُمت کا قیمتی سرمایہ تھے۔ ان کے زمزموں سے مساجد آباد ہوتی تھیں اور درسگاہیں ان کے علمی افادات سے گونجتی تھیں۔ وہ شبِ تیرہ وتار میں روشنی کا بلند مینار اور باطل کے لیے ننگی تلوار تھے۔ ان میں سے کسی کو امریکا نے خطرناک آدمی قرار دیا اور کوئی منافقوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتا

تھا۔ ان تمام شہداء میں وجہ مشترک یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے قاتل بھی گرفتار نہیں ہو سکے۔ تعزیتی جلسے ہوئے، احتجاجی جلوس نکالے گئے، ''ظالمو! جواب دو'' جیسے نعرے لگے، سرکار کے اونچے ایوانوں سے قاتلوں کو جلد گرفتار کرنے اور ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے اعلانات کیے گئے، قاتلوں تک پہنچنے کے دعوے بھی ہوئے، کچھ گرفتاریاں بھی ہوئیں مگر جذبات ٹھنڈا ہونے کے بعد یوں لگا کہ کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

جامع مسجد معمور میں، ہم نے وہ لائبریری دیکھی جو مولانا قاسمی کے علمی اور تحقیقی ذوق کی آئینہ دار ہے۔ یہاں تفسیر سے حدیث تک، متون سے شروحات تک، فقہ وفتاویٰ سے شعر وادب تک، جرح ونقد سے علمِ مناظرہ تک اور تاریخ سے تقابلِ ادیان تک ہر قسم کی اور ہر فن کے بارے میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ ہم نے وہ راستہ دیکھا جہاں سے عام طور پر مولانا گھر سے مسجد تک اور پھر واپس جایا کرتے تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ مولانا کے والدِ گرامی کی آمد ورفت بھی اسی راستے سے ہوتی تھی۔ مولانا قاسمی کو بعض مخلص دوستوں نے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ راستہ بدلتے رہا کریں مگر انہیں اپنے والد مرحوم سے بے حد محبت تھی، وہ فرماتے تھے کہ مجھے اسی راہ پر چلنے میں سکون محسوس ہوتا ہے جہاں میرے والد چلا کرتے تھے۔ وہ والد ہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، یہاں تک کہ ان کے پیچھے پیچھے جنت میں جا پہنچے۔ چار سال قبل اسی راستے میں گھر کے بالکل سامنے ان کے بڑے بھائی کو زخمی اور ان کے والد کو شہید کیا گیا تھا۔ انہوں نے سیلِ خون اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر اس کے باوجود جادۂ حق سے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ جس درندے نے میرے والد کی جان لی ہے وہ مجھ پر بھی ضرور حملہ آور ہوگا۔ انہوں نے کئی بار اپنے قریبی ساتھیوں سے کہا تھا ''میرا انجام شہادت کے سوا کچھ نہیں''۔ متعدد بار ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا تھا مگر وہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ دوستوں نے کہہ کہہ کر ان کے ساتھ ایک سیکورٹی گارڈ رکھوا دیا تھا۔ حملہ آوروں نے پہلے اسی کو نشانہ بنایا اور اسے خاک وخون میں تڑپانے کے بعد مولانا کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کیا۔ ہم نے یہاں مولانا کی معصوم سی بچی دیکھی جسے دنیا میں آئے ہوئے ابھی صرف نو ماہ ہوئے ہیں، اسے علم ہی نہیں کہ وہ یتیم ہو گئی ہے اور اب اسے والد کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوگا، وہ چہرے کو توجہ اور محبت سے دیکھتی ہے کہ شاید ان میں سے کوئی ایک چہرہ میرے والد کا ہو۔ ہم نے یہاں ان کے برادرِ نسبتی کے واسطہ سے ان کی بیوہ سے تعزیت کی جن

کے ماتھے پر کاتب تقدیر نے طلاق کے بعد بیوگی کا داغ بھی سجا دیا ہے۔ مطلقہ سے نکاح کا فیصلہ مولانا نے اتباع سنت کے جذبے سے کیا تھا۔ وہ سات بہن بھائیوں میں سے چھوٹے تھے، ان کے خاندان کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ والد گرامی نے ایک ہی مسجد میں سنتالیس سال کے قریب عرصہ گزار دیا تھا۔ شہر میں اچھی خاصی جان پہچان اور حلقۂ تعارف بہت وسیع تھا۔ وہ چاہتے تو اپنے بیٹے کا رشتہ کسی کنواری لڑکی سے کرا سکتے تھے مگر بیٹے کا اصرار تھا کہ چونکہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے) مطلقہ اور بیواؤں سے نکاح کیا تھا، لہٰذا میں بھی یوں ہی کروں گا۔ ان کی اہلیہ بنوری ٹاؤن میں حفظ قرآن کے سابق مشہور استاذ کی بیٹی ہیں۔ جذباتی شوہر نے معمولی سی بات پر طلاق دے دی۔ مولانا قاسمیؒ کو علم ہوا تو انہوں نے رشتہ کا پیغام بھیج دیا۔ سننے اور جاننے والوں کو تعجب بھی ہوا کیونکہ مخلوبہ طلاق یافتہ ہی نہیں ایک بیٹے کی ماں بھی تھی مگر مولانا اپنی بات پر ڈٹے رہے چنانچہ وہ یہ رشتہ کر کے ہی رہے۔ دیکھا جائے تو آج کے ماحول میں یہ بہت مشکل تھا مگر اتباع سنت کے جذبہ نے ان کے لیے یہ فیصلہ آسان کر دیا۔ مولانا کے بھائی، بہنوئی اور بچپن سے جوانی تک ان کے شب و روز پر نظر رکھنے والے بزرگ اور دوست بتاتے ہیں کہ ان کے اندر یہ جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس سلسلہ میں وہ صاحب عزیمت تھے، تازندگی تصویر کشی سے بچتے رہے۔ ان کا تعلق کالعدم جماعت سپاہ صحابہ سے تھا، وہ اس کے جلسوں اور جلوسوں میں بہر صورت شریک ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود تصویر کھنچوانے سے احتراز کرتے تھے۔ ان کی بیوہ بتاتی ہیں کہ شہادت سے ایک دو روز قبل انہوں نے وصیت کی تھی کہ شہادت یا موت کی صورت میں میرا جنازہ جلد از جلد اٹھایا جائے۔ تدفین میں تاخیر نہ کی جائے اور جنازہ میں تصویر کشی کی اجازت نہ دی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی فوٹو گرافر کو ان کے جنازے کے قریب نہ آنے دیا گیا۔ ظہر کے بعد شہادت ہوئی اور عشاء کے بعد ان کی نماز جنازہ ادا کر دی گئی حالانکہ ایسے موقعوں پر احتجاج کو منظم کرنے اور زیادہ سے زیادہ مجمع اکٹھا کرنے کیلئے جنازے میں تاخیر ایک عام سا معمول بن چکا ہے۔ اسے اچھا ہی نہیں ضروری بھی سمجھا جاتا ہے۔

معمور مسجد میں نائب امام کی حیثیت سے بائیس سال گزار دینے والے مولانا مختار صاحب جن کے ہاتھ میں مولانا نے بچپن سے جوانی میں قدم رکھا وہ بتاتے ہیں کہ مولانا سارے دینی اور جماعتی کام فی سبیل اللہ کیا کرتے تھے۔ دینی خدمات پر پائی پیسہ لینے کے روادار نہ تھے۔

مسجد کی امامت و خطابت پر بھی تنخواہ نہیں لیتے تھے، عام طور پر نمازیوں سے ہدیہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے ہم دینے والے ہیں لینے والے نہیں۔ حالانکہ طارق روڈ کی دکانیں پورے شہر بلکہ پورے ملک میں مشہور ہیں مگر وہ ان حمول دکانداروں کے درمیان کامل استغناء کے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی کسی سے کچھ وصول کرتے نہیں دیکھا۔ کوئی سودا خریدتے تو اس کی قیمت ادا کیے بغیر نہ رہتے۔ دکاندار کہتے ہی رہ جاتے کہ ہماری طرف سے ہدیۃً قبول فرما لیں مگر مولانا آمادہ نہ ہوتے۔ ایسا وقت بھی آتا جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا لیکن تعاون یا قرض کے لئے ان کا دست سوال کسی کے سامنے دراز نہ ہوتا بلکہ ایسے موقع پر ایک عجیب عمل وہ یہ کرتے تھے کہ۔۔ کچھ جیب میں یا گھر میں بچا ہوتا وہ بھی صدقہ خیرات میں دے دیتے اور فرماتے کہ صدقہ کی برکت سے اللہ غیبی مدد فرمائے گا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں جیسا کہ بندے اس کے بارے میں گمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا کے مالی مسائل اور مشکلات صدقہ ہی کی برکت سے حل ہو جاتے تھے۔ جماعتی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں ان کی بھاگ دوڑ کا دائرہ مسجد سے محلے تک، کراچی سے دوسرے شہروں تک، غریب ساتھیوں کی معاونت کیلئے جیل اور عدالت تک پھیلا ہوا تھا...... مگر یہ سب کچھ بھی وہ محض رضائے الٰہی کے حصول کیلئے کرتے تھے۔ حالانکہ اس حوالے سے ان پر اچھا خاصا مالی بوجھ پڑ جاتا تھا مگر بات وہی تھی جو وہ اکثر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم دینے والے ہیں لینے والے نہیں۔

انہوں نے درسِ نظامی سے فراغت کے بعد چار ایم اے کیے، وہ ایل ایل بی تھے، ہائی کورٹ میں باقاعدہ پریکٹس کرتے تھے۔ مشہور بیرسٹر فاروق حسن صاحب کے ساتھ انہوں نے خاصا وقت گزارا تھا...... لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول، وکالت اور پریکٹس سے مقصد بھی دولت کمانا نہ تھا بلکہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والے اپنے ساتھیوں کی معاونت ہی ان کے پیشِ نظر تھی۔ انتہائی رازداری کے ساتھ غریب دوستوں کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ اپنے معاشی مسائل کے لیے وہ تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ چین اور ہندوستان بھی جا چکے تھے لیکن یہ کوئی مستقل سلسلہ نہ تھا بس جب کبھی موڈ ہوتا وہ اس طرف بھی توجہ دیتے۔ اصل میں جلبِ زر اور جمعِ مال کو انہوں نے اپنا مقصدِ زیست بننے ہی نہ دیا، وہ تو علم و عمل کے آدمی تھے۔ اپنے علمی اور دینی ذوق پر کسی دوسرے ذوق کو مسلط کر لینا انہیں گوارا نہ

تھا۔ اللہ والوں کی خدمت میں بڑی عقیدت ومحبت سے حاضری دیا کرتے۔ امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر سے ان کا اصلاحی تعلق تھا۔ مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ اور علامہ خالد محمود سے انہوں نے مختلف موضوعات پر علمِ مناظرہ سیکھا تھا۔ اتنی ساری تبحر شخصیات سے حصولِ کمال کے بعد ان کے اندر اعتماد پیدا ہو چکا تھا اور وہ کسی بھی مخالف فرقے کے مناظر سے بات چیت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

دارالعلوم دیو بند سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا، وہاں باقاعدہ داخلہ لے کر پڑھنے کا بھی ارادہ کیا مگر بعض مشکلات کی وجہ سے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے لیکن ویسے کئی بار ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے اکابر علماء سے استفادہ کیا۔ ان کے والد گرامی مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ دیو بند ہی کے فاضل تھے۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے ان کا اصلاحی تعلق تھا، گویا دیو بند سے محبت انہیں وراثت میں ملی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دارالعلوم دیو بند کی محبت ہی نہیں بلکہ علم کا ذوق، عمل کا شوق، اتباعِ سنت کا ولولہ، غریبوں سے محبت، علماء وصلحاء سے عقیدت، گمراہ فرقوں سے نفرت، معاملات کی صفائی، قناعت واستغناء، رزق حلال پر اکتفاء، مشتبہ مال سے احتراز، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عشق کی حد تک لگاؤ اور شہادت کا جذبہ...... یہ سب کچھ انہیں وراثت میں ملا تھا اسی لیے انہیں ''شہید ابن شہید'' ہونے کا مقامِ رفیع مل گیا۔

علامہ غازی عبدالرشید شہیدؒ

(شہادت: ۱۰ر جولائی ۲۰۰۷ء)

جولائی ۲۰۰۷ء میں پرویز مشرف ملعون نے اسلام آباد کی مشہور لال مسجد اور اس سے ملحق جامعہ حفصہؓ پر فوجی آپریشن کے ذریعے سینکڑوں طلباء و طالبات اور علامہ غازی عبدالرشید کو امریکی آقاؤں کے حکم پر اپنے جور و استبداد کا نشانہ بنا کر شہید کیا۔ پاکستان کی تاریخ کے اس المناک سانحہ پر بیسیوں کتابیں اور سینکڑوں مضامین لکھے گئے۔ علامہ غازی عبدالرشید شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں نے جس جرأت و استقلال کا مظاہرہ کیا اور جس والہانہ انداز میں جام شہادت نوش کیا وہ درج ذیل اخباری اطلاعات سے واضح ہے۔

آپریشن امریکی ہدایت پر ہوا میری شہادت یقینی ہے' غازی

میرے صرف تیس ساتھیوں نے سیکورٹی فورسز کا مقابلہ کیا والدہ زخمی ہیں شجاعت اعجاز الحق اور طارق عظیم نے مجھے جھکانے کی کوشش کی دھمکیاں بھی دیں۔

اسلام آباد (رپورٹنگ ٹیم) لال مسجد کے نائب خطیب عبدالرشید غازی نے کہا کہ لال مسجد کے خلاف آپریشن امریکہ کی ہدایت پر کیا گیا ان کی شہادت یقینی ہے گولیاں لگنے سے ان کی والدہ شدید زخمی ہوئی ہیں۔ کمانڈو آپریشن شروع ہونے کے بعد ایک نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حکومت اندھی طاقت استعمال کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اتنا بڑا جرم نہیں کیا جس کی اتنی بڑی سزا دی جا رہی ہے، ان کی شہادت یقینی ہے عوام ملک میں شریعت کے نفاذ کی کوششیں جاری رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس صرف چودہ کلاشنکوف ہیں جس سے انہوں نے ۸ دن مزاحمت کی اور ان کے صرف تیس ساتھیوں نے سیکورٹی فورسز کا سخت مقابلہ کیا اور

انہیں روکے رکھا۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ ہماری فوج کو غلط استعمال کر رہے ہیں یہ مجاہدین کی فوج ہے اسے بدنام نہ کیا جائے۔ ہمارے خلاف آپریشن امریکہ کے کہنے پر شروع کیا گیا کیونکہ ملک میں امریکی ایجنٹوں کی حکومت ہے انہوں نے کہا کہ ہمارا معاشی نظام مسائل کی جڑ ہے۔ جس میں چند خاندان اقتدار پر قابض ہیں جب تک ملک میں اسلامی قانون قائم نہیں ہو جاتا مسائل حل نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جدوجہد ملک کے مظلوم طبقے کے لئے تھی۔ انہوں نے کہا کہ چودھری شجاعت حسین' وزیر مذہبی امور اعجاز الحق اور وزیر مملکت برائے اطلاعات نشریات طارق عظیم نے انہیں جھکانے کی کوشش کی اور آپریشن کی دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ آپ ہمیں ماردیں لیکن لوگ بعد میں انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ علماء نے اسٹینڈ نہیں لیا اور خوف کا شکار ہو گئے ان کو چاہیے تھا کہ وہ حق کا ساتھ دیں۔ انہوں نے بتایا کہ گولیاں لگنے سے ان کی والدہ جاں بہ لب ہیں اور وہ انہیں کلمہ پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آخرت کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی

ممکن ہے ان سطور کی اشاعت تک ہم محصورین لال مسجد شہادت کا اعلیٰ رتبہ پا چکے ہوں۔ 15 ہزار کے قریب سیکورٹی اہلکار' نیم فوجی دستے'' ٹینکوں کا لاؤ لشکر نہتے اور معصوم طلباء و طالبات کو روندتے ہوئے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو فتح کر چکے ہوں۔ اگر چہ اس وقت لال مسجد کربلا کا منظر پیش کر رہی ہے۔ شہداء کی بکھری نعشیں' زخمیوں کی آہ وبکا' مسجد کے شہید مینار اور چار دیواری زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ 6 لاکھ انسانوں کی قربانی جس مطالبے پر دی گئی اسے دہرانے کی سزا ہے تاہم اس سارے منظر نامے میں خطیب لال مسجد وبانی تحریک طلباء وطالبات مولانا عبدالعزیز کی غیر متوقع گرفتاری اور بعد ازاں ان کا ٹی وی انٹرویو اسلام پسند عوام کے لئے یقیناً مایوسی کا سبب بنا عام لوگ جو اصل صورت حال سے واقف نہیں ان کا خیال ہے اور میڈیا کے بعض ادارے بھی حقیقت جانے بغیر یہ باور کرانے میں مصروف ہیں کہ مولانا عبدالعزیز نے موت کے خوف سے فرار کا راستہ اختیار کیا اور اپنے رفقاء اور طلباء وطالبات کو تنہا چھوڑ کر نکل پڑے۔

تجزیاتی صلاحیت سے بے بہرہ لوگ اس پہلو پر غور نہیں کرتے کہ اگر واقعی مولانا

عبدالعزیز موت سے خوف زدہ ہو کر زندگی کی طرف بھاگے تو پھر اپنے بیٹے' بیٹی' ماں اور بیوی کو کیوں چھوڑ گئے پھر میں انکا چھوٹا بھائی' ان کے دیگر ساتھی اور رہ جانے والے طلباء و طالبات سرنڈر کا راستہ کیوں اختیار نہیں کرتے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت مخالفین کو سمجھانے کے بجائے ہمدرد لوگوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ مولانا عبدالعزیز گہری سازش کا شکار ہوئے۔ اگر چہ فی الوقت ان کی گرفتاری پر نئے اسرار دبیز پردہ پڑا ہوا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ پردہ اٹھ جائے گا اور حقائق سامنے آ جائیں گے۔

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا عبدالعزیز راہ جہاد کے مسافر اور شوق شہادت سے لبریز ہیں۔ان کے خلاف صرف ایک بات ہی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے کڑے وقت میں بعض لوگوں پر اعتماد کیا جوان کی غلطی تھی جس کی سزا بہرحال بھگتنا ہوگی۔ سچ اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز نہ موت سے گھبرائے نہ راہ فرار اختیار کی بلکہ وہ وصیت لکھ کر غسل کر کے شہادت کے منتظر تھے کہ دیگر لوگوں کی جانیں بچانے کے لئے امید کی ایک کرن سارے فسانے کا باعث بنی بہرحال حقیقت ثابت اور واضح کرنا وقت کا کام ہے اور وہ ایسا ہی کرے گا۔

میں اتنا کہوں گا کہ مولانا عبدالعزیز اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے تحریک صرف اللہ کی رضا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے شروع کی۔ حدود اللہ میں ترمیم' مساجد کی شہادتیں فحاشی اور عریانی کا فروغ' اسلامی عقائد کی نفس پسند تشریحات' جہاد کا نام لینے والوں پر فوج کشی' مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر بھیڑ بکریوں کی طرح کفار کے حوالے کرنا اور سیکولر ازم کے فروغ کے اقدامات قابل برداشت نہیں تھے جس وجہ سے نفاذ اسلام کی فیصلہ کن تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپریشن کے دوران جامعہ حفصہ میں کسی طالبہ یا طالب علم کو زبردستی نہیں روکا گیا۔ یہاں صرف وہی لوگ اپنی مرضی سے ٹھہرے جن کے دلوں کی دنیا مولانا عبدالعزیز کے بیانات کی وجہ سے بدل چکی تھی۔ میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس ملک میں اسلام کا نظام عدل چاہتے ہیں۔ہم عدالتوں میں شرعی قوانین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ہم چاہتے ہیں۔ہم عدالتوں میں شرعی قوانین کے نفاذ کے خواہاں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ غریب عوام کو انصاف ملے' روٹی ملے' ملاوٹ' رشوت' ظلم' فحاشی' اقرباء پروری کا نظام ختم ہو۔ان سب مسائل کے

حل کے لئے اسلامی نظام کا عملی نفاذ واحد ذریعہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور آئین پاکستان کا تقاضا بھی۔

ہم نے دنیاوی فوائد مسترد کر کے راستے کی تلخیوں کو پہچانتے ہوئے شعوری طور پر آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی ہے۔ میرے ساتھ موجود طلباء و طالبات کے عزائم انتہائی بلند ہیں بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ ان طلباء و طالبات کے عزائم دیکھ کر میرے جذبوں کو بھی جلا ملتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں ان طلباء و طالبات کا قصور کیا ہے؟ کیا کچھ غلط کار لوگوں کو اصلاح کی نیت سے اٹھا کر لانے کی یہ سزا ہے کہ ان گنت معصوم جانوں کو بارود کی نظر کر دیا جائے۔ ریاست کی رٹ کی برتری کی بات کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رٹ کو قدم قدم پر پامال کیوں کیا؟ ...... جن لوگوں نے گزشتہ ۵ دنوں میں قرآن کے حافظ اور حدیث کا علم حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کو گولیوں سے چھلنی کیا وہ یقیناً ظالم ہیں۔

اس موقع پر میڈیا کے چند چینلو نے بھی جانبداری کا مظاہرہ کیا۔ ہم اس مسئلے کو بھی اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

میں آخر میں وصیت کے طور پر اسلام پسند عوام' تحریک سے وابستہ لوگوں' طلباء و طالبات ان کے لواحقین اور ذرائع ابلاغ کے سامنے اپنی بات دہراؤں گا کہ ہماری تحریک نیک مقاصد کے لئے شروع کی گئی۔ ہم اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے پر قائم ہیں۔ ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہم نے ایثار' وفاء اور قربانی کی راہ کا انتخاب کیا۔ ہم نفاذ اسلام کے مطالبے پر جان دینا سعادت سمجھتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی رحمت پر یقین ہے کہ ہمارا لہو انقلاب نوید بنے گا دنیا والوں نے کبھی ہمیں ایجنسیوں کا کارندہ کہا ہے اور کبھی پاگل کہا۔ آج بارود کی بارش ثابت کر رہی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں بے شک اہل حق پر مصائب آنا حقیقت ہے اگر ہمارے امیر حضرت حسینؓ بے بسی میں شہید ہوئے تو ہم بھی اس قافلے کی راہ رو ہیں۔ ان شاء اللہ اسلامی انقلاب اس ملک کا مقدر بنے گا۔ (ان شاء اللہ)

چمن میں آئے گی فصل بہار ان ہم نہیں ہوں گے

غازی عبدالرشید کی آخری خواہش

لال مسجد کے نائب خطیب عبدالرشید غازی نے ذرائع ابلاغ پر اپنے اظہار خیال کے

دوران ایک صحافی کا ذکر کیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ وہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہ لگائیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس وہ صحافی آئے تھے اور کہا انہوں نے شراب پینے سے توبہ کرلی ہے۔ اب میری یہ آخری خواہش ہے کہ وہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہ لگائیں۔ میں ان کا نام نہیں لیتا ہوں وہ سمجھ گئے ہونگے۔

غازی جام شہادت نوش کر گئے' آخری وقت تین کلموں کا ورد

عبدالرشید غازی نے آخری وقت پہلے تینوں کلموں کا ورد کیا اور کسی کو فرسٹ ایڈ کے لئے اپنے پاس آنے سے روک دیا۔ منگل کے روز غازی عبدالرشید اور ان کے تقریباً ایک درجن جانثاروں کے خلاف آپریشن کرنے والے ایک متحرک اور ذمہ دار نے نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا کہ ہم نے پہلے عبدالرشید کو دائیں ٹانگ پر فائر کر کے سرنڈر کرنے کو کہا جس کے جواب میں انہوں نے فائر کھول دیا جس کے بعد ہم نے جو گولیاں چلائیں [illegible] انہیں سامنے کی طرف لگیں جس کے بعد ہم نے انہیں ایک مرتبہ پھر فرسٹ ایڈ کی پیشکش کی جو انہوں نے یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ میرا آخری وقت آگیا ہے میں کسی کی مدد نہیں لوں گا۔ غازی عبدالرشید نے جسم سے رستے ہوئے خون اور لڑکھڑاتے ہوئے پہلے تیسرا پھر دوسرا اور پھر پہلا کلمہ پڑھا اور ہماری طرف سے فرسٹ ایڈ کی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ مجھے ہاتھ مت لگانا میرا آخری وقت آگیا ہے۔

غازی کی شہادت پر صحافی افسردہ ہوگئے

لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازی کے جاں بحق ہونے کی خبر سنتے ہی اسلام آباد کی فضا سوگوار ہوگئی۔ سرینڈر پوائنٹ پر موجود صحافی خبر سنتے ہی افسردہ ہوگئے۔ یوں محسوس ہورہا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہر طرف کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری رہی۔ تمام ذرائع ابلاغ کے نمائندے خبر ایک دوسرے کو سناتے رہے اور کنفرم کرتے رہے۔

غازی کی شہادت کی خبر سن کر نوجوان پر غشی طاری ہوگئی

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن کے دوران جب عبدالرشید غازی کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کی گئی تو اٹک کے ایک نوجوان پر غشی طاری ہوگئی بعدازاں جب اس سے

پوچھا گیا کہ تو اس نے افسوسناک لہجے میں کہا کتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے کوئی نہیں بول رہا کوئی احتجاج نہیں کر رہا دونوں طرف سے لاشوں کے ڈھیر ے بچھے پڑے ہیں اور علمائے کرام نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی ہے مولانا عبدالرشید کو زیادہ تعداد میں لوگ شہید پکارتے رہے۔

غازی کی میت

غازی عبدالرشید شہیدؒ (اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) نے منگل ۱۰ رجولائی کو جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کی والدہ کی شہادت اور بھتیجے اور ان کے کزن محمد انعام کی شہادت بھی اسی دن ہوئی۔

ان کی وصیت تھی کہ مجھے میرے والد شہید عبداللہؒ کے پہلو میں دفنایا جائے لیکن صورتحال کے پیش نظر سپریم کورٹ نے حکم دیا کہ آپ عبدالرشید شہیدؒ کی میت روجھان حزاری میں امانتاً دفن کر دیں۔ چنانچہ بدھ کی شام عبدالرشید شہیدؒ کا جنازہ روجھان لے جایا گیا اور جمعرات دن کے وقت پونے دو بجے ان کو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ مولانا عبدالعزیز نے پڑھائی اور آخر کار یہ آفتاب دنیا سے غروب ہو گیا۔

غازی کے خون سے خوشبو (اقتباس روزنامہ اسلام)

اسلام آباد سے چند ساتھی علامہ عبدالرشید شہیدؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بستی "عبداللہ روجھان" روانہ ہوئے، تاخیر کی وجہ سے نماز جنازہ میں تو شرکت نہ کر سکے البتہ آغوشِ لحد میں آرام فرما غازی شہید کا آخری دیدار ضرور کیا۔

اس سفر میں چند چشم دید حقائق سامنے آئے، وہ قارئین کے گوش گزار کرنے کے لئے یہ خامہ فرسائی کر رہا ہوں۔

سب سے پہلی چیز جو غازی شہید کی مقبول شہادت کی شاہد تھی وہ شہادت کے ۵۲ گھنٹے بعد بھی غازی شہید کا مسکراتا چہرہ تھا۔ نہ گال پچکے نہ بال بے ترتیب ہوئے، ایک بشاشت اور طمانیت چہرے پر نمایاں تھی اور وہ قرآن کریم کی یہ پیش گوئی صاف صادق آ رہی تھی۔

يستبشرون بنعمةٍ مّن اللّٰه وفضلٍ.

"اللہ کی نعمت اور فضل سے شہداء خوشیاں مناتے ہیں۔"

"یستبشرون" بشر سے ہے اور عربی میں کھال کو "بشر" کہتے ہیں۔ حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بشارت اس خوشی کو کہتے ہیں جس کا اثر انسان کی کھال پر ظاہر ہو اور یہی کیفیت غازی شہیدؒ کے چہرے پر عیاں تھی۔

اندازے کے مطابق شہادت کے تقریباً ۳۰ گھنٹے بعد غازی شہید کی میت کو تابوت میں رکھا گیا اور ۵۲ گھنٹے بعد تدفین ہوئی۔ ۵۲ گھنٹے کے بعد جب غازیؒ کی میت کو تابوت سے نکالا گیا تو عینی شاہدین نے بتایا کہ ابھی تک میت کے خون کے تازہ قطرے ٹپک رہے تھے۔ گو اس بات کا راقم عینی شاہد نہیں لیکن جن لوگوں نے غازی کی میت کو لحد میں اتارا ان سے سنا اور بعد میں مختلف اخبارات میں بھی اس بارے میں بہت کچھ نظروں سے گزرا۔

تدفین کے کچھ دیر بعد جب راقم مدرسہ عبداللہ بن غازی کے گیٹ سے داخل ہوا تو ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس کی۔ میں نے جلدی سے قبر کی مٹی اٹھائی لیکن اس سے کوئی خوشبو نہ آ رہی تھی۔ قبر کے پاس تابوت کے نچلے تختے پر نظر پڑی جس پر غازی شہید کا خون لگا ہوا تھا، اس کے قریب جا کر کھڑا ہوا تو معلوم ہوا خوشبو اسی سے آ رہی ہے۔ بے اختیار زبان سے بار بار سبحان اللہ، سبحان اللہ کے کلمات جاری ہو گئے، کچھ دیر تک وہاں کھڑا، اس خوشبو سے مشامِ جاں کو معطر کرتا رہا، پھر دیگر ساتھیوں کو بھی اس طرف توجہ دلائی تو انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ خوشبو کے جھونکے گرد و پیش کو معطر کر رہے تھے۔ ایک ساتھی نے رومال کو خون لگا لیا، راستے میں ہم اس سے خوشبو سونگھتے رہے۔ نئے ملنے والوں کو بھی رومال پیش کرتے رہے۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی پھر اسلام آباد میں بھی ساتھیوں کی یہ سوغات پیش کی۔

تابوت کے خون آلود نچلے تختے کے ساتھ تابوت کے دیگر تین تختے بھی موجود تھے، انہیں سونگھا مگر ان سے خوشبو نہیں آ رہی تھی۔

میڈیا کے ساتھیوں کو اس طرف متوجہ کیا تا کہ وہ اس رپورٹ کو چینلز پر پیش کریں، اس طرح تختے پہ لگا ہوا جو خون ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ تقریباً ۵۲ گھنٹے گزرنے کے بعد بھی اس طرح سرخ تھا، حالانکہ عام مشاہدہ ہے کہ خون خشک ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی دیکھی کہ تختے کے کافی حصے پر خون لگا ہوا تھا مگر اس پر کوئی مکھی نہیں بیٹھ رہی تھی۔ جس شخص اور اس کے رفقاء پر مسلسل سات روز بمباری اور گولہ باری بارش کی طرح ہوتی رہی ہو اور بھاری اسلحہ کی گھن گرج میں ایک ہفتہ گزرا ہو، دھماکوں کی شدت سے پورا اسلام آباد لرزتا ہو، جس کی جان عزیز پر ۱۷۰ سے زائد گھنٹے ایسے گزرے ہوں کہ ہر دم موت کے سائے منڈلاتے رہے ہوں اور دھمکیوں کے بادل چھائے ہوں۔ خوراک نہیں، بجلی نہیں، پانی نہیں، گیس نہیں، خاصہ زندگی ہوا ہے، آکسیجن ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں، اعصاب شکن گیس استعمال کی گئی، جس سے پیاس کی شدت میں بے پناہ اضافہ ہوا، حلق اور ہونٹ خشک ہو گئے، مسلسل تھکاوٹ اور بے آرامی مزید برآں تھی۔ ان میں سے چند ساعتیں ہی رگوں سے خون خشک کرنے کے لئے کافی تھیں، مگر ان سب باتوں کے باوجود ۵۲ گھنٹے بعد بھی غازی شہیدؒ کے چہرے پر شگفتگی، لبوں پہ تازگی، داڑھی میں چاندنی اور رخساروں پہ نہ ختم ہونے والی لالی...... میں تو اسے شہیدِ راہِ وفا ہی کہوں گا......!

تو جنگجو کہے تیری مرضی، مزاحمت کار کہے تیری خوشی، دہشت گرد کہے تیری مجبوری......!!!

شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ

(شہادت: ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۷ء)

2 رمضان المبارک 1428ھ مطابق 15 ستمبر 2007ء بروز ہفتہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر، جامعہ امداد العلوم پشاور کے صدر مدرس و شیخ الحدیث جامع مسجد درویش پشاور کے خطیب، مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے فاضل و سند یافتہ، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سابق استاد حدیث، پاکستان بلکہ عالم اسلام کی مشہور علمی شخصیت، جمعیت علماء اسلام کے راہ نما اور سر پرست، طالبان تحریک کے موید، جہاد افغانستان کے سر پرست، قومی اسمبلی کے سابق رکن اور علم و عمل کی تصویر حضرت مولانا حسن جان کو روزہ کی حالت میں افطار کے وقت فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ان للّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطیٰ و کل شئ عندہ باجل مسمیٰ.

حضرت مولانا مرنج و مرنجان طبیعت و شخصیت کے مالک تھے۔ علمی رسوخ اور سادگی و بے تکلفی ان کا اختصاص و امتیاز تھا وہ ہر دل عزیز انسان تھے۔ بحث و تحقیق اور درس و تدریس ان کی پہچان تھی وہ کتاب و درس گاہ کے آدمی تھے وہ عوامی نہیں خالص علمی اور تحقیقی انسان تھے وہ اردو عربی اور فارسی اپنی مادر زبان پشتو کی طرح بولتے تھے وہ صوبہ سرحد کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے اس لیے آبروئے علم و فضل کی حفاظت کے علمبردار تھے ان کی زبان سے علم و ادب اور تہذیب و شائستگی ٹپکتی تھی ان کی مجالس میں علمی ادبی رنگ نمایاں ہوتا تھا ان کا ذوق و مزاج کی روایات کا آئینہ دار تھا اُنھوں نے اپنی فراغت اور تکمیل کے بعد تقریباً پچاس سال تک زکوٰۃ علم تقسیم فرمائی اور نصف صدی سے زائد علوم نبوت اور قرآن و حدیث کی خدمت کی۔

تاریخ پیدائش 2 ذوالقعدہ 1356ھ کے مطابق وہ قمری اعتبار سے زندگی کی 72 بہاریں دیکھ چکے تھے اور مسنون عمر 63 سال سے بھی 9 سال زائد گزر چکے تھے۔ گویا وہ کبر سنی اور بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے ان میں جوانی کا جوش ختم ہو گیا تھا اور ان کے خون کی حرارت میں شدت نہیں رہی تھی۔

وہ شعلہ بیان مقرر و خطیب تھے اور نہ ہی وہ کسی سیاسی تنظیم اور فرقہ پرست جماعت سے منسلک تھے بلکہ وہ ایک خالص علمی اور تعلیمی جماعت وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر تھے۔ اپنے اور پرائے سب ہی ان کی صلاحیتوں کے معترف اور ان کے تقویٰ و تدین کے قائل تھے، تمام طبقات میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لیے کوئی باور نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی بدبخت ایسے بے ضرر انسان معصوم عالم دین اور فرشتہ صفت شیخ کی جان لینے یا ان کے خون ناحق کے درپے ہو سکتا ہے؟

مگر کیا کیجیے؟ یہ سب کچھ قسمت کا کھیل اور تقدیر کا فیصلہ ہے چنانچہ جس کے مقدر میں شہادت کا اعزاز لکھا ہو، رمضان المبارک کے عشرہ اولیٰ روزہ کی حالت میں عصر کے بعد اور عین افطار کے وقت اس کی ادائیگی طے ہو۔ اس اعزاز سے کون محروم کر سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ جب راقم الحروف کو مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد مطاف میں اترتے ہوئے برادرم وسیم غزالی سلمہ نے اس حادثہ جانکاہ کی خبر وحشت اثر سنائی تو بے اختیار منہ سے نکلا مولانا مرحوم کی قسم کھانے کو جی چاہتا ہے وہ کیا نصیب کی جائے ہے!

بلاشبہ حضرت مولانا مرحوم تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے امر ہو گئے مگر سوال یہ ہے کہ ان کے قاتلوں کو اس سے کیا ملا؟ ایک معصوم و فرشتہ انسان اور ضعیف و بوڑھے عالم دین کی جان لینے کا ان کو کیا فائدہ؟ عین ممکن ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کو کوئی بڑا معاوضہ ملا ہو؟ مگر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا اور اس کا ساز و سامان ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور ایک نہ ایک دن انھیں بھی موت سے ہم آغوش ہونا ہے سوال یہ ہے کہ وہ اس خون ناحق کا حساب کیونکر دے سکیں گے؟ اور اس کی سزا کا سامنا کیسے کر سکیں گے؟

بظاہر حضرت مولانا مرحوم کی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی وہ کسی اعتبار سے متنازعہ تھے وہ حسن اخلاق کا مظہر اور اتفاق و اتحاد کی علامت تھے پھر وہ کسی ایسی جماعت و تنظیم سے

وابستہ بھی نہ تھے جن کے مخالفین نے ان کو اپنے انتقام ومخالفت کا نشانہ بنایا ہو۔

اس لیے اگر بغور دیکھا جائے تو حضرت مولانا مرحوم کا خون ناحق بھی انہی ناپاک ہاتھوں نے بہایا ہے، جنہوں نے اس سے قبل حضرت مولانا عبداللہ اسلام آباد، مولانا محمد مجاہد فیصل آباد، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی عبدالسمیع، مولانا عنایت اللہ مولانا مفتی محمد اقبال، مولانا حمید الرحمٰن عباسی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا مفتی محمد جمیل خان، مولانا نذیر احمد تونسوی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کو خاک وخون میں تڑپایا ہے۔

یوں تو شہید ہونے والے علماء کرام کی فہرست اس سے بہیں زیادہ طویل ہے۔ مگر مندرجہ بالا حضرات وہ ہیں جو خالص علمی اور تحقیقی انسان تھے اور ان کا کسی بھی سیاسی تنظیم یا فرقہ پرست جماعت سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس کے علاوہ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو علمائے کرام کو تشتت وانتشار میں مبتلا کرنے ان کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے طلبہ اور اساتذہ میں بدگمانیاں پیدا کرنے، وفاق المدارس کو خائف کرنے اور سانحہ اسلام آباد سے توجہ ہٹانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا ہے مگر ہر صاحب بصیرت جانتا ہے کہ اس خونی واردات کے پیچھے کون سے عزائم اور کون سے خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے؟

غالباً دین دشمن سمجھتے ہوں گے کہ اس قسم کی اوچھی کاروائیوں اور ناپاک ہتھکنڈوں سے علماء ڈر جائیں گے وہ اپنے موقف سے ہٹ جائیں گے یا دین ومذہب سے اور علماء سے مسلمانوں کو دور کر دیا جائے گا؟ مگر انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی زندگی بھر کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما کر انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور ان کی حسنات میں دن دگنا رات چوگنا اضافہ فرمائے، اللّٰھم لاتحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

قارئین بینات سے درخواست ہے کہ حضرت مرحوم کی اپنی دعاؤں اور ایصال ثواب میں ضرور یاد رکھیں۔ (ماہنامہ بینات کراچی)

حضرت مولانا مفتی عبدالسلام شہیدؒ

(شہادت ۸/اکتوبر ۲۰۰۷ء)

۲۵/رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۸/اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز پیر تقریباً چار بجے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل مدرسہ عربیہ عارف العلوم میٹروول تھرڈ کے مدیر مہتمم، استاد، میرے عزیز، ہم زلف اور جواں سال عالم دین مولوی مفتی عبدالسلام شیر شاہ کراچی کے علاقہ میں کسی ظالم کی تیز رفتار گاڑی کی ٹکر سے موقع پر شہید ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

عزیز موصوف کی شہادت بلاشبہ قابل رشک ہے کیونکہ وہ 25 کی طاق رات کو رات بھر عبادت اور دعا میں مصروف رہے۔ صبح سحری کھائی روزہ رکھا خلاف معمول دوسرے روز بھی وہ ہماری مسجد باب رحمت شادمان ٹاؤن میں تشریف لائے اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کی ختم خواجگان میں شامل ہوئے۔ دوازدہ تسبیح کا ذکر کیا ضروری مشورے کیے، مصافحہ کیا اور اپنے مدرسہ کے کام کے لیے شیر شاہ گئے اور اسی راہ حق میں شہید ہوگئے۔ بظاہر طاق رات کی عبادت، توجہ، انابت، دعا، روزہ، عشرہ اخیرہ، ذکر وتلاوت، ختم خواجگان اور پھر خالص دینی کام کی انجام دہی میں مشغول تھے کہ داعی اجل آگیا اور جلدی جلدی لبیک کہتے ہوئے شہید ہوگئے یہ سب حسن خاتمہ کی علامت ہیں امید ہے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ عفو وکرم کا معاملہ فرمائیں گے۔

مگر بہرحال پسماندگان کے لیے یہ بہت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کا چھ سال قبل ہمارے بچوں کی سب سے چھوٹی خالہ کے ساتھ نکاح ہوا تھا ان کے دو چھوٹے چھوٹے معصوم بیٹے ہیں۔ جن میں سے ایک کی عمر ۵ سال اور دوسرے کی صرف 3 سال ہے جبکہ مرحوم اپنے گھر کے واحد کفیل بھی تھے۔

بلاشبہ میرے لیے یہ ذاتی سانحہ ہے کیونکہ مرحوم جس طرح مجھے اپنا بڑا بھائی، روحانی باپ استاد اور شیخ جانتا تھا۔ راقم بھی اسے اپنا بیٹا شاگرد اور عزیز سمجھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے پسماندگان خصوصاً بوڑھی والدہ، بیوہ اور معصوم بچوں کی کفایت وکفالت فرمائے اور دوسرے متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ مرحوم کو اپنی دعاؤں اور ایصال ثواب میں ضرور یاد رکھیں۔

(ماہنامہ بینات کراچی۔ از قلم مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ)

مولانا مفتی محمد اسماعیل شہیدؒ

(شہادت: ۶ر دسمبر ۲۰۰۷ء)

دہشت گردی کے آسیب نے پچھلے چند سالوں میں ایسی قیمتی جانیں لی ہیں کہ ان کا بدل آنا شاید ناممکن ہو۔ ملک وملت کے نہ جانے کتنے عظیم سرمائے اس افسوس ناک درندگی کا شکار ہوئے کتنے گھرانوں کے روشن چراغ گل ہوئے کتنے بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھا کتنی سہاگن اپنے سہاگ سے مرحوم ہوگئیں اور ان واقعات کا ایسا لامتناہی تسلسل ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آرہا۔

حال ہی میں ایک تازہ المناک حادثہ ۲۵ر ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۶ر دسمبر ۲۰۰۷ء جمعرات کے دن کراچی شہر کے قلب میں واقع جامع مسجد طیبہ چاندنی بی میں پیش آیا جہاں حضرت مفتی محمد اسماعیلؒ کو سفاک قاتلوں نے بربریت کا نشانہ بنا کر انتہائی بے دردی سے شہید کردیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

جو حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل شہیدؒ سے واقف ہیں انھیں کبھی اس حقیقت میں ایک فیصد بھی شک نہیں رہا کہ مفتی اسماعیلؒ ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں اور فرقہ واریت سے کوسوں دور انتہائی خاموشی کے ساتھ دین اور علم دین کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ کسی قسم کی فرقہ وارانہ عصبیت سے ان کے ادنی تعلق کا تو سوال ہی کیا تھا؟ ان کی پوری زندگی فرقہ واریت کے خلاف، دین کی بنیادی تعلیمات کے فروغ کے لیے وقف تھی اور وہ کبھی کسی سے ذاتی، گروہی، جماعتی یا مسلکی عداوت میں ملوث نہیں ہوئے۔ لیکن دہشت گردی کے جنون نے ایسے بے ضرر انسان کو بھی نہیں بخشا اور ملک وملت کو ایک ایسے جواں سال عالم سے محروم کردیا جو مستقبل کے افق پر امید کے روشن چراغ تھے۔ جن کی صلاحیتوں کے تصور سے اپنے عہد کے افلاس اور قحط الرجال کے احساس

میں کمی آتی تھی اور جن کے بارے میں ظالم قاتلوں کو یہ نہیں معلوم کہ اُنھوں نے ایسے بے ضرر عالم دین کو درندگی کا نشانہ بنا کر خود اپنی شقاوت و بدبختی پر مہر ثبت کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ نے کل بتیس (32) سال عمر پائی۔ وطن عزیز کے معروف اور ممتاز دینی ادارہ جامعہ دارالعلوم کراچی سے تعلیم کا آغاز کرتے ہوئے ۱۹۹۹ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحان میں شرکت کر کے نمایاں کامیابی کے ساتھ سند فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد اسلامی فقہ میں خصوصی مہارت (اسپیشلائزیشن) حاصل کرنے کے لیے فقہ و افتاء کی تربیت حاصل کی اور پورے زمانہ طالب علمی میں اپنے تمام اساتذہ کرام کے منظور نظر رہے۔

مولانا مفتی محمد اسماعیل شہیدؒ علوم اسلامی کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی آراستہ تھے اسلامی علوم کی تکمیل کے بعد اُنھوں نے میٹرک اور انٹر کامرس بھی امتیازی نمبرات سے پاس کیا۔

اسلامی علوم کی تکمیل اور عصری علوم پر معتدبہ عبور حاصل کرنے کے بعد آپ دین متین کی ترویج و اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور ''مدرسہ حسینیہ'' میں تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دینی شروع کیں اور اپنی کم سنی کے باوجود گراں قدر خدمات اس انداز سے انجام دیں کہ آپ کے ہم عصروں میں اس کی مثال نہیں ملتی اور تدریس کے اس ابتدائی سال میں مشکوٰۃ شریف کے علاوہ دیگر کئی اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ تدریس کے ایک سال پورا ہونے کے بعد آپ کے مشفق استاد حضرت مولانا محمد یوسف کرخی صاحب مدظلہ نے اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن میں درس نظامی کی تدریس کے لیے آپ کو منتخب فرمایا۔ نوعمری ہی میں تدریس کے مراحل طے کرتے ہوئے مفتی محمد اسماعیلؒ وہاں کے مقبول ترین استاد شمار ہونے لگے۔ آپ کی بے پناہ صلاحیتوں اور اعلیٰ خصوصیات کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد یوسف کرخی صاحب مدظلہم نے آپ کو ناظم تعلیمات کے منصب پر فائز کر دیا چنانچہ آخر وقت تک اپنے فرائض اس طرح انجام دیے کہ خود آپ کے استاد محترم نے آپ کو ادارے کا ''روح رواں'' قرار دیا۔

ساتھ ہی آپ نے فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی محنت اور تحقیق کے ساتھ جاری رکھا، کئی اہم تحقیقی فتاویٰ کے علاوہ آپ نے انگریزی میں بھی فتاویٰ تحریر فرمایا۔

مفتی محمد اسماعیلؒ تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ افراد کی خدمت بھی انجام دیتے رہے

اور مختصر مدت میں اپنے ہم عصروں میں سے کئی افراد کو اپنا ہم خیال بناتے ہوئے ان کے تعاون اور اہل علم کے مشورے سے B-51 کورنگی نمبر:6 میں ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو "مسجد عمار بن یاسر" کے نام سے آج بھی علاقہ والوں کو دینی علوم سے آراستہ کررہا ہے۔ مفتی صاحبؒ نے دیکھا کہ علاقے والوں کا رجحان عصری علوم کی طرف زیادہ ہے تو آپ نے دینی ماحول عصری علوم کے حصول کے لیے ایک اور ادارہ "اقراء ندوۃ الاطفال" کے نام سے قائم فرمایا۔

مذکورہ بالا دونوں اداروں کی تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی خدمت خلق کا بھی زبردست شغف تھا۔ مثلاً غریب اور ضرورت مند مریضوں کی طبی سہولیات کی فراہمی کے لیے میڈیکل سینٹر اور میٹرنٹی ہوم کے قیام کے لیے ایک رفاہی ادارہ "عزم خدمت ٹرسٹ" کے نام سے قائم کیا اور اپنی شہادت تک ان تینوں اداروں کی ذمہ داریاں محض اخلاص اور للّٰہیت کی بنیاد پر انجام دیتے رہے رب کریم سے امید ہے کہ وہ انشاء اللہ ان اداروں کو مفتی صاحبؒ کے لیے تا قیامت صدقہ جاریہ اور نجات کا باعث بنائے گا۔

مفتی محمد اسماعیل کی شدید خواہش تھی کہ انھیں باضابطہ طور پر امامت وخطابت کی خدمت کا بھی موقع ملے اس کے لیے وہ کوشش بھی کرتے رہے اس سال رمضان المبارک سے چند روز قبل محکمہ اوقاف حکومت سندھ کے زیر انتظام جامعہ مسجد طیبہ چاندنی بی روڈ میں ان کا اعزازی بنیاد پر تقرر ہوا اور یکم نومبر ۲۰۰۷ء سے باقاعدہ امامت اور خطابت کے فرائض انجام دینا شروع کردیے۔ چند ہی دنوں میں مسجد کے لوگ مفتی صاحبؒ کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے مانوس ہوتے گئے اور نمازیوں کی اکثریت آپ کے پاس آکر مسئلے مسائل معلوم کرتی اور علمی معاملات میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتی تھی۔

مفتی صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ صبح مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن میں تدریس کے لیے جاتے، تدریس سے فارغ ہوکر ظہر کی نماز کے لیے مسجد پہنچتے اور عشاء کی نماز پڑھا کر واپس کورنگی اپنی رہائش گاہ آجاتے اور اس دوران فرصت کے اوقات میں مطالعہ میں مشغول رہتے۔

چنانچہ 6 دسمبر بروز جمعرات عصر کی نماز کے بعد مسجد کی پہلی منزل پر کمرہ میں مغرب کی نماز کا انتظار کررہے تھے، عینی شاہدین کے مطابق اس دوران دہشت گردوں نے آپ کو کمرہ سے نکال کر نیچے مسجد کے باہر فٹ پاتھ پر کھڑا کرکے آپ پر پے در پے گولیاں چلائیں۔ موقع پر موجود

لوگ مفتی صاحبؒ کو زخمی حالت میں ٹھیلے میں لٹا کر چند گز کے فاصلے پر واقع سول ہسپتال لے گئے وہ اس وقت ہوش میں تھے اور وہاں موجود لوگوں کے مطابق مفتی صاحب مسلسل کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہے اور ہسپتال پہنچ جانے کے بعد خود اپنے گھر کا ٹیلی فون نمبر ہسپتال کے ذمہ داروں کو دیا تاہم آپریشن تھیٹر میں داخل کیے جانے کے بعد دوران آپریشن تقریباً رات پونے ایک بجے شہادت کا اعلیٰ مقام حاصل کر کے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ مفتی صاحبؒ کے جسم پر اٹھارہ گولیاں شمار کی گئیں درندگی اور بربریت کا یہ اندھا دھند مظاہرہ کرنے والوں کو کیا پتا کہ اُنھوں نے آن کی آن میں کیسی شخصیت کو ملک وملت سے چھین لیا ہے۔

مفتی محمد اسماعیلؒ اگرچہ شہرت اور نام ونمود کے رائج الوقت اسالیب سے بیگانہ رہے لیکن اس نوعمری میں ایسے علم وفضل اور سیرت وکردار کے حامل تھے اور ان میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وہ علمی حلقوں کے علاوہ اپنے حلقہ احباب میں بڑے ہی مقبول اور ہر دلعزیز تھے جب ان کا چہرہ ایک نوشگفتہ پھول کی طرح چشم تصور میں آتا ہے تو عقل حیران ہوتی ہے کہ صلح وآشتی اور امن واخوت کا یہ پیکر جس کی ایک ایک ادا ہر ایک کے لیے محبت کا پیغام تھی اور جس کے شفاف سینے پر کسی کی عداوت یا بغض کا کوئی ادنیٰ سا دھبہ نہیں تھا پھر اُنھیں کیوں قتل کیا گیا؟ یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت پر علاقے کے لوگوں کو جہاں غم لاحق ہوا وہاں ان کے اساتذہ وطلبہ اور ساتھیوں کا اضطراب دیدنی تھا۔ شہر کے معززین اور اہل علم حضرات آتے رہے اور پس ماندگان سے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کرتے رہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب (جنھوں نے حضرت شہیدؒ کا نکاح پڑھایا تھا) نے ان کی شہادت پر انتہائی رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوئے ورثاء کو تسلی دی اور رفع درجات کی دعا فرمائی۔ نیز ان حضرات کے علاوہ دارالعلوم کراچی اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دیگر اکابر اساتذہ کرام نے بھی مختلف مواقع پر ورثاء سے تعزیت کا اظہار فرمایا۔

مولانا نے اپنے سوگوار والدین اور بھائیوں اور بہنوں کے علاوہ بیوہ اور تین بچے اپنے پیچھے چھوڑے۔ بچوں میں سب سے بڑی بیٹی ہے جس کی عمر ساڑھے تین سال ہے اس سے چھوٹے دو بیٹے ہیں آخری بیٹا صرف ایک مہینہ پانچ دن کا تھا کہ ظالم قاتلوں نے باپ کے پُر

شفقت سائے سے ان معصوموں کو محروم کر دیا۔

آپ کی مختصر سی زندگی ہر اس شخص کے لیے ایک سبق ہے جو اپنی عمر کے لحات سے کام لینا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شہیدؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے سرفراز فرمائیں آمین۔

آخر سطور میں حضرت شہیدؒ کی شہادت کے پس منظر سے متعلق ایک اہم چیز کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مفتی اسماعیلؒ کی شہادت کے بعد اگلے روز بعض اخبارات نے ان کی شہادت کو قدیمی مسجد آرام باغ کے تنازع کا نتیجہ قرار دیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شہیدؒ کا قدیمی مسجد سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی اس تنازع میں ان کا کسی قسم کا کوئی کردار ودخل۔ اور مذکورہ طیبہ مسجد ہر قسم کے تنازع اور فساد سے پاک ہے اور کبھی اس مسجد میں کسی قسم کا کوئی فتنہ وتنازع پیدا نہیں ہوا۔

بہرحال ان کی شہادت، دشمنان اسلام کی ایک بزدلانہ کاروائی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ان کے قتل کے پیچھے اُنہی بدکردار لوگوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے اس سے قبل جید علماء کرام اور بزرگوں کو شہید کیا۔

اللہ تعالیٰ تمام اہل حق علماء واکابر کی اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

امام اہل السنّت، رئیس المناظرین

حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ

(شہادت: ۱۷/اگست ۲۰۰۹ء)

۱۷ اگست کی رات دو بجے ملک کی سب سے بڑی مذہبی تنظیم سپاہ صحابہؓ کے سرپرست اعلیٰ نامور خطیب اور جید عالم دین علامہ علی شیر حیدریؒ کو خیر پور کے قریب ابڑو گوٹھ میں ایک جلسہ سے خطاب کر کے واپس آتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔

شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب رقمطراز ہیں:

بلوچوں کی ایک قسم چانڈیہ ہے اس کی ایک شاخ جھانوری کے معروف فرد جناب اللہ وارث کے گھر ۱۹۶۴ء میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا انہوں نے علی شیر نام رکھا، جو بعد میں مولانا علی شیر حیدری کے نام سے دنیا میں جانے پہچانے گئے۔ مولانا علی شیر حیدریؒ نے مختلف اساتذہ کے پاس دینی تعلیم حاصل کی اور کل پانچ، ساڑھے پانچ سال کے عرصہ میں دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم مکمل کر کے فارغ التحصیل عالمِ دین بن گئے۔

آپ کے معروف اساتذہ میں مولانا علی محمد حقانی لاڑکانہ، مولانا غلام محمد میمنؒ کلاب ضلع خیر پور، مولانا عبدالہادیؒ استاذ الحدیث دارالہدیٰ ٹھیڑی شامل ہیں۔ اسی جامعہ دارالہدیٰ سے مولانا نے دورۂ حدیث شریف کی سند حاصل کی۔ عام طلباء دس بارہ سال میں جو علوم حاصل کرتے ہیں وہ آپ نے ساڑھے پانچ سال میں حاصل کر لئے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قدرت نے آپ کو کتنا ذہین بنایا تھا۔

قد متوسط، خندہ رو، انتہائی وجیہہ، رنگ گورا، جسامت کیم وشیم، سر چوڑا اور موٹا (موٹے سر، سرداراں دے) ان پر خوبصورت گھنے بال، کانوں کی لو تک، سر پر ہمیشہ سیاہ رنگ کی پگڑی، دور کی نظر کا چشمہ چشم آہو پر سجائے، چال ڈھال میں بول چال میں عالمانہ وقار، یہ تھے حضرت

مولانا علی شیر حیدریؒ، عاش سعیدًا ومات سعیدًا۔ بیس پچیس سال قبل فقیر راقم نے خیر پور ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے موقع پر پہلی بار آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جب آپ کی داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ مولانا مرحوم مہمان نوازی کا فرض نبھاتے ہوئے۔ ملاقات کے لئے قیام گاہ پر تشریف لائے، جلسہ کے شروع میں ایک ساتھ اسٹیج پر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لے گئے۔ مولانا حق نوازؒ کی شہادت کے بعد مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ، مولانا علی شیر حیدریؒ کی دعوت پر خیر پور تشریف لائے۔ آپ کو اپنی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی، قبول کرنے پر صوبہ سندھ کی امارت ان کے سپرد کر دی گئی۔ یہ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ کی بات ہوگی۔ مولانا نے گوجرانوالہ میں مختصر عرصۂ اسیری میں قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا علی شیر حیدریؒ ایک متبحر عالم دین تھے۔ قدرت نے انہیں نکتہ رس ذہن نصیب کیا تھا، ادنیٰ سی مناسبت سے استدلال کرنا ان پر ختم تھا۔ بلا کے خطیب تھے، ان کا بیان علمی معلومات کا بھرپور مرقع ہوتا تھا، بات کرنے اور سمجھانے کا ان کو ڈھنگ آتا تھا، ان کی گفتگو میں چاشنی ہوتی تھی اور سامعین کو ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ان کی بات دل سے نکلتی تھی، دل پر اثر کرتی تھی۔ (ماہنامہ لولاک شوال المکرم ۱۴۳۰ھ)

علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ سپاہِ صحابہ کے تیسرے سرپرست اعلیٰ تھے۔ ادیانِ باطلہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک جید عالم دین اور اسلام کے ایک عظیم مبلغ اور پُر جوش داعی اور خطیب تھے، دہشت گردی کے اس افسوسناک ترین واقعہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ چند دن قبل اسی جماعت کے مرکزی قانونی مشیر حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کو کراچی میں شہید کیا گیا، اس سے پہلے سپاہِ صحابہؓ کے دو سرپرست اعلیٰ، ایک نائب سرپرست، ایک مرکزی صدر اور بائیس سو کے قریب کارکنان شہید کئے جا چکے ہیں۔ یہ شاید واحد ایسی جماعت ہے جس کے مرکزی قائدین پے در پے اپنے مشن اور موقف پر گردنیں کٹواتے چلے جا رہے ہیں۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس جماعت کے قائدین وکارکنان کا قتل ہمیشہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوتا رہا ہے مگر ۱۹۹۰ء سے لے کر آج تک کبھی کسی قاتل کی منصوبہ بندی کو ظاہر نہیں کیا گیا اور نہ ہی اصل قاتل کو گرفتار کر کے عدالتوں کے حوالے کیا گیا۔

ماہنامہ البلاغ میں مولانا علی شیر حیدری کی شہادت پر خصوصی مضمون لکھا گیا ہے:

"۲۵ رشعبان ۱۴۳۰ھ (۱۷ راگست ۲۰۰۹ء) پیر کی صبح ملک کے ممتاز عالم دین، سپاہ

صحابہؓ کے قائد اور جامعہ حیدریہ خیر پور کے مہتمم حضرت مولانا علی شیر حیدری کی مظلومانہ شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، اس اندوہناک سانحے پر انتہائی دکھ کے ساتھ یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰہ ما اخذ ولہٗ ما اعطٰی و کل شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

''اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو کچھ اس نے دیا اور اللہ کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت متعین ہے، ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

علامہ علی شیر حیدری رحمۃ اللہ علیہ عام خاص ہر دو طبقوں میں علمی شخصیت کے طور پر معروف تھے کیونکہ آپ اپنا موقف تحقیقی دلائل کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے وہ صرف ایک اچھے خطیب ہی نہ تھے بلکہ عمدہ استعداد رکھنے والے بہترین مدرس بھی تھے، آپ اپنے مدرسہ حیدریہ میں مختلف علوم وفنون کے اسباق خود پڑھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نکتہ رسا ذہن عطا کیا تھا، بات کرنے اور سمجھانے کا انہیں ڈھنگ آتا تھا، ان کی بات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتی تھی، بعض چیزوں میں مولانا سے اختلافِ رائے کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی محنت، اپنے مشن سے لگاؤ اور جدوجہد کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹۹۸ء میں جب آپ میانوالی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو جیل ہی میں آپ نے صرف تین ماہ اور بیس دن کے مختصر عرصے میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا، آپ اپنے موقف کو اعتدال کے ساتھ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پیش کرتے تھے، آپ کا کہنا تھا کہ:

''مجرم کو سزا دینا حکومت کا کام ہے اگر حکومت اپنا فریضہ پورا نہیں کرتی تو ہم عام آدمی کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ اس سے خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اگر حکومت گستاخ کو سزا نہیں دیتی تو حکومت کو مجبور کیا جائے اس کے لئے آئینی طریقے کے علاوہ ہم کسی دوسرے طریقے کی حمایت نہیں کر سکتے۔''

واضح رہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت ایک ایسی مقدس جماعت ہے جس نے براہِ راست سرورِ کونین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا ہے اور اسی کی کاوشوں سے دین ہمیشہ

کے لئے محفوظ ہو کر بلا کم وکاست ہم تک پہنچا ہے اب اگر کوئی شخص یا گروہ خدانخواستہ صحابہ کرام کی عظیم جماعت پر ایسی جرح یا تنقید کرتا ہے، جس سے ان کے بارے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہو تو وہ در پردہ کتاب وسنت کی متعدد آیات واحادیث کی مخالفت کر رہا ہے۔

علامہ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بابرکت، پاکیزہ اور مقدس جماعت کے تحفظ و دفاع کے لئے شب و روز محنت کی، اس کے لئے ہزاروں افراد کی ذہن سازی کی اور کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کو اس کے لئے تیار کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ انہوں نے بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین صلہ اپنی بارگاہ میں عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ البلاغ کراچی۔ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ)

سفرِ شہادت پر روانگی

علامہ علی شیر حیدری ۱۶ راگست اپنے گھر سے ابڑو گوٹھ جانے کے لئے رات ساڑھے دس بجے روانہ ہوئے، جانے سے قبل غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے، حسبِ معمول عمدہ قسم کی خوشبو استعمال کی، امتیاز احمد بھلپوٹو کو گاڑی چلانے کا کہا حالانکہ یہ شخص علامہ صاحب کا مستقل ڈرائیور نہیں تھا۔ اصل ڈرائیور موقع پر موجود ہونے کے باوجود اسے ساتھ لے کر نہیں گئے۔ سپاہِ صحابہ خیر پور کے ضلعی رہنما اور معروف عالم دین مولانا عبدالکریم مری بھی ہمراہ تھے، فرید احمد عباسی علامہ حیدریؒ کے پرانے عقیدت مند ہیں انہیں بھی ساتھ لیا اور ابڑو گوٹھ روانہ ہو گئے۔ جامعہ حیدریہ خیر پور سے ابڑو گوٹھ قریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، ابڑو گوٹھ جا کر کھانا تناول فرمایا، کچھ دیر آرام کیا، 12 بجے خطاب کے لئے اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے، زندگی کا آخری خطاب عظمتِ قرآن اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل میں ہونے والے قتالِ مرتدین کے متعلق کیا۔ جلسہ سے خطاب کرنے کے بعد پونے دو بجے واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔

ہم اصل بات کی طرف چلتے ہیں کہ ابڑو گوٹھ سے باہر نکل کر قریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا تھا اور ابڑو سیم نالی موڑ پر ہی پہنچے تو موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی کچھ آہستہ ہوئی اور دائیں بائیں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی، جس کا نشانہ گاڑی کے ٹائر تھے مگر کوئی بھی گولی گاڑی کے ٹائروں پر نہ لگ سکی۔ گاڑی پر موجود گن مینوں نے دونوں طرف فائرنگ شروع کر دی، دائیں طرف موجود حملہ آوروں کی ایک گولی حضرت علامہ حیدری شہیدؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے فرید عباسی کے قریب سے

گزرتی ہوئی حضرت علامہ شہیدؒ کے پیٹ میں لگی جبکہ تین گولیاں ٹانگ میں لگیں، اس دوران حضرت حیدری شہیدؒ نے مولانا عبدالکریم مری سے فرمایا کہ ہمارے اوپر حملہ ہو گیا ہے اور بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا، گاڑی حملہ آوروں سے ٹکراتی ہوئی بائیں طرف سڑک سے چھ فٹ نیچے ایک کھائی میں جا گری، رفتار تیز ہونے کی وجہ سے الٹنے سے بچ گئی، جیسے ہی گاڑی نیچے اتری ایک جھٹکے کے ساتھ وہیں رک گئی۔ مولانا عبدالکریم مری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے حواس کو قابو رکھتے ہوئے فرید عباسی کو حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ باہر نکلیں، ڈرائیور کو پیچھے منتقل کریں اور گاڑی کو یہاں سے نکالیں تاکہ جلد از جلد ہسپتال پہنچ سکیں کیونکہ حضرت حیدری شہیدؒ کا خون زیادہ بہہ رہا تھا۔ فرید عباسی نے انتہائی صبر وتحمل اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو گن مینوں کی مدد سے پیچھے منتقل کیا اور خود ڈرائیور سیٹ سنبھال کر گاڑی کو اس کھائی سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ فوراً ہسپتال پہنچے، سول ہسپتال خیرپور میں جب حضرت شہیدؒ کو گاڑی سے نکالا گیا تو چشمہ آنکھوں پر موجود تھا اور سر پہ پگڑی بندھی ہوئی تھی، زبان سے اللہ اللہ جاری تھا، اسٹریچر کے ذریعے ایمرجنسی وارڈ میں منتقل کیا گیا اسی وقت کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

موقع واردات سے ایک آدمی کی لاش ملی جس کی پہچان اوشاق علی جاگیرانی کے نام سے ہوئی، اور یہ شخص علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ کے والد حاجی وارث شہیدؒ کے قاتل قلندر بخش جاگیرانی کا بڑا بھائی ہے، 62 سالہ اوشاق علی جاگیرانی کو ڈکیتی کے سینکڑوں واقعات میں ملوث ہونے کی وجہ سے کراچی کی ایک عدالت نے نو سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی، نو سالہ سزا ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا ریلیف دے کر اسے رہا کرا دیا گیا۔ اپنی رہائی کے تقریباً 12 دنوں کے بعد علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ پر ہونے والے حملہ میں شریک ہوا اور اس کی لاش موقع واردات سے ملی۔

نواسۂ امیر شریعتؒ

سید محمد ذوالکفل بخاری شہیدؒ

تاریخ شہادت: ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء

سید ذوالکفل بخاری (اللہ ان کی قبر پر کھربوں رحمتیں تا قیامت برسائے) پچھلے سات آٹھ سال سے بسلسلۂ تدریس سعودیہ میں مقیم تھے۔ پہلے پہل منطقۂ تبوک کے شہر املج میں قیام تھا اور وہاں ننھے منّے عربی بچوں کو انگریزی پڑھاتے رہے۔ قریباً ایک سال قبل ہی اُم القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں اُن کا تقرر ہوا تھا۔ گذشتہ اتوار کی سہ پہر یونیورسٹی سے اپنی گاڑی میں واپس آ رہے تھے کہ مخالف سائیڈ سے آنے والی گاڑی نے زوردار ٹکر ماردی۔ اُن کی گاڑی قلابازیاں کھاتی ہوئی دور جا کر رُکی۔ خوفناک حادثہ تھا، اور سوار کا بچ جانا ناممکن نظر آتا تھا۔ موقع پر موجود شُرطوں نے آخری لمحات کی جو تفصیل بتائی وہ حیران کن تو ہے ہی ایمان افروز بھی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ گاڑی قلابازیاں کھا کر جوں ہی رُکی، اللہ کے اس بندے نے فوراً آوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھا، انگشتِ شہادت آسمان کی طرف بلند کی اور یہ تب ہی ڈھلکی جب روح قفسِ عنصری کو چھوڑ کر بلندیوں اور رفعتوں کی طرف پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

سید حبیب الرحمٰن ہاشمی اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گفتگو بڑی شاندار اور جاندار کرتے تھے، گھنٹوں مسلسل کسی بھی موضوع پر بولتے چلے جاتے، فصاحت وبلاغت شیرِ مادر کا اثر تھا۔ زبان کی طلاقت کے ساتھ، چشم وابرو، ہاتھوں کی حرکات سے سامعین کو مسحور کر لیتے، بلبل کی طرح چہکتے، شاخِ گل کی طرح لچکتے۔

پکے دیو بندی بلکہ ''احراری'' مگر تعصب یا تنگ نظری، عبوست و یبوست، علمی پندار، ہمہ دانی کا زُعم، خاندانی نخوت و غرور اور صاحبزادگی کے روگ سے کوسوں دور بلکہ نفور تھے۔ شوخی و ظرافت علمی تفوق کے باوجود عجز و انکسار کا پیکرِ جمیل تھے۔

کتاب دوست، علم پرور، دوست نواز بلکہ دشمن نواز تھے۔ ہمدرد غمگسار بلکہ سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں رکھتے۔ دوست بنانا، دوستی نبھانا اور دوستوں کی دلچسپیوں اور مرغوبات کا لحاظ وخیال شاہ جی فرض سمجھتے اور قرض کی طرح اس کو چکاتے۔ شاہ جی کو دل گداز، چشم پاک بین و پاک باز اور عجز و نیاز حضرتِ حق سے عنایت ہوا، حلقۂ یاراں میں ابریشم کی طرح نرم تھے۔ کون تھا جو اُن کی زلف گرہ گیر کا اسیر اور ان کی دل ربا اداؤں پہ فریفتہ نہ تھا۔ ؎ اب کہاں سے لاؤں تجھ سا کہیں جسے

مشہور ہے کہ حضرت شاہ جیؒ (سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ) جب چاہتے اپنے سامعین کو رُلا دیتے، جب چاہتے ہنسا دیتے مگر ہمارا سید رُلاتا نہیں ہنساتا تھا۔ ان کے مخزن میں لطائف وظرائف کا انبار تھا۔ جدت اور تنوع برمحل بھی ہوتے، ان کے ترکش میں طنز و تعریض کے تیر بھی رہتے تھے جو مناسب موقعوں پر استعمال کرتے اور خوب کرتے۔ حاضر دماغ حاضر جواب!!

دوستوں کی ہر طرح کی مدد کرتے، مالی بھی اور جانی بھی۔ سفارش کرنے میں بخل نہیں تھا۔ کہا کرتے سفارش تعلقات کی زکوۃ ہے، قاریوں اور لکھاریوں کی مدد کرتے۔ کہاں سے کیا مواد دستیاب ہوسکتا ہے ''تابعدار جن'' کی طرح پلک جھپکتے شاہ جی وہ مواد یا کتاب مہیا فرما دیتے۔ اس علمی تعاون یا قلمی مدد پر ایک عجیب کیف و سرور اُن کے چہرے پر جھلکتا بلکہ چھلکتا، مگر اس احسان کو کبھی زبان پر نہ لاتے بلکہ احسان مندی کے ذکر سے محجوب ہوتے۔

مطالعہ وسیع، عمیق، متنوع اور سریع تھا یوں لگتا کتاب پڑھتے نہیں سونگھتے ہیں۔ کالم لکھے اور خوب لکھے، تقاریظ اور تبصرے بھی جاندار ہوتے، لگی لپٹی نہ رکھتے، کتاب یا مضمون کا جو درجہ ہوتا وہی اس کو ملتا۔

تجدُّد مآب، اباحیت زدہ، دشمنانِ دین و وطن کی طرف سے جب کلوخ اندازی ہوتی تو شاہ جی کا قلم شمشیر بے نیام ہو جاتا۔ حریف کو لاجواب کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ کیسا ہی سورما ہوتا،

شاہ جی اڑنگے میں لا کر یوں پٹخنی دیتے کہ حریف چاروں شانے چت ہوتا۔ علم، استدلال، زورِ قوت، برجستگی، بے ساختگی، روانی جولانی اور طنز و ظرافت ان کی تحریر کا خاصہ۔ مبدءِ فیض سے شعرو ادب کا پاکیزہ ذوق بھی ملا تھا۔ شعر کہتے تھے مگر آزاد۔ شاید وہ اپنے فکرِ آزاد کو بحور میں مقید نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اساتذہ کے سینکڑوں اشعار نوکِ زبان پر تھے۔ موقع محل کی مناسبت سے یوں جڑتے جیسے انگشتری میں نگینہ۔ پھر اپنی ذہین و چمکدار نگاہیں مخاطب پر گاڑ دیتے اور داد طلب ہوتے۔ ان کی معیت میں دسیوں سفر ہوئے۔ اس بار خانقاہِ سراجیہ ہم دونوں گئے تمام راستے مختلف موضوعات پر بات ہوتی رہی، وہاں مخدوم زادۂ گرامی مولانا عزیز احمد سے طویل گفتگو ہوئی، خوب مجلس جمی۔ یہاں یہ بلبل ہزار داستان طوطی شیریں مقال احتیاط و احترام کے دائرے میں محصور ہو جاتا۔ صاحبزادگان بھی بہت احترام سے پیش آتے، بڑی قدر فرماتے۔ حضرت والا کی مجلس میں تمام تر توجہ سمیٹ لیتے، حضرت کی نگاہِ التفات شاہ جی پر پڑتی اور خوب پڑتی، حاضرین کو رشک آتا۔ اس آخری سفر میں مجھ سے فرمایا: ''آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے''۔ میں نے کہا شاہ جی کمال کرتے ہیں ''کیا پدی کیا پدی کا شوربہ'' ...... فرمانے لگے ''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کو ہمارے خاندان سے تعلق ہے۔ صبیح الحسن پروان چڑھے اور علمی کام مضبوط بنیادوں پر کر لے۔ دارِ بنی ہاشم میں ایک شاندار منتخب و مرتب لائبریری قائم ہو۔ میں نے عرض کیا اللہ کرے کہ صبیح الحسن آپ کی توقعات سے کہیں بڑھ کر کامران و فیض رساں بنے۔ آمین

سید ذوالکفل شہیدؒ کے چچا جناب سید مصطفیٰ بخاری جو اس موقع پر زیارت حرمین شریفین کے لئے تبلیغی جماعت کے ہمراہ گئے ہوئے تھے، رقمطراز ہیں:

''بعد نماز جمعہ ہماری جماعت مدینہ طیبہ روانہ ہوئی۔ اتوار کو بعد نمازِ عصر ریاض الجنۃ سے مغرب کی جانب چھتریوں کے نیچے جماعت اکٹھی تھی۔ فون کی گھنٹی بجی۔ اور دوسری طرف سے منے شاہ کے ایکسیڈنٹ کی خبر سنی۔ پریشانی کے عالم میں جماعت کے ساتھیوں سے دعا کی درخواست کی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھے تھے کہ سات منٹ بعد پاکستان سے میرے بڑے بیٹے سید عمر مجتبیٰ کی سسکیوں بھری آواز سے اُس کے بتانے سے پہلے ہی دل ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ زائرینِ حرم میرے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ہماری جماعت کے امیر صاحب نے لوگوں کو میرے بھتیجے کے انتقال کے بارے میں بتایا۔ سب نے مجھے تسلیاں دیں۔ میں نے فوراً مکہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جس پر امیر صاحب نے مشورہ سے مجھے اجازت دے دی۔ گروپ لیڈر کو اطلاع دے کر بلوایا اور مجھے فوراً مکہ شریف پہنچانے کو کہا۔ اللہ اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مجھے ٹیکسی پر بٹھا کر اُسے جلدی پہنچانے کی تاکید کی۔ چار گھنٹے بعد میں عزیزیہ میں منے شاہ کی رہائش پر پہنچ گیا، جہاں میری بچی اور منے شاہ کے دونوں معصوم بیٹے عطاء المکرّم اور عطاء المنعم موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد عزیزم حسنی مبارک اور پروفیسر سلیم، اللہ اُن کی زندگیوں میں برکت عطا فرمائیں، تشریف لے آئے۔ اہلیہ منے شاہ مرحوم سے کاغذات پر دستخط کرائے اور بتایا کہ ایک گھنٹے بعد ہم منے شاہ کو غسل کے لئے لے آئیں گے۔ الانتظار اشد من الموت کا اندازہ اُس وقت ہوا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ مجھے حسنی مبارک، سلیم صاحب اور سجاد صاحب کے ساتھ منے شاہ کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سعادت کو میں اللہ کی رحمت سے اپنی بخشش کا سبب سمجھتا ہوں۔ میں اس بات کا شاہد ہوں کہ جب منے شاہ کو غسل دیا گیا تو اُس کی انگشتِ شہادت اُس وقت بھی بلند تھی، جو اُس نے موت کے وقت کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے بلند کی تھی۔ میں نے ہاتھ سے دبا کر اُسے سیدھا کرنے کی تھوڑی سی کوشش بھی کی، مگر وہ پھر بلند ہو گئی۔ واہ منے شاہ واہ!!

ہم لوگ تہجد کے وقت ساڑھے تین بجے حرم شریف میں اُن کا جسدِ خاکی لے کر داخل ہوئے۔ آج حرم میں داخل ہونے والی پہلی چارپائی منے شاہ کی تھی۔ پھر بارہ جنازے اور آئے اور اس ترتیب میں رکھے گئے کہ امام کے بالکل سامنے منے شاہ کی چارپائی تھی۔ ۵:۴۵ پر امامِ کعبہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لاکھوں حجاج نے دعائے مغفرت فرمائی۔ اس جنازے میں شرکت کو بھی میں اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

لاکھوں کے ہجوم میں سے جنازہ لے کر تقریباً ایک کلومیٹر کا سفر ۶ منٹ میں کیسے طے ہوا، یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ فرشتوں کی معیت کا احساس واضح تھا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائیں عطا فرمائیں جامعہ اُم القریٰ کے اساتذہ عبداللہ المطرفی، سلیم صاحب، سجاد صاحب اور مدرسہ صولتیہ

کے عبدالمالک، اور عزیزم حسنی مبارک صاحبان کو جنہوں نے اپنے خاندان میں نہ ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ عبداللہ المطرفی صاحب کی ساری رات کی کوشش سے جنت المعلیٰ میں امی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قدمین شریفین میں قیامت تک رہنے کا موقع منے شاہ کو نصیب ہوا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

منے شاہ کی رہائش پر پورا ہفتہ عرب وعجم اور پاکستانی، ہندوستانی اور دیگر ممالک کے لوگ یہ سن کر کہ مرحوم کا چچا آیا ہوا ہے، بعد نمازِ عصر سے رات بارہ ایک بجے تک تعزیت کے لئے آتے رہے۔ ہر آنے والا یہ اظہار کرتا کہ میرا ذوالکفل بخاری سے دوسروں کی نسبت زیادہ تعلق ہے۔ اگلے ہفتے (۲۱ر نومبر ۲۰۰۹ء) منے شاہ کے غمگسار، غمخوار، ہمدرد اور مخلص دوست سلیم صاحب اور سجاد صاحب نے باہمی مشورے سے قرآن خوانی کا پروگرام بنایا جس میں تقریباً پینتیس پروفیسر صاحبان اور دیگر علماء وزعماء تشریف لائے۔ میں دعا گو ہوں اُن سب حضرات کے لئے جو ہمارے خاندان کے اس غم میں شریک ہوئے۔ میرے چھوٹے بھائی سید عقیل شاہ بھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ ایصالِ ثواب کی اس مجلس میں وہ بھی شریک ہوئے۔ منے شاہ نے اُن کو بھی پابند کیا تھا کہ وہ بھی اُنہی کے گھر قیام کریں گے اور حج اکٹھے ادا کریں گے۔

مولا کریم ہم سب کا خاتمہ بالایمان فرمائیں اور تمام اُمت کے جانے والے مسلمانوں کے درجات بلند فرمائیں اور مغفرت فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت، ملتان کا ذوالکفل بخاری نمبر)

ماہنامہ "الخیر" ملتان کے مدیر حضرت مولانا محمد ازہر لکھتے ہیں:

"انہوں نے اپنے نانا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا زمانہ تو نہیں پایا مگر

اپنے بڑے ماموں جانشینِ امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ سے انہیں اکتسابِ فیض کا خوب موقع ملا۔ سید ابوذر بخاریؒ شعر و ادب، تصنیف و تالیف، وعظ و خطابت، درس و تدریس، سلوک و تصوف اور تعلیم و تربیت کے شعبوں میں مقامِ اختصاص و امتیاز پر فائز تھے۔ مذہب، تاریخ، ملک اور سیاست کے حوالے سے مولانا سید ابوذر بخاری کا مطالعہ قابلِ رشک اور حیرت انگیز تھا۔

برادرِ عزیز سید ذوالکفل بخاری کو زمانہ طفولیت سے عہدِ شباب تک ان سے خوب خوب فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اصل علم وہ ہے جو اہلِ علم کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا ہے، اس اصول کے تحت سید ذوالکفل بخاری ضابطے کے عالم نہ ہونے کے باوجود حقیقتاً "عالم" تھے۔ ادب، مذہب، فلسفہ، شاعری، تنقید اور سیاست پر گفتگو کرتے ہوئے کبھی احساس نہیں ہوا کہ ذوالکفل بخاری کی معلومات فلاں موضوع پر سطحی یا سرسری ہیں۔

ان کی رحلت کا صدمہ تا زیست رہے گا لیکن مکہ مکرمہ سے ان کے سفرِ آخرت کی جو تفصیلات ملی ہیں انہوں نے زخم پر گویا مرہم رکھ دیا ہے۔ مرحوم سید ذوالکفل بخاری کی نماز جنازہ حرم شریف میں لاکھوں مسلمانوں نے ادا کی اور انہیں جنت المعلیٰ کی مقدس خاک اور سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قدمین شریفین میں آسودۂ خاک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

انہیں موت آئی تو سرزمینِ حجاز پر
جنازہ پڑھا گیا مسجد حرام میں

مرحوم کی وفات ٹریفک حادثہ میں ہوئی، جب وہ یونیورسٹی سے تدریس کے بعد گھر آ رہے تھے۔ سر میں شدید چوٹ لگنے کے باوجود وہ آخری لمحے تک ہوش و حواس میں رہے اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر بآوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھتے رہے۔ جن افراد نے یہ منظر دیکھا ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہ نوجوان کسی شریف اور نیک خاندان کا فرزند معلوم ہوتا ہے۔ ہوش و حواس کے عالم میں اس جہانِ رنگ و بُو میں برادرِ عزیز سید ذوالکفل بخاری کا آخری عمل حق تعالیٰ شانہٗ کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی تھا۔ وہ اپنے اعمالِ صالحہ کے بہت بڑے ذخیرہ کے علاوہ اس بشارتِ نبوی کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے کہ من کان آخر کلامہ لا الٰہ اِلّا اللّٰہ دخل الجنۃ..... کہ جس مسلمان کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو

گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تاثرات گرامی

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد مکی حجازی دامت برکاتہم (مدرس حرم مکہ)

جنت المعلیٰ میں امیرِ شریعتؒ کا نمائندہ

عزیزم سید ذوالکفل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو علم، نیکی اور شرافت وراثت میں ملی تھی۔ حق یہ ہے کہ وہ اس وراثت کا امین اور اہل تھا۔ عزیزم ذوالکفل بخاری کی اچانک موت سے صدمہ پہنچا۔ وہ ایک با کرامت صالح نوجوان تھا۔ جتنی جلدی اس کی تدفین کے مراحل طے ہوئے بہ ظاہر ناممکن تھا۔ میں اس وقت جنت المعلیٰ کے احاطۂ بنی ہاشم میں اُم المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی مبارک کی پائنتی اور سید ذوالکفل بخاری کی قبر کے سرہانے کھڑا ہوں۔ ہم نے اپنے پیارے عزیز کو قبر میں سلا دیا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نواسہ اماں کے قدموں میں ڈال کر جنت المعلیٰ میں قیامت تک کے لیے اپنے خاندان کا مستقل نمائندہ بھیج دیا ہے۔ ہم ذوالکفل کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ عزیزم کفیل! تم بھی دعا میں شریک ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ذوالکفل کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

(تدفین کے وقت سید کفیل بخاری سے فون پر گفتگو)

آفتابِ علم وعمل، تصویرِ لدھیانوی شہیدؒ

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

(شہادت: ۱۱/مارچ ۲۰۱۰)

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے شاگرد رشید، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے صحبت یافتہ، معاون، خلیفہ مجاز اور آپ کے علمی جانشین، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی فکر کے امین، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مجلس شوریٰ کے رکن اور کراچی کے امیر، اقراء روضۃ الاطفال کے سرپرست، جامعہ امینہ للبنات کے شیخ الحدیث، ماہنامہ بینات و ہفت روزہ ختم نبوت کے مدیر، روزنامہ جنگ کے مشہور ومقبولِ عام سلسلہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے فقہی کالم نگار، مرشد العلماء حضرت اقدس مولانا سعید احمد جلال پوریؒ، آپ کے بڑے بیٹے حافظ محمد حذیفہ، آپ کے خادم مولانا فخر الزمان اور آپ کے مخلص معتقد الحاج عبدالرحمٰن کو بروزِ جمعرات ۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱/مارچ ۲۰۱۰ء رات دس بجے بیان و مجلسِ ذکر سے فراغت کے بعد گھر جاتے ہوئے ابوالحسن اصفہانی لنک روڈ پر سفاک ظالموں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا اور آپ کے ایک ساتھی مولانا محمد خطیب صاحب کو زخمی کردیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. ان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی و کل شیءٍ عندہٗ باجلٍ مسمّٰی.

سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت پر کیا لکھا جائے اور کس طرح لکھا جائے! دل ودماغ ابھی تک بند ہیں، عقل وخرد نے ساتھ چھوڑ دیا، سوچوں پر گویا تالے لگے ہوئے ہیں، ابھی تک یقین نہیں آتا کہ ہمارے حضرت واقعی ہم سے جدا ہوگئے، مگر "کلُّ من علیھا فان" اور کل نفسٍ ذائقۃ الموت سنت الٰہیہ اور ابدی قانون ہے کہ تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضا کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

اس پر تو اطمینان ہے کہ الحمدللہ! ہمارے حضرت اپنے اکابر کی راہِ وفا اور طریق مستقیم پر چلتے ہوئے مقامِ شہادت پر فائز ہوئے، جس کی انہیں تمنا اور آرزو تھی، وہ حیاتِ جاوداں پا کر جنت کی نعمتوں سے شادکام ہو گئے، انشاء اللہ آپؒ جنت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے اور جنت میں اہل شہداء کی مجلس میں محوِ گفتگو ہوں گے۔

مگر اس پر صدمہ ہے کہ ہم ان کی محبتوں، شفقتوں اور دعاؤں سے محروم ہو گئے۔ جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا ترجمان چھین لیا گیا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ، جامعہ امینہ للبنات، آپ کے ہزاروں شاگرد، مریدین اور متوسلین یتیم و بے سہارا ہو گئے۔

حضرتِ اقدس مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کی شہادت دنیائے علم و اخلاق کا عظیم حادثہ ہے، ایسے اہلِ علم کی شہادت اور وفات علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کو وہبی اور فطری ملکات کے وہ مقاماتِ عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضات و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہو جانا باعثِ کمال اور شرف ہوتا ہے۔ علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ ساتھ عاجزی و انکساری اور خاموشی و کم گوئی آپ کی فطری کرامت تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شیخ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی ہر ہر صفت وادا کا عکس و پر تو بنایا تھا، چاہے وہ تدریس و تقریر کا میدان ہو یا تحریر کی جولانگاہ۔ ملحدین و مرتدین کا تعاقب ہو یا منکرینِ حدیث و منکرینِ دین کی گرفت، ہر محاذ پر آپؒ نے اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی جانشینی کا حق ادا کر دکھایا، ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہستی کی شہادت سے دینی و علمی حلقوں میں ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے کہ جس کے پُر ہونے کی بظاہر کوئی توقع نہیں۔

حضرت اقدس مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے ۱۹۵۶ء میں نقشبندی بزرگ حضرت جام شوق محمد جلال پوریؒ کے گھر میں آنکھ کھولی، آپ کا آبائی گاؤں نوراجا بھٹہ جلال پور پیروالا تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر کے قریب مولانا عطاء الرحمٰن اور مولانا غلام فرید سے ہوئی، ۱۹۷۱ء میں مدرسہ انواریہ حبیب آباد طاہر والی میں اور ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۴ء تک، مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر خان پور میں، اور پھر ایک سال دارالعلوم کبیر والا خانیوال سے موقوف علیہ کر لینے کے بعد دورۂ حدیث کے لئے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا۔ حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ

مرقدہٗ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، مولانا بدیع الزمانؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مولانا فضل محمد سواتیؒ وغیرہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کسب فیض کیا اور ۱۹۷۷ء میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ کراچی بورڈ سے آپ نے میٹرک کر لینے کے بعد ایف اے کا امتحان دیا اور کراچی ہی سے عربی فاضل کی سند حاصل کی۔

عملی زندگی

آپ نے جامع مسجد شریفی جوڑیا بازار کراچی، جامع مسجد راہ گزر شاہ فیصل کالونی کراچی، جامع مسجد رحمانی پاپوش نگر میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ معارف العلوم پاپوش نگر کے نگران اور مدرس رہے اور اپنی مادرِ علمی جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں بھی اسباق پڑھاتے رہے۔

صحافتی خدمات

آپ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ترجمان ماہنامہ بینات کے مدیر، روزنامہ جنگ کراچی کے اسلامی صفحہ اقرأ میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کے کالم نگار رہے۔ آپ کے ردّ قادیانیت اور تردید فرقِ باطلہ میں ملکی وقومی اخبارات و جرائد میں بے شمار مضامین و مقالات شائع ہو چکے ہیں اور آپ نے بیسیوں کتب و رسائل پر پُرمغز تبصرے اور تقریظات لکھیں۔

تصانیف

معارف بہلوی (چار جلدیں)، بزمِ حسیں (دو جلدیں)، حدیثِ دل (تین جلدیں)، پیکرِ اخلاص، فتنہ گوہر شاہی۔ زیرِ طبع کتب: تخریج و نظرِ ثانی آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۰ جلدیں)، قادیانیت کا تعاقب، حدیثِ دل (جلد چہارم)

بیعت وخلافت

ابتدائی بیعت حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ سے کی، ان کی رحلت کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ امامِ اہل

السنّت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے بھی آپ کو خلافت سے نوازا۔ تجدیدِ بیعت: خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم العالیہ سے کی۔

چونکہ آپؒ حیاً و میتاً اپنے شیخ شہید اسلام کا عکس و پَرتو تھے، جی چاہتا ہے کہ آپ کے محاسن و فضائل کی ترجمانی کسی قدر حک و اضافہ کے ساتھ آپ ہی کے الفاظ میں ہو جائے جو آپ نے اپنے شیخ شہید اسلامؒ کی شہادت پر رقم فرمائے:

''آپؒ نے کامیاب اور بھرپور زندگی گزاری، مقبولیتِ عامہ کا سنہری تاج تادمِ آخر آپؒ کے سر پر سجا رہا، آپؒ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباعِ سنت سے عبارت تھا۔ ذکر و شغل آپؒ کی حیات و روح تھی، اصلاح و ارشاد، وعظ و نصیحت آپؒ کا امتیاز، درس و تدریس آپؒ کی مشغولیت، احقاقِ حق اور تردیدِ باطل آپؒ کی طبیعتِ ثانیہ تھی......

دوسری طرف جب موت آئی تو منہ مانگی، اور زندگی بھر کے مناجاتِ مقبول کے معمول ''اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ'' کی تعبیر فوراً سامنے آ گئی۔

زبان پر ذکرِ الٰہی جاری تھا کہ قدرت کی جانب سے بلاوا آ گیا، اور اللہ اللہ کرتے شہادت کی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہو گئے۔ اس پر بھی بس نہیں، قدرت نے اس بہشتی دولہے کی خود حنابندی فرمائی اور اس بہشتی جوان کو گل و لالہ کی بجائے شہادت کے لہو کا گلوبند پہنایا گیا۔

اسے قدرتِ الٰہی کا کرشمہ کہیے یا حضرتؒ کی محبوبیت کا راز! کہ حنابندی میں تکوینی طور پر اس کا بھی خیال رکھا گیا کہ غازۂ حسن ملتے ہوئے صرف آپؒ کی داڑھی مبارک کو خون سے رنگین کیا گیا، لیکن آپؒ کے رُخِ زیبا پر خون کا ایک قطرہ تک نہیں آنے دیا گیا، کہ کہیں حسن و محبوبیت میں فرق نہ آ جائے۔

سچ ہے کہ: ''من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہٗ'' کے مصداق جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں، یہ لقاءِ الٰہی کی محویت ہی تھی کہ سفاک قاتلوں نے آپؒ کے جاں نثار رفیق اور ڈرائیور عبدالرحمٰن پر

فائرنگ کی، پھر ان درندوں نے یکے بعد دیگرے کئی گولیاں آپؒ کے نحیف ونزار جسم میں پیوست کر دیں اور حضرت اقدس کو شہید کر دیا۔ مگر آپؒ کے چہرۂ انور پر کسی دہشت کے آثار نہیں تھے، بلکہ نہایت ہشاش بشاش اور مسکراتے چہرے کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرما کر اس ارشادِ الٰہی: "یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ" (پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی ہے، وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں) کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

...... بلاشبہ حضرتِ اقدسؒ اپنی ذات میں انجمن تھے، اور ارشادِ الٰہی: "ان ابراھیم کان امۃ" (ابراہیم علیہ السلام اُمت تھے) کے مصداق، آپؒ کی شخصیت ایک فرد سے نہیں، بلکہ ایک جماعت سے عبارت تھی، آپؒ کی علمی خدمات کو دیکھا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کسی اکیلے شخص کا کام ہوسکتا ہے؟ آپؒ کا سب سے اہم کمال یہ تھا کہ آپؒ جہاں اعدائے اسلام کے لیے تیغ براں تھے، وہاں اپنوں کے معاملے میں "رحماء بینھم" کی سچی تصویر تھے، آپؒ عصبی اور گروہی اختلافات اور معاصرتی چشمک سے بالکل الگ تھلگ، ریا، دکھلاوے سے دور اور نمود ونمائش سے متنفر تھے، گوشہ نشینی آپؒ کا اختصاص وامتیاز تھا...... آپؒ کا ایک کمال یہ تھا کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرتؒ کا سب سے زیادہ تعلق مجھ سے ہے، اس طرح پاکستان بھر کی تمام دینی اور مذہبی جماعتیں، ان کے اکابر وکارکن سمجھتے تھے کہ حضرتؒ ہمارے سرپرست ہیں، سچ یہ ہے کہ آپؒ ہر ایک کے محبوب ومقبول میرِ کارواں تھے۔"

....

حضرت شہید کی شہادت کی خبر سنتے ہی پورا کراچی بلکہ پورا پاکستان غم واندوہ میں ڈوب گیا، آپ کے مریدین، معتقدین، آناً فاناً اضطرابی حالت میں دیوانہ وار مقامی ہسپتال میں امڈ پڑے، ہسپتال کھچا کھچ بھر گیا، جس کی بنا پر چاروں شہداء کو ایمبولینس کے ذریعہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن لایا گیا، شہداء کی زیارت کرنے والا ہر شخص اشک بار تھا اور ہر دل رنجیدہ

وغمزدہ تھا، اپنے بھی غم واندوہ کی تصویر تھے اور پرائے بھی اس سے متاثر تھے۔

رات کو ہی مشاورت سے یہ اعلان کیا گیا کہ حضرت کی نماز جنازہ بعد نمازِ جمعہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ہوگی، گھر والوں کا تقاضا تھا کہ حضرت اور آپ کے بیٹے حافظ محمد حذیفہ کے جسد خاکی گھر لائے جائیں، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور آپ کے شہید بیٹے کو صبح آپ کی رہائش گاہ لے جایا گیا، بارہ بجے تک گھر والوں اور اعزہ واقرباء نے ان کی زیارت کی، بعد میں ان شہداء کو جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن لایا گیا، نماز جنازہ میں شرکت کے لئے جمعہ سے پہلے لوگ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن پہنچنا شروع ہوگئے تھے۔ نمازِ جمعہ تک مسجد اور جامعہ کا صحن عوام الناس سے بھر چکا تھا، لوگوں نے باہر روڈ پر دور دور تک صفیں بنائیں اور نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ سے پہلے جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر دامت برکاتہم نے مختصر بیان میں فرمایا کہ:

> ”حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور آپ کے رفقاء نے دین کی حفاظت اور سربلندی کے لئے اپنی جان راہِ خدا میں پیش کی ہے، دشمن سمجھتا ہے کہ حضرت کو شہید کردینے سے دین ختم ہوجائے گا، یہ اس کی بھول ہے۔ آپ کی شہادت سے گرنے والے خون کے ہر ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ کئی سعید پیدا فرمادے گا جو اُن کی طرح دین کی پاسبانی کا حق ادا کریں گے۔“

جنازہ میں آئے ہوئے حضرات سے صبر کی تلقین کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ایسے موقعوں پر صبر کا حکم دیا ہے اور اس پر بڑا اجر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمة واولٰئک ھم المھتدون" کہ ان پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ آپ اس بشارت کو سامنے رکھیں اور صبر سے کام لیں“۔

بیان کے بعد صفیں بنائی گئیں، حضرت ڈاکٹر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، شہداء کو ایمبولینسوں کے ذریعے براستہ اسلامیہ کالج، حسن اسکوائر، نیپا، ابوالحسن اصفہانی روڈ سے حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی قائم کردہ مسجد خاتم النبیین لے جایا گیا۔ لوگوں کے ہجوم کی کثرت کی بنا پر شہداء کو مین دروازہ کی بجائے مسجد کے شمالی دروازہ سے بحفاظت اندر لے جایا گیا، آپ کے برادر کبیر

قاری فاروق صاحب اور آپ کے بڑے داماد مولانا محمد انس چونکہ پہلی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، انہوں نے وہاں نماز جنازہ ادا کی، تقریباً چار بجے علم وعمل کا یہ آفتاب گنج شہداء میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عشاق کی نظروں سے غروب ہوگیا۔ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے پسماندگان میں ایک بیوہ، ایک بیٹا، اور چھ بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے اہلِ وفا کو اپنی بارگاہِ الٰہی سے بہترین جزا عطا فرمائے، ان کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں اور خدام کو آپ کے چھوڑے ہوئے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ قارئین بینات اور حضرت شہیدؒ کے متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ حضرت شہید کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(از ماہنامہ بینات۔ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ۔ صفحہ ۴۷ تا ۵۱)

حضرت جلال پوریؒ کے ہمراہ جام شہادت نوش کرنے والے

مولانا مفتی فخر الزمان شہیدؒ

مولانا مفتی فخر الزمان، نوجوان عالم دین، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فارغ التحصیل، متعدد دینی اداروں میں تدریس کا فریضہ سرانجام دینے والے، نوجوان مجاہد، بھرپور پھرتیلا، متحرک، ذہین وفطین نوجوان، زیرک ومعاملہ فہم، بے پناہ کارکن، انکساری کا پیکر، محنت کے خوگر، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر رحم کرنے کا عادی، قد درمیانہ، جسم ہلکا، آنکھوں پر عینک، سادہ لدھیانوی ٹوپی سر پر، فاقہ مست، درویش صفت۔

یہ تھے مولانا فخر الزمان جو تحصیل تونسہ کے معروف قصبہ وہواء کے رہنے والے تھے۔ دو سال ہوئے بڑی سج دھج سے شادی ہوئی۔ کئی بار گھر امید ہوئی۔ لیکن اسقاط ہوگیا۔ علاج جاری، دعاؤں کا

سلسلہ ساری، لیکن شہادت پر راز کھلا کہ وہ اولاد کے لئے نہیں، جنت کے لئے تخلیق کیے گئے تھے۔

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوریؒ کا وہ بے پناہ احترام کرتے تھے۔ مولانا جلال پوریؒ بھی انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز گردانتے تھے۔ گھر کے اکثر امور ان سے وابستہ کر رکھے تھے۔ صبح وشام کا ساتھ رہا اور ایسا کہ اب قیامت کو بھی ساتھ اٹھیں گے۔ زہے نصیب فخر الزمان واقعی تو اسم با مسمّٰی ہی نکلا۔ یہ بھی مولانا سعید احمد جلالپوریؒ کے ساتھ ۱۱ر مارچ کو شہادت عظمٰی کے منصب پر فائز ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جناب حافظ محمد حذیفہؒ

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کے ساتھ مرتبۂ شہادت پر سرفراز ہونے والے تیسرے آپ کے صاحبزادہ حافظ محمد حذیفہؒ تھے۔ ماشاء اللہ اٹھتی جوانی، قد کاٹھ قابلِ دید، بھرواں جسم، سانولا من بھاتا معصوم پھول جیسا چہرہ، عقابی آنکھوں پر چشمہ کی سجاوٹ، خوب بھولی بھالی ادائیں، جامعۃ العلوم الاسلامیہ سے حفظ مکمل کیا۔ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ نے اسے جامعہ باب العلوم کہروڑپکا میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم کی زیرنگرانی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ فقیر نے عرض کیا کہ مولانا! آپ کراچی، بیٹا سینکڑوں میل دور دیہاتی شہر کہروڑپکا۔ یہ کیا فیصلہ کیا؟ تو فرمایا کہ: یہ بڑا ہو رہا ہے۔ اٹھتی جوانی ہے۔ حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالمجید صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ اُمید ہے کہ پڑھ جائے گا۔ ورنہ آپ کی صحبت کے فیض سے انسان تو یقیناً بن جائے گا۔ یہی چاہئے اور بس۔

فقیر راقم کی ۴ر مارچ کو ختم نبوت کانفرنس کہروڑپکا پر اپنے اس عزیز محمد حذیفہ سے اسٹیج پر ملاقات ہوئی۔ جب شہادت کی خبر ملی تو بات سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ کہروڑپکا، وقوعہ کراچی؟ معلوم ہوا دو روز قبل مولانا جلال پوریؒ نے بیٹے کو کراچی بلوایا۔ پہلے وہ کراچی آنے کی اجازت مانگتا، نہ دیتے تھے۔ اب کے خود بلوالیا۔ شہادت کے روز دفتر سے مسجد جانے لگے تو حذیفہ کو گھر سے ساتھ لیا۔ مسجد خاتم النبیین سے واپسی پر بلا کر پھر ساتھ بٹھایا۔ آگے چلے تو باپ بیٹے کا ایک ساتھ ایسے سفر ہوا کہ یادگار و قابلِ رشک۔ لیجئے! حذیفہ اس نوعمری میں نہ زیادہ پڑھا نہ پڑھایا، نہ کمایا نہ کھایا، لیکن جنت نشین ہو گیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہٗ نے اگلے دن تعزیت کے لئے کراچی کا سفر کیا۔ اپنے عزیز شاگرد حذیفہ کی قبر پر کھڑے تو ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ پھر دوسری بار تذکرہ ہوا تو اتنے روئے کہ دل کی تکلیف شروع ہوگئی۔ لیجئے! حذیفہ کی سعادت مندی، اس جگ دھج سے جانے پر اساتذہ کے استاذ بھی دل گرفتہ۔ لیکن یہ راز بھی کھل گیا کہ استاذ کو اپنے شاگرد سے اپنی اولاد کی طرح محبت ہونی چاہئے۔ جیسے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو عزیز حذیفہ سے۔

جناب عبدالرحمٰن سری لنکن شہیدؒ

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کے ساتھ شہید ہونے والے چوتھے جناب عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ یہ عمر کے اعتبار سے اڑتالیس، چالیس کے پیٹے میں ہوں گے۔ دراز قد، تیز و تیکھے خدو خال، حسن کی تمام رعنائیوں پر نیکی کی گہری چھاپ، معصوم و خوبصورت ادا، سانولا چمکیلا رنگ، اصلاً سری لنکا کے پیدائشی، کراچی امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار، کبھی سری لنکا کبھی کراچی، یہی حال بال بچوں کا بھی۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ بچے تعلیم کے لئے سری لنکا، اہلیہ بھی ان کے ہمراہ سری لنکا۔ بھائی عبدالرحمٰن اپنے دفتر سے فارغ ہوتے تو مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کے ساتھ اور ایسے ساتھ کہ اب قیامت و جنت کا بھی ساتھ ہوگیا۔

شہادت کے روز مولانا مفتی رضوی نے فقیر کو فون کیا کہ کیا خبر ہے۔ تفصیل بتا کر معلوم کیا کہ عبدالرحمٰن صاحب کے جنازہ و تدفین کا کیا کرنا ہے، کراچی یا سری لنکا؟ تو فرمایا کہ میں عبدالرحمٰن صاحب کے گھر بیٹھا ہوں، ان کے والد گرامی میرے ساتھ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عبدالرحمٰن اس دفعہ کراچی جاتے ہوئے اہلیہ کو کہہ گئے تھے کہ اگر مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کے ساتھ میری شہادت ہو جائے تو ان کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسے ہوا۔ فرمایئے! اسے حسنِ اتفاق کہیں گے یا قدرت کی دَین۔ جو بھی فرمائیں بہرحال جو سنا وہ عرض کر دیا ہے اور بس، تو پھر بس ہی بھلی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات پر اپنی رحمتوں کی موسلا دھار بارش نازل فرمائیں۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب ہو۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ ”رفتند ولے نہ از دلِ ما“

(از ماہنامہ بینات۔ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ۔ صفحہ ۴۲ تا ۴۴ مضمون مولانا اللہ وسایا صاحب)

حضرت مولانا عبدالغفور ندیم شہیدؒ

(شہادت: ۱۴؍مارچ ۲۰۱۰ء)

مولانا مفتی عبدالرحمٰن مدنی لکھتے ہیں:

تین موٹر سائیکلز پر چھ قاتل سوار تھے۔ ان کی بیک پر ایک کار بھی تھی۔ گیارہ مارچ ۲۰۱۰ء جمعرات کا دن اور صبح کے آٹھ بجے تھے۔ قاتلوں نے مولانا عبدالغفور ندیم شہید کے ۱۹ سالہ صاحبزادے معاویہ کو شہید کر دیا۔ اس فائرنگ کی آواز سے گاڑی میں موجود لوگ سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے دفاعی پوزیشن سنبھالنے کے لئے حرکت شروع کی ہی تھی کہ قاتل سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے گاڑی پر تین اطراف سے اندھادھند فائر کھول دیا۔ گاڑی کے اندر سے بھی جوابی فائر ہوئے۔ قاتلوں کو بھی گولیاں لگیں۔ گاڑی میں کل پانچ افراد تھے۔ مولانا عبدالغفور ندیم، ان کے دو صاحبزادے، ایک ڈرائیور اور ایک گن مین۔ سب کو گولیاں لگیں اور سب ہی شدید زخمی ہو گئے۔ کیا عجیب منظر تھا۔ مولانا کا ایک بیٹا گاڑی سے چند قدم پیچھے شہادت کی منزل کو پا چکا تھا اور مولانا گاڑی میں اپنے دیگر دو بیٹوں سمیت گولیوں سے بھونے جا رہے تھے۔ جرم تھا...... دفاع صحابہؓ اور مدح صحابہؓ!

مولانا کی عمر ۵۲ سال تھی۔ وہ کبیر والا پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام خدا بخش تھا۔ وہ کل آٹھ بہن بھائی تھے۔ انہوں نے دینی تعلیم بھی کبیر والا سے حاصل کی تھی۔ وہ ۲۲ سال پہلے کراچی آئے اور ملیر کراچی کی مسجد بیت المکرّم میں امامت کے فرائض انجام دینا شروع کر دیے۔ اس کے بعد وہاں سے لیاقت آباد تشریف لے آئے۔ لیاقت آباد عرف لالوکھیت میں تعصب کی زہرناک فضا پرورش پا رہی تھی۔ مولانا کو اہلِ محلہ بطورِ خاص لائے تھے۔ حضرت نے

دلنشین اندازِ خطابت سے نوجوانوں کی دینی تربیت شروع کر دی، لیکن نگاہِ قدرت ان کا انتخاب ایک عالی شان مقام کے لیے کر چکی تھی۔

مولانا عبدالغفور ندیم صاحب اگرچہ مناسب قد و قامت کے حامل تھے، لیکن مردانہ وجاہت خوب پائی تھی۔ خوبصورت کتابی چہرہ، لمبی گھنی داڑھی۔ ترشے ہوئے ہونٹ، قطار اندر قطار موتیوں سے دانت۔ کندھوں تک آتے لمبے گھنے گھنگھریالے بال۔ ہر وقت انتہائی صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہوتے اور چہرے پر ایک شفیق، دھیمی اور متانت خیز مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ بات ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے۔

۱۹۹۱ء میں انہیں مشہور عالم دین مولانا اعظم طارق شہیدؒ کی کراچی سے جھنگ منتقلی کے وقت کراچی کی مشہورِ زمانہ جامع مسجد صدیقِ اکبرؓ میں بطور خطیب بلایا گیا۔ وہ آئے اور اس منبر کو سنبھالا جہاں کبھی مولانا اعظم طارق شعلہ نوائی کیا کرتے تھے۔ مولانا نے جمعہ کی تقریر کو ایک نیا آہن عطا کیا۔ وہ کھڑے ہو کر تقریر کرتے۔ عربی خطبے سے قبل تقریباً پورا گھنٹہ وہ اُردو تقریر کرتے۔ ان کا اندازِ خطابت، فنِ خطابت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ ان کی باڈی لینگویج، آواز کا اُتار چڑھاؤ، چہرے کے تاثرات، مجمعے سے ان کا آئی کنٹیکٹ، ہر چیز معیارِ خطابت پر پوری اُترتی تھی۔

تقریر کا ابتدائیہ ایک خوبصورت عربی خطبہ سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ انتہائی موزوں اشعار پڑھتے، اور پھر ان کی تقریر کا آغاز ہوتا۔ لہجہ دھیما ہوتا ابتدا میں، آہستہ آہستہ تقریر میں اُٹھان آتی چلی جاتی، مگر ہر لفظ صاف صاف سمجھ میں آتا تھا۔ تقریر کا ایک تھیم ہوتا تھا۔ ان کی ہر بات ان کے موضوع سے ہی متعلق ہوتی تھی اور آخر میں وہ اپنی تقریر کو سمیٹتے۔ ایک واضح پیغام اس تقریر سے ملتا تھا۔

مسجد میں ان کے قدم رکھنے سے پہلے ہی مسجد کا اندرونی ہال جس میں تقریباً ایک ہزار افراد کی گنجائش ہے، مکمل طور پر بھر جاتا تھا۔ کراچی بھر سے دینی مدارس کے طلبہ جامع مسجد صدیق اکبرؓ بطورِ خاص ان کی تقریر سننے جاتے تھے۔ دشمنانِ صحابہؓ پر وہ گرجتے تو رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ ادھر وہ تقریر کرتے، اُدھر گرفتاری کا وارنٹ آ جاتا۔ انہوں نے جامع مسجد صدیق اکبرؓ میں ۱۹ سال خطابت کے فرائض سرانجام دیے۔ ان ۱۹ سالوں میں سے سات سال انہوں نے جیل میں گزارے۔ وہ استقامت کے پہاڑ اور صبر و تحمل کی اعلیٰ و نادر مثال تھے۔ وہ جب مسکرا کر سامنے

والے کی جانب دیکھتے تھے تو وقت ٹھہر سا جاتا تھا۔

وہ ہر دلعزیز تھے۔ ہر مجلس، ہر محفل اور ہر قسم کی تقریب میں انہیں بلایا جاتا تھا۔ ان کے والد خدا بخش زمین دار تھے۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ مولانا کے پانچ صاحبزادے تھے، جن میں سے ایک صاحبزادہ معاویہ گیارہ مارچ کو ہی شہید ہو گیا تھا۔ مولانا اس قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوئے۔ مولانا کے ساتھ ان کے دوسرے دونوں بیٹے بھی زخمی ہوئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ مولانا کی اہلیہ کا صرف ایک ماہ قبل بائی پاس آپریشن ہوا تھا اور وہ ابھی تک بسترِ علالت پر تھیں۔ اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتی تھیں کہ یہ حادثۂ جانکاہ ہو گیا۔ یعنی مولانا کے پورے گھرانے نے قربانی اور ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ مولانا لیاقت نیشنل ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ اس دوران کراچی بھر کے علماء و طلبہ کا تانتا بندھا رہا۔ مولانا کو شوگر بھی تھی۔ گولیوں کے زخم بھر کے نہ دے رہے تھے اور خون مسلسل رس رہا تھا۔ آخر کار جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ کا اعلان ہوا تو گویا پورا کراچی اُمڈ آیا۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ اور سر ہی سر تھے۔ مجمع میں ۹۵ فیصد نوجوان تھے۔ لوگ انہیں یاد کر کے رو رہے تھے۔ مسجد میں جگہ کم پڑ گئی تو مین ناگن چورنگی پر نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ اطراف کی ساری سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ مولانا کی تدفین جامع مسجد صدیق اکبرؓ کے احاطے میں ہی مسجد کے مینار کے قریب کی گئی۔ تدفین کے فوراً بعد ہی قبر سے خوشبو پھوٹنا شروع ہو گئی۔ پوری مسجد مہک اٹھی۔ لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگ آتے، خوشبو سونگھتے اور مولانا کے مقدر پر رشک کرتے۔ جی ہاں! یونہی تو انسان رشکِ ملائک نہیں بن جاتا۔ جانے کب تک علماء کا خونِ ناحق بہتا رہے گا؟

(ہفت روزہ ضربِ مومن ۹ تا ۱۵ راپریل ۲۰۱۰ء)

روزنامہ اسلام کے ادارتی کالم ملاحظہ ہو:

اہل سنت والجماعت کے مرکزی رہنما اور معروف خطیب و مذہبی شخصیت مولانا عبدالغفور ندیم جو جمعرات کے روز کراچی میں انو بھائی پارک کے نزدیک اپنے صاحبزادوں سمیت دہشت گردی کا نشانہ بن کر شدید زخمی ہو گئے تھے، اتوار کی صبح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یوں پاکستان کے مسلمانوں کو مولانا سعید احمد جلال پوری کے بعد مولانا عبدالغفور ندیم کی مظلومانہ شہادت کے عظیم المیے سے دوچار ہونا پڑا اور دہشت گردی کے عفریت نے علماءِ حق کے

قافلے کے ایک اور جری سپاہی کی جان لے لی۔ مولانا عبدالغفور ندیم اہل السنت والجماعت کے مرکزی رہنما بھی تھے اور ان کا شمار ملک کے مشہور خطیبوں میں ہوتا تھا، ساتھ ہی وہ قلم کے میدان کے شہسوار بھی تھے اور مختلف دینی موضوعات پر ان کی تحریریں ''اسلام'' سمیت مختلف قومی اخبارات کی زینت بنتے تھے۔ مولانا ندیم نے اپنی پوری زندگی دین کی تبلیغ واشاعت بالخصوص ناموس صحابہؓ کے تحفظ کی جدوجہد میں گزاری، اس محاذ پر جدوجہد کے دوران انہیں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں اور تشدد بھی سہنا پڑا مگر انہوں نے اپنے مشن سے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا اور بالآخر اس مشن کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔

مولانا عبدالغفور ندیم پاکستان میں ناموس صحابہؓ کے تحفظ کا مطالبہ کرنے کے ''جرم'' میں قتل کیے جانے والے پہلے مذہبی رہنما نہیں ہیں، ان کی جماعت کی پوری قیادت اس جرم میں شہید کی جا چکی ہے۔ گزشتہ ایک دو سالوں کے دوران ملک بھر میں اور بالخصوص سندھ میں ایک درجن سے زائد مذہبی رہنماؤں اور علماء کرام کو شہید کیا جا چکا ہے لیکن افسوس کہ ہمارے حکمرانوں اور ارباب اختیار کو علماء حق کے خلاف ہونے والی دہشت گردی نظر ہی نہیں آتی۔ علماء کے قاتل گرفتار نہیں کیے جاتے اور گرفتاری کی صورت میں ان کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی جاتی۔ وزیر داخلہ کے مطابق پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے کے لیے رقوم تقسیم کی جا چکی ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر وزیر داخلہ یہ رقوم تقسیم کرنے والوں کے بارے میں علم رکھتے ہیں تو انہیں گرفتار کیوں نہیں کرواتے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ علماء کرام کے قتل کا مذموم تسلسل اب ختم ہو جانا چاہیے اور حکمرانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے۔